Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

ذخیرہ پروفیسر محمد اقبال مجددی

جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو

ہدیہ کیا گیا۔

Marfat.com

سیر المصنفین

(جلد اوّل)

ذخیرہ محمد اقبال مجددی

جس میں

اردو نثر کی ابتداء اور عہد بعہد کی ترقی دکھائی گئی ہے

از

مولوی محمد یحییٰ تنہا صاحب۔ بی اے، ایل ایل، بی

بفرمائش

شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں چھپی

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں)

تعداد جلد ایکہزار

Marfat.com

136938

Marfat.com

فہرست مطالب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	دیباچہ طبع دوم	۱	۱۶	مرزا علی لطف	۶۶
۲	دیباچہ طبع اوّل	۴	۱۷	آشفتہ	۷۰
۳	اُردو کی پیدایش	۹	۱۸	حسن	۷۲
۴	قدیم اُردو	۲۴	۱۹	میر بہادر علی حسینی	۷۶
۵	اُردو کا عالم طفولیت	۴۰	۲۰	اخلاقِ ہندی	۷۸
۶	پہلا دور	۴۴	۲۱	تاریخ آسام	۸۰
۷	میر محمد عطا حسین خان تحسین	۴۶	۲۲	رسالہ گلکرائسٹ	۸۰
۸	مولوی شاہ رفیع الدین	۴۸	۲۳	طرزِ تحریر	۸۱
۹	محمد عوض زرین	۵۰	۲۴	میر امن دہلوی	۸۱
۱۰	ڈاکٹر جان گلکرائسٹ	۵۴	۲۵	قصہ چہار درویش	۸۵
۱۱	سید حیدر بخش حیدری	۵۶	۲۶	نو طرزِ مرصع	۸۵
۱۲	انتخاب از آرایشِ محفل	۶۰	۲۷	باغ و بہار	۸۵
۱۳	انتخاب از گلِ مغفرت	۶۴	۲۸	سیر دوسرے درویش کی	۸۶
۱۴	انتخاب از گلشنِ ہند	۶۵	۲۹	قصہ حاتم طائی کا	۸۷
۱۵	اسلوبِ بیان	۶۶	۳۰	مولوی شیخ حفیظ الدین احمد	۹۴

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۱	طرزِ نگارش	۹۷
۳۲	میر شیر علی افسوس	۹۷
۳۳	پہلا دیباچہ تعریف میں لارڈ صاحب کی	۱۰۰
۳۴	آرائشِ محفل (ترجمہ یا تالیف)	۱۰۵
۳۵	اصل کتاب کن کن کتابوں کی مدد سے تیار کی گئی	۱۱۱
۳۶	اسلوبِ بیان	۱۱۳
۳۷	وہ الفاظ و محاورات جو آج کل استعمال ہوتے ہیں	۱۱۷
۳۸	وہ الفاظ و محاورات جو اختیار کرنے کے لائق ہیں	۱۲۰
۳۹	وہ مثالیں جہاں افسوس نے خلاصۃ التواریخ سے اختلاف کیا ہے	۱۲۳
۴۰	بعض حالات سے ذخیرۂ معلومات میں اضافہ	۱۲۴
۴۱	سید انشاء اللہ خان انشاء	۱۲۷
۴۲	تعلیم اور شاعری	۱۲۷
۴۳	تصانیف	۱۲۸
۴۴	الفاظ کی فصاحت اور غیر فصاحت	۱۳۱
۴۵	مختلف زبانیں جانتے تھے	۱۳۶
۴۶	حلیہ	۱۳۷
۴۷	لطائف	۱۳۷
۴۸	انجام اچھا نہ ہوا	۱۳۹
۴۹	انشاء کی زندگی میں انقلابات	۱۴۱
۵۰	مولوی شاہ عبد القادر دہلوی	۱۴۳
۵۱	مولوی نذیر احمد کی رائے ترجمۃ القرآن پر	۱۴۴
۵۲	مولوی اسمٰعیل دہلوی (شہید راہِ خدا)	۱۴۷
۵۳	پہلا باب شرک و توحید کے بیان میں	۱۵۰
۵۴	نہال چند لاہوری	۱۵۳
۵۵	نمونہ از مذہبِ حق	۱۵۵
۵۶	ترجمہ پر رائے	۱۵۶

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۷	میرزا کاظم علی جوآن	۱۵۷	۷۳	مولوی امانت اللہ	۱۸۴
۵۸	سری للولال کوی	۱۵۹	۷۴	ترجمہ قرآن شریف	۱۸۵
۵۹	مولوی اکرام علی	۱۶۳	۷۵	اخلاق جلالی کا ترجمہ	۱۸۶
۶۰	رسالہ اخوان الصفا پر رائے	۱۶۵	۷۶	صرف اردو	۱۸۷
۶۱	نمونہ از رسالہ اخوان الصفا	۱۶۵	۷۷	طرز تحریر پر رائے	۱۸۹
	فصل جنوں کی اپنے بادشاہوں		۷۸	منشی بینی نارائن جہاں	۱۹۰
۶۲	اور سرداروں کی اطاعت	۱۶۸	۷۹	چار گلشن	۱۹۱
	کے بیان میں		۸۰	دیوان جہاں	۱۹۱
۶۳	فصل	۱۷۲	۸۱	میرزا جان طپش	۱۹۳
۶۴	مظہر علی ولا	۱۷۷	۸۲	شمس البیان فی مصطلحات	۱۹۵
۶۵	مادھونل اور کام کندلا	۱۷۸		ہندوستان	
۶۶	ترجمہ کریما	۱۷۹	۸۳	بہار دانش	۱۹۵
۶۷	ہفت گلشن	۱۷۹	۸۴	خلیل علی خاں اشک	۱۹۸
۶۸	اتالیق ہندی	۱۸۰	۸۵	طرز نگارش	۲۰۰
۶۹	بتیال پچیسی	۱۸۰	۸۶	مرزا محمد فطرت	۲۰۴
۷۰	تاریخ شیر شاہی	۱۸۳	۸۷	سید حمید الدین بہاری	۲۰۴
۷۱	جہانگیر نامہ	۱۸۳	۸۸	میر محمد حسین کلیم	۲۰۵
۷۲	طرز تحریر	۱۸۴	۸۹	خاتمہ	۲۰۶

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۰	دوسرا دور ۱۸۲۱ء سے ۱۸۵۷ء تک	۲۰۸	۱۰۷	لالہ گوبند سنگھ	۲۲۷
۹۱	فنِ زراعت	۲۱۳	۱۰۸	مولوی مسیح الزماں	۲۲۸
۹۲	کتبِ حکمت	۲۱۴	۱۰۹	منشی چرنجی لال	۲۲۹
۹۳	کتب نجوم و ہیئت	۲۱۴	۱۱۰	سید فدا حسین	۲۳۰
۹۴	طبیعات	۲۱۴	۱۱۱	مفتی صدرالدین آزردہ	۲۳۱
۹۵	معاشیات	۲۱۵	۱۱۲	مفتی سعداللہ رامپوری	۲۳۲
۹۶	منطق	۲۱۵	۱۱۳	عباس بن ناصر علی المورخ	۲۳۳
۹۷	مولوی محمد عمران رامپوری	۲۱۶	۱۱۴	امام بخش صہبائی	۲۳۴
۹۸	سید اعظم علی اکبرآبادی	۲۱۷	۱۱۵	ترجمہ پر رائے	۲۳۶
۹۹	سید صالح محمد دہلوی	۲۱۸	۱۱۶	سید باقر حسین	۲۳۷
۱۰۰	محمد بخش مہجور	۲۱۹	۱۱۷	عبارتِ مترجم	۲۳۸
۱۰۱	فقیر محمد خاں گویا	۲۲۰	۱۱۸	سید فضل علی	۲۳۸
۱۰۲	بستانِ حکمت کا نمونہ	۲۲۱	۱۱۹	نواب محمد قطب الدین خاں	۲۴۰
۱۰۳	سببِ ترجمۂ کتاب	۲۲۲	۱۲۰	مولوی کریم الدین	۲۴۱
۱۰۴	سدا سکھ لال	۲۲۴	۱۲۱	جیمس کارکرن	۲۴۳
۱۰۵	نیم چند کھتری	۲۲۵	۱۲۲	عبارت سرورق	۲۴۴
۱۰۶	آغا امانت لکھنوی	۲۲۶	۱۲۳	پنڈت سروپ نرائن و شیو نرائن	۲۴۵

Marfat.com

نمبرشمار	مضمون	صفحہ	نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۲۴	مرزا رجب علی بیگ سرور	۲۴۶	۱۴۱	تاہل	۲۶۳
۱۲۵	سرور کی انشاء پردازی پردائے	۲۴۷	۱۴۲	مسکن	۲۶۳
			۱۴۳	مطالعۂ کتب	۲۶۳
۱۲۶	نمونہ از فسانۂ عجائب	۲۴۸	۱۴۴	سفرِ کلکتہ	۲۶۳
۱۲۷	طوطا خریدنا جانعالم کا	۲۴۸	۱۴۵	دیباچہ سراج المعرفت	۲۶۹
۱۲۸	رقعۂ دعوتِ شادی	۲۴۹	۱۴۶	خواجہ بدر الدین خاں عرف خواجہ امان	۲۷۲
۱۲۹	گلزارِ سرور	۲۵۰			
۱۳۰	نمونہ گلزار سرور	۲۵۰	۱۴۷	اصول افسانہ نگاری	۲۷۵
۱۳۱	نمونہ از شمشیر خانی	۲۵۲	۱۴۸	بوستانِ خیال کی جلدیں	۲۷۹
۱۳۲	سید ظہیر الدین حسین	۲۵۳	۱۴۹	ماسٹر رام چندر	۲۸۰
۱۳۳	امام الدین طالب	۲۵۵	۱۵۰	حال اقلیدس مشہور مہندس یونانی کا	۲۸۱
۱۳۴	شیخ احمد علی	۲۵۶			
۱۳۵	یوسف خاں	۲۵۷	۱۵۱	ذکر کھلائے ہند	۲۸۳
۱۳۶	آغازِ حال مؤلف	۲۵۸	۱۵۲	سید عنایت احمد	۲۸۶
۱۳۷	سید احمد	۲۵۹	۱۵۳	بیان خدمت ترک نماز	۲۸۷
۱۳۸	عبارت سرورق	۲۵۹	۱۵۴	عام رائے	۲۸۷
۱۳۹	مرزا اسد اللہ خاں غالب	۲۶۰	۱۵۵	مولوی غلام امام خاں ترین	۲۸۸
۱۴۰	تعلیم	۲۶۲	۱۵۶	مولانا غلام امام شہید	۲۹۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۷	رقعہ تہنیت و تعزیت آمیز	۲۹۱	۱۷۰	دتاسی کی تصنیفات	۳۰۸
۱۵۸	تاج گنج کے روضے کی تعریف	۲۹۲	۱۷۱	اخلاق و عادات	۳۰۹
۱۵۹	خانبہادر منشی غلام غوث بیخبر	۲۹۸	۱۷۲	شاگرد	۳۱۰
۱۶۰	بیخبر کی انشاء پردازی	۲۹۹	۱۷۳	اردو کی اشاعت اور تائید	۳۱۱
۱۶۱	صبح	۲۹۹			
۱۶۲	دوپہر	۲۹۹	۱۷۴	مولوی ضیاء الدین	۳۱۴
۱۶۳	شام	۳۰۰	۱۷۵	منشی امیر احمد مینائیؒ	۳۱۵
۱۶۴	شہید کی انشائے "بہار بیخزاں" کی تقریظ	۳۰۱	۱۷۶	آپ کا تذکرہ اس دور میں کیوں کیا گیا	۳۱۵
۱۶۵	مؤلف کی رائے	۳۰۳	۱۷۷	تصنیف و تالیف	۳۱۷
۱۶۶	خط مولانا غلام امام شہید کے نام	۳۰۴	۱۷۸	سیاحت حیدرآباد دکن اور وفات	۳۱۸
۱۶۷	منشی عبدالکریم	۳۰۵	۱۷۹	اولاد	۳۱۸
۱۶۸	انداز تحریر	۳۰۵	۱۸۰	مکان میں آتشزدگی	۳۱۸
۱۶۹	"گارسان دتاسی"	۳۰۷	۱۸۱	انتخاب یادگار	۳۱۹

۱۸۲ خاتمہ ۳۲۳

(صرف فہرست مطالب نامی پریس لاہور میں چھپی)

Marfat.com

یا فتّاحُ

دیباچہ

(طبع دوم)

ہماری یہ کتاب ۱۹۲۴ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی تھی۔ اس مضمون پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب تھی۔ شعراء کے تذکرے تو بیسیوں لکھے جا چکے تھے۔ لیکن نثر نگاروں کی طرف کسی کی توجہ مائل نہ ہوئی تھی۔ اُس وقت ہم نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ:

"پہلے اور دوسرے دور کے مصنفین کے حالاتِ زندگی امتدادِ زمانہ نے ہماری دسترس سے باہر کردئیے ہیں۔ اس لئے نہایت مختصر اور نہایت قلیل حالات درج ہو سکے جس کا بے حد افسوس ہے۔ تاہم اُمید ہے۔ کہ اس کتاب کی اشاعت پر ہمارے ناظرین میں تحقیق و تفتیش کی تحریک پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ اس کمی کو دُور کرنے کی سعی بلیغ فرمائیں گے۔ اور ان کی توجہ سے قابلِ یقین ہے۔ کہ ہم آیندہ نہ صرف موجودہ مصنفین کے حالاتِ زندگی بالتفصیل زیبِ قرطاس کریں گے۔ بلکہ توقع کی جاتی ہے۔ کہ آئندہ ان دونوں دوروں کے مصنفین کی تعداد میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔"

چنانچہ ہماری کتاب کی اشاعت کے بعد اُردو نثر نگاروں کے حالات کی طرف چند اصحاب نے توجہ فرمائی۔ اور حسب ذیل کتب یکے بعد دیگرے عالم وجود میں آئیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے:۔

(۱) دکن میں اُردو، از مولوی نصیر الدین ہاشمی۔ (۲) تاریخ ادب اُردو، از بابو رام بابو سکسینہ مترجمہ مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے لکھنوی (۳) اربابِ نثرِ اردو، از

Marfat.com

سید محمد صاحب ایم اے (۴) پنجاب میں اردو ، از مولوی محمود خاں صاحب شیرانی (۵) تاریخ نثر اُردو ، از مولوی علی احسن صاحب مارہروی۔

اگرچہ یہ کتابیں سوائے نمبر ۳ و ۵ صرف نثر نگاروں کے متعلق نہیں ہیں لیکن کچھ نثر نویسوں کا تذکرہ بھی ان میں موجود ہے۔ اور کم از کم تاریخ اردو کے لئے کار آمد ہیں اس لئے ہم نے "اُردو کی پیدائش" کے باب میں پہلی اور چوتھی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ نمبر ۲ سے ہمیں کوئی مدد نہیں ملی محض اس مضمون پر کتاب شائع ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ البتہ نمبر ۳ سے فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے بارہ میں کچھ مزید حالات اور ان کی بعض کتابوں کے نمونے پیش کرنے میں بہت سہولت ہوئی اور نمبر ۵ سے بھی چند مزید مصنفین کی کتابوں کے نمونے دستیاب ہو گئے لیکن افسوس ہے۔ کہ ان کے حالات زندگی معلوم ہو سکے۔ جو ایک دو بیات مؤلف تاریخ نثر اردو نے اپنے نقشہ میں ظاہر کر دی تھی۔ اُسی پر اکتفا کیا گیا۔

ایک دو مصنف کے متعلق رسالہ اردو سے بھی کچھ مواد مل گیا ہے۔ اور اس طرح یہ کتاب بہت سے اضافے اور ترمیم کے بعد ۱۹۴۰ء میں دوبارہ شائع کی جا رہی ہے اگرچہ مجھے اب بھی یہ احساس ہے۔ کہ اس میں ہماری زبان کے جملہ مصنفین جن کا تعلق پہلے اور دوسرے دور سے ہے۔ مکمل طور پر درج نہیں ہو سکے۔ اور اب تک بہت سے ایسے مصنفین ہونگے۔ جو گوشۂ گمنامی میں پڑے ہونگے۔ لیکن اب یہ کام ان اصحاب کا ہے۔ جن کے پاس ایسے گمنام اصحاب کی کتابیں ہیں۔ کہ وہ خاکسار سے خط و کتابت کریں، اور معلومات بہم پہنچائیں۔ ہم ڈاکٹر سید خادم صاحب سیتاپوری کے ممنون ہیں۔ کہ انھوں نے علامۂ سیتاپوری کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ اور ہمارے پاس بھیجا۔ تاکہ ہم مولوی اکرام علی صاحب سیتاپوری کے حالات زندگی میں کچھ اضافہ کر سکیں۔ اگر اسی طرح دیگر حضرات بھی جن کے پاس کچھ نادر الوجود کتابیں موجود ہوں۔ توجہ فرمائیں۔ اور خاکسار کو مطلع کریں۔ تو نہ صرف یہ کہ اردو کے تمام و کمال مصنفین کا ذکر میری کتاب میں آجائے گا۔ بلکہ وہ اصحاب بھی

Marfat.com

جن کے نام سے کوئی آشنا نہیں۔ زندۂ جاوید ہو جائیں گے۔ یہ بھی اردو کی ایک خدمت ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ ہمارے یہاں کے بے حس حضرات جمود کے ایسے قائل ہیں کہ کسی طرح اس کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اور تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر اپنی زبان کی خدمت نہیں کرتے۔ جو میرے نزدیک اُن کے فرائض میں داخل ہے۔

اِس کتاب میں پہلے دو دوروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن پہلی اشاعت میں ہم نے پہلا دور ۱۷۹۸ء سے ۱۸۳۶ء تک اور دوسرا دور ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۷ء تک قائم کیا تھا، وجہ یہ تھی کہ ہمارے پاس نامکمل حالات تھے۔ اور ان میں سے بعض غلط تھے۔ مثلاً حضرت آزاد نے نواب شجاع الدولہ کے عہد میں محمد عطا حسین خاں تحسین کی کتاب نوطرزِ مرصع کا آغازِ تصنیف تو صحیح لکھا۔ لیکن یہ غلط لکھ گئے۔ کہ یہ کتاب ۱۷۹۸ء میں نواب آصف الدولہ کے عہد میں ختم ہوئی۔ نواب آصف الدولہ ۱۷۹۷ء میں فوت ہو چکے تھے۔ اور درحقیقت یہ کتاب ۱۷۷۵ء سے بھی کچھ قبل ختم ہو گئی تھی۔ جب نواب آصف الدولہ ۱۷۷۵ء میں وزیر الممالک ہوئے، اُس وقت اِس کتاب کو اُن کے نام پر معنون کیا گیا۔ لہذا ہمارا پہلا دور بجائے ۱۷۹۸ء کے ۱۷۷۵ء سے شروع ہو گیا۔ اور جب تک فورٹ ولیم کالج کا دور دورہ رہا۔ اور اِسی سلسلہ کی بنا پر جب تک وہاں کے مصنفین نے خواہ کالج کی فرمائش پر خواہ اپنے ذاتی شوق کی بنا پر کتابیں لکھیں۔ یہ دور چلتا رہا۔ چنانچہ اب یہ پہلا دور ہماری رائے میں ۱۷۷۵ء سے ۱۸۲۰ء تک جاری رہا۔ اور دوسرے دور کا آغاز ۱۸۲۱ء میں ہوا۔ اور یہ دور ۱۸۵۷ء میں ختم ہو گیا۔ تیسرا دور ۱۸۵۸ء سے شروع ہو کر ۱۹۰۰ء پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور چوتھا دور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۰ء تک شمار کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پانچواں دور ۱۹۴۱ء سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شروع ہو گیا۔ اور یہ کب ختم ہوگا کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز یہ کم نہ ہوں گے   جلسے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

لاہور
۱۹ ستمبر ۱۹۴۳ء

محمد یحییٰ تنہاؔ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

(طبع اول)

آج سے دس برس قبل یعنی ۱۹۱۴ء میں جبکہ راقم لکھنؤ میں اقامت گزیں تھا۔ یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ آب حیات کے نمونہ پر جو تاریخ نظم اردو کی مقبول کتاب ہے۔ نثر اردو کی تاریخ لکھی جائے۔ یا بالفاظ دیگر نثاران باکمال کا تذکرہ تحریر کیا جائے چنانچہ مصنفین اردو کے حالات زندگی کی جستجو دامنگیر ہوئی۔ لیکن اسی زمانہ کے قریب قریب جنگ چھڑ گئی۔ اور سب لوگوں کی توجہ لڑائی کی خبروں کی طرف منعطف ہو گئی کسی چیز کی جانب نہ وہ التفات رہا۔ اور نہ وہ سرگرمی۔ بلکہ شب و روز جنگی خبروں کے معلوم کرنے میں وہ انہماک ہو گیا۔ کہ تصنیف و تالیف سے بھی مطلق دلچسپی نہ رہی۔ یہ حال نہ صرف میرا تھا۔ بلکہ گرد و پیش کے سب لوگوں کو اسی مرض میں مبتلا دیکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کچھ دنوں تک اس قسم کی تصنیف کا خیال رہا۔ اور پھر ایسا نسیاً منسیاً ہو گیا۔ کہ ۱۹۲۳ء تک بھول کر بھی یاد نہ آیا۔ آخرکار جون ۱۹۲۳ء میں پھر خیال رفتہ نے دل میں چٹکی لی۔ اور اس مرتبہ مصمم قصد کر لیا۔ کہ جو کچھ ہو اور جس طرح ہو اپنے پرانے خیال کو عملی جامہ پہنا دوں۔ اگر حسب خواہش حالات بہم نہ پہنچیں یا کتابیں دستیاب نہ ہوں۔ تو جس قدر حالات فراہم ہو سکیں۔ اور جس قدر کتابیں مل سکیں۔ اور اُن سے جیسی کچھ کتاب مرتب ہو سکے پبلک کی خدمت میں پیش کر دوں۔

ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کے لئے ایک بڑے کتب خانہ کی ضرورت ہے۔ غازی آباد

Marfat.com

جیسے مقام میں وہ کہاں؟ تاہم دلی کی قربت نے میری مشکل کو کسی قدر آسان کر دیا۔ اور مجھے بہت سا مواد وہاں سے مل گیا، پھر بھی دل کی آرزو دل میں ہی رہی یعنی جن کتابوں کے دیکھنے کو جی ترستا تھا۔ وہ دستیاب نہ ہوئیں۔ ناچار جو کچھ میسر آیا۔ اُس پہ قناعت کی گئی۔ پس کتاب موجودہ شکل میں ہدیۂ ناظرین ہے۔

خدا کا شکر ہے۔ کہ اب اُردو جو کس مپرسی کی حالت میں تھی، اہل ملک کی چہیتی اور پیاری زبان ہوتی جاتی ہے۔ پہلے انگریزی تعلیم یافتہ اُردو میں لکھنا پڑھنا خلاف شان سمجھتے تھے۔ اور اُردو رسائل و اخبارات پہ ایک نظر ڈالنا گناہ جانتے تھے لیکن اب وہ حال نہیں رہا۔ نئی نئی کتابیں لکھنے اور پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ اور ہم اپنی زبان کو جملہ اقسام کی کتابوں سے مالا مال دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس کتاب میں اہل ملک کے سامنے اپنی زبان کی عہد بعہد ترقی و تبدیلی کا ایک خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اگرچہ اس سے ضمناً تاریخ اُردو کی تکمیل بھی مقصود ہے۔ جو اب تک ناتمام چلی آتی تھی۔ اور کسی اہل نے ہنوز اسی طرف توجہ نہ کی تھی۔ ؎

"آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند" ۱۱

اس کتاب میں تین دور قائم کئے گئے ہیں۔ پہلا دور[1] ۱۶۹۸ء سے ۱۸۳۶ء تک دوسرا دور ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۷ء تک اور تیسرا دور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک ہے۔ چوتھا دور ۱۹۱۴ء سے شروع ہوتا ہے لیکن ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ کب ختم ہو گا یہ دور دورِ حاضر ہے۔ اور اس دور کے مصنفین کس درجہ اور کس پایہ کے ہونگے۔ زمانہ آگے چل کر بتائے گا۔ ابھی ان مصنفین کی ابتدا ہے۔ اور خدا بہتر جانتا ہے۔ کہ ان لوگوں کی انتہا کیسی ہوگی۔ فی الحال یہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان مصنفین کے حالات سے قطع نظر کی جائے۔ اس بارے میں مولوی عبدالحق بی۔ اے سکرٹری انجمن ترقی اُردو اور مولوی عبدالرزاق مصنف البرامکہ نظام الملک طوسی میرے ہم خیال ہیں۔ اگرچہ بعض دوستوں کا یہ بھی اصرار ہے کہ دورِ حاضر کے مصنفین کے حالات ضرور داخل کتاب

---

[1] ان ادوار کے سنین بدل دئے گئے ہیں ملاحظہ ہو دیباچہ طبع دوم کتاب ہٰذا

Marfat.com

ہوں، راقم کو افسوس ہے۔ کہ وہ اس مشورہ سے فائدہ نہ اُٹھا سکا۔ اور ان کے حالات قلمبند کرنے سے قاصر رہا۔ نہ اس وجہ سے کہ اُن کے حالات میسّر نہ آسکے۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ موجودہ مصنفین کو اپنی تصنیفات پر تنقیدی نظر شاید ناگوارِ خاطر ہو۔ اور ان کے ہوا خواہاں و مدح خواں بے لطفی و بدمزگی پیدا کریں۔

پہلے اور دوسرے دَور کے مصنفین کے حالاتِ زندگی امتدادِ زمانہ نے ہمارے دسترس سے باہر کر دیئے ہیں، اس لئے نہایت مختصر اور نہایت قلیل حالات درج ہوسکے جس کا بے حد افسوس ہے، تاہم اُمید ہے۔ کہ اس کتاب کی اشاعت پر ہمارے ناظرین میں تحقیق و تفتیش کی تحریک پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ اس کمی کو پورا کرنے کی سعی بلیغ فرمائیں گے۔ اور ان کی توجہ سے کامل یقین ہے کہ ہم آیندہ نہ صرف موجودہ مصنفین کے حالاتِ زندگی بالتفصیل زیبِ قرطاس دیکھیں گے۔ بلکہ توقع کی جاتی ہے۔ کہ آئندہ ان دونوں دوروں کے مصنفین کی تعداد میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

تیسرے دَور کے مصنفین کے حالات حتی الامکان جس قدر فراہم ہوسکے تحریر کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ سب اصحاب اب سے تیس برس پیشتر زندہ تھے۔ اور بعضوں کے انتقال کو تو صرف دس سال ہی ہوئے ہیں۔ اور ان میں حضرتِ سرشار اب تک خدا کے فضل سے زندہ اور صحیح و سلامت ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کے حالاتِ زندگی معلوم کرنا یا بہم پہنچانا دشوار نہ ہوا۔ البتہ سرشار کے حالات زندگی بہت دقت اور مشکل سے دستیاب ہوئے۔ اور وہ بھی حسبِ منشاء نہ ملے۔

مجھے اس کتاب کے لکھنے میں جو مشکلات پیش آئیں۔ اُن کو میرا دل ہی خوب جانتا ہے۔ ہم میں بعض اصحاب عنایتِ ایزدی سے ایسے سعید ہیں، جنہوں نے اپنے باپ کے بھی حالاتِ زندگی فراہم کرنے میں دریغ کیا۔ اور اس قدر تکلیف گوارا نہ کی۔ کہ اپنے باپ کے سوانح تحریر فرما کر خاکسار کو روانہ کر دیتے۔ راقم کو بلطائف الحیل ٹال دیا بعض اصحاب نے دوسرے بزرگوں کے حالات جن سے وہ واقف تھے قلمبند کرنے میں کوتاہی فرمائی۔ اور جواب لکھنا کسرِ شان سمجھا۔ ہمارے ملک میں گو علمی مذاق رد نہ پڑنہ

Marfat.com

ادہ ہوتا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ہم ابھی ایک صدی تک اس قابل نہ ہونگے
ہذب ممالک کے اہلِ علم کی ہمسری تو کیا۔ اُن کی کامل تقلید ہی کر سکیں۔ مجھ کو شرم آتی
، کہ میں اپنے ہم وطن بھائیوں کی علمی عدم توجہی کی شکایت کر رہا ہوں۔ لیکن واقعات
ر کرتے ہیں۔ کہ میں اِس شکایت کو زبان پر لاؤں۔ اور اُس کرم گستری اور توجہ کا شکریہ
ا کردوں۔ جو میرے عزیز ہم وطن کے برعکس ایک شریف امریکن نے مجھ پر مبذول
۔ وھوھذا "

راقم نے ڈاکٹر رابن سن کی تاریخِ مغربی یورپ[1] کا ترجمہ اردو میں کیا تھا۔ لیکن
اب مذکور کا ترجمہ قانوناً بلا اجازت اصل مصنف شائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ
احب موصوف کو ایک خط بغرض حصولِ اجازت امریکہ بھیجا۔ اور نیز اُن کے
لاتِ زندگی اُن سے طلب کئے۔ اور فلسفۂ تاریخ کے متعلق کتابوں کے نام اور
ے کا پتہ دریافت کیا۔ ڈاکٹر رابن سن نے نہ صرف اجازتِ اشاعتِ ترجمہ فراخدلی
ے دی اور اپنے حالاتِ زندگی بھیج کر مجھے شکر گزار کیا۔ بلکہ فلسفۂ تاریخ پر اور
ز تاریخ یورپ چار پانچ ضخیم کتابیں اپنی تصنیف شدہ عنایت فرمائیں افسوس
ہے۔ کہ تاریخ مغربی یورپ ابھی طبع نہیں ہو سکی۔ تاہم یہ واقعہ بآوازِ بلند کہہ رہا
ہے۔ کہ ہمارے عزیز ہم وطن توسیع زبان و اشاعتِ علم سے کہاں تک گریز کرتے
ہیں۔ اور متمدن ممالک کے اہلِ علم اپنے علمی مذاق کو وسعت دیتے ہیں۔ کہاں تک
غیر ملکیوں کی بھی امداد کرتے ہیں ؎

چراغِ مُردہ کجا شمعِ آفتاب کجا
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

شکایت کے دوش بدوش مجھے اپنے ان احباب کا شکریہ بھی ادا
کرنا چاہئے۔ جنہوں نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں میری امداد فرمائی،

[1] تاریخ مغربی یورپ جلد اول ۱۹۲۸ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اور جامعہ ملیہ دہلی سے
دستیاب ہو سکتی ہے۔ — تنہا

Marfat.com

سب سے زیادہ لائق تحسین و تشکر شیخ محمد اسماعیل صاحب احمدی پانی پتی ہیں۔ جنہوں نے تیسرے دور کے اکثر مصنفین کے حالات زندگی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کا بہت سا مواد مجھے بہم پہنچایا۔ مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے سکریٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن، مولوی ظفر الملک[1] ایڈیٹر الناظر لکھنؤ، مولوی بشیر الدین[2] احمد صاحب دہلوی۔ اور بابو رام[3] دیال صاحب فنانشل سکریٹری ریاست جاورہ بھی میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے مجھے کتابیں بہم پہنچائیں یا ان کے دستیاب ہونے کے وسائل بتائے یا ضروری مضامین نقل کرا کر روانہ کئے۔

غازی آباد
۲۱ ستمبر ۱۹۲۴ء

(محمد یحیٰ تنہا)

---

[1] و [2] و [3]۔ افسوس ہے کہ یہ سب بزرگ آج عدم آباد میں تشریف فرما ہیں۔ (تنہا)

اُردو کی پیدائش

جب ، دو صاحب زبان، قومیں ایک دوسرے سے ملتی جُلتی ہیں، اور آپس میں رشتۂ اتحاد و ارتباط قائم ہوتا ہے، تو قانونِ فطرت کے مطابق اخلاق، مذہب زبان، طرزِ بود و ماند ، ادب و آداب، لباس اور دیگر شعائر پر ایک دوسرے کا اثر نامعلوم طریقہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ اثر کچھ دنوں میں ایک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور سب کو نظر آنے لگتا ہے، اس قاعدۂ کلیہ میں کوئی استثنا نہیں۔ جن لوگوں نے تاریخ عالم کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ اس امر کی بھی شہادت دے سکتے ہیں کہ ایسی حالت میں دیگر امور متذکرۂ بالا کی نسبت دونوں قوموں کی زبان پر خصوصاً زیادہ اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ اظہارِ مطالب کے لئے ہر شخص وہ لفظ استعمال کرنے کی قدرتاً کوشش کرتا ہے۔ جس کو دوسری قوم کا فرد بآسانی سمجھ لے۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے۔ کہ آخر الذکر قوم کی زبان کا لفظ بولا جائے۔ اس طریقہ سے دونوں قوموں کے افراد روزمرّہ کے کاروبار چلانے کے لئے کچھ الفاظ ایک دوسرے کی زبان کے سیکھ لیتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک زبان کے بہت سے الفاظ دوسری زبان کے اصلی الفاظ بن جاتے ہیں۔

انگریزی زبان جو آجکل مخزنِ علوم و فنون بنی ہوئی ہے۔ اس میں اردو سے لے کر لاطینی و یونانی زبان تک کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ایرین زبان ہونے کے،

Marfat.com

اس کی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ انگریزوں کو دنیا کی تمام قوموں سے خوب ملنے جلنے کا واسطہ رہا ہے۔ اس لئے ان قوموں کی زبانوں کے بہت سے الفاظ بجنسہٖ ان کی زبان میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور ہوتے جاتے ہیں۔ پس ہماری زبان کی ابتداء اُسی وقت سے ہو گئی تھی۔ جب سے کہ مسلمان اس ملک میں داخل ہونے شروع ہو گئے تھے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ وہ زبان جو اُس وقت ہندو اور مسلمان بغرض ادائے مطالب بولتے تھے اردو نہیں کہلائی جا سکتی۔ تاہم اختلاطِ الفاظ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اور یہی اختلاطِ الفاظ آگے چل کر ہماری زبان کی پیدائش کا باعث ہوا۔

جب پہلی صدی ہجری کے اواخر میں عربوں نے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ کو (۷۱۲ء) اور بعد ازاں ملتان کو اپنی فتوحات میں شامل کر لیا۔ اور وہ اسلامی قلمرو کا ایک جزو ہو گئے۔ تو کیا اسلامی تہذیب و تمدن کا رواج وہاں شروع نہ ہو گیا ہوگا اور عربی زبان کے بہت سے الفاظ سندھی زبان میں داخل ہو گئے ہوں گے۔ یقیناً ایسا ہوا ہوگا۔ عربوں نے بھی اکثر سندھی الفاظ کو معرب بنا لیا۔ مثلاً جاٹ یا جٹ کو زط کہنے لگے۔ تیسری صدی ہجری میں صفاریوں نے ایران کو فتح کر لیا۔ تو ان کے ایرانی اثرات قربت کی وجہ سے سندھ کو متاثر کرنے لگے۔ چنانچہ اس عہد کے سیاحوں کا بیان ہے۔ کہ یہاں کے باشندے ہندو اور مسلمان عراقی لباس پہنتے تھے ہندو بھی شلوار کا استعمال کرتے تھے اور ڈاڑھیاں رکھتے تھے۔ چوتھی صدی کے سیّاح اصطخری کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ملتان اور منصورہ کے باشندے فارسی، اور سندھی دونوں زبانیں بولتے تھے۔

جب سلطان محمود غزنوی نے پانچویں صدی ہجری کے شروع میں لاہور پر قبضہ کر کے پنجاب کو اپنی سلطنت سے ملحق کر لیا۔ اور لاہور کا نام محمود پور رکھ کر اپنے والی کا صدر مقام بنا دیا۔ جس کے ماتحت فوج کی بڑی تعداد رہتی تھی۔ اور جس میں زیادہ تر ترک، افغان، خلج وغیرہ تھے۔ تو مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد محمود ہی کے وقت سے پنجاب میں آباد ہو گئی

سلہ پنجاب میں اردو صفحہ ۳۰ و ۳۱۔

Marfat.com

اور اس کا یہ اثر ہوا۔ کہ ابوریحان بیرونی نے جو علامہ البیرونی کے نام سے موسوم ہے اور جس کا شمار دربارِ غزنوی کے افاضل اور اکابر میں ہے۔ ہندوؤں کی قدیم علمی درسگاہوں میں طالب علمی کر کے سنسکرت حاصل کی۔ اور ہندوؤں کے علوم عربی میں اور عربوں کے علوم سنسکرت میں منتقل کئے۔ اور برسوں ان شہروں میں رہ کر جہاں اسلام کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہاں کی مروجہ زبانیں سیکھیں۔ جن کتابوں کو اُس نے عربی میں منتقل کیا اُن کے نام شنکیا اور تنیجلی ہیں۔ اسی عہد سے وابستہ فارسی کا مشہور شاعر مسعود سعد سلمان ہے جس کی نسبت تذکرۂ مجمع الفصحاء میں لکھا ہے "وے را سہ دیوان بود۔ تازی ہندی، پارسی" اور مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں۔ کہ ہندی زبان میں اُس نے ایک دیوان لکھا تھا" یہ غزنویوں کے عہدِ اولین کا ایک نامور مسلمان شاعر تھا۔ وہ لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ اگرچہ خاندانی لحاظ سے وہ عجمی تھا۔ تاہم اس نے اپنے مولدِ ولادت کی زبان میں بھی ایک دیوان مرتب کر ڈالا۔

خود فارسی زبان میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ جو اسی عہد میں فارسی پر ہندی اثرات کی گواہی دیتے ہیں۔ مثلاً لفظ بُت جو بودھ کی بگڑی ہوئی شکل ہے یا کوتوال جو ٹھیٹ ہندی یعنی کوٹ والا بمعنی مالک قلعہ تھا۔ یہ لفظ شاہنامۂ فردوسی میں موجود ہے۔ ؎

چو آگاہ شد کوتوالِ حصار   بر آویخت بار ستم تامدار

صاحبِ شرف نامہ کہتے ہیں:۔

"از شیخ واحدی تحقیق است کہ بہ لفظ ہندی است کہ بہ خراساں و فارس مشہور شد"

لکھن یعنی لنگھن[1] (روزۂ ہندواں) منوچہری کے ہاں ملتا ہے۔ بشل یعنی سیل ہندی۔ اور فرخی کے ہاں ملتا ہے ؎

بگونۂ شلِ افغانیاں دو پہلو تیز   چو دستہ دستہ بہم تیرہائے بے سوفار

---

[1] پنجاب میں اُردو صفحہ ۳۲ و ۳۳ ۔ [2] پنجاب میں اردو صفحہ ۳۹ ۔ (یہ لفظ برت کی جگہ مستعمل نہیں ہوتا۔ عورتوں کی بول چال ہے۔ بہ معنی فاقہ۔ تنہا)

Marfat.com

پچندن فرخی اور منوچہری کے ہاں آیا ہے جسے ہم آجکل صندل کہتے ہیں۔ برشکال (برشکال) یعنی برسات کا موسم ہندی لفظ ہے۔ مسعود سعد سلمان کے ہاں موجود ہے

برشکال اے بہار ہندوستاں اے نجات از بلائے تابستان

علاوہ ازیں ہندی کا محاورہ "مارا مار" بھی استعمال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

چو رعد زابر بغرید کوس محمودی برآمد از پس دیوار حصن مارا مار

حکیم سنائی اسی عہد کے ایک شاعر ہیں جو ہندوستان بھی آئے تھے۔ ایک شعر میں پانی کے لفظ کو اس طرح استعمال کر گئے ہیں۔ گویا کہ فارسی زبان کا لفظ ہے ؎

نہ دراں معدہ خردۂ میدہ نہ دراں دیدہ قطرۂ پانی

عثمان مختاری غزنوی بھی ہندوستان آئے تھے۔ انہوں نے ایک شعر میں دو ہندی لفظ باندھ دئے ہیں ؎

ز من بدیدے یادے بجستہ گفتے چوں مگس بدیدے بر من نشستہ گفتے مار

اس شعر میں چوں اور مار دونوں ہندی لفظ ہیں۔

مسعود رازی سلطان محمود اور سلطان مسعود شہید کے عہد کا شاعر ہے۔ اس کو سلطان نے حکم دیا تھا کہ ہندوستان ہی میں رہے۔ استاد ابو الفرج رونی اسی شاعر کا فرزند ہے۔ رونی منسوب ہے۔ رونہ کی طرف جو لاہور کا ایک موضع بیان کیا جاتا ہے۔ ابو الفرج نے اپنی تمام عمر لاہور میں ہی گزاری۔ ضرورتاً ایک آدھ مرتبہ غزنین کا سفر کیا۔ علماء میں سب سے مقدم شیخ اسمٰعیل لاہوری متوفی ۴۴۸ھ ہیں جو جامع علوم ظاہری و باطنی تھے سادات بخارا سے تھے وہ لاہور ہی میں آباد ہو گئے تھے۔ مشائخ کے سلسلہ میں ابی الحسن بن ابو عثمان الجلابی صاحب کشف المحجوب ہیں جو ۴۶۵ھ میں انتقال فرما گئے۔ اور لاہور ہی میں سپرد خاک ہوئے تی زمانہ داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں۔ شاہ یوسف دوسرے بلند پایہ بزرگ ہیں۔ جو ۵۸۰ھ میں فوت ہوئے ان بزرگوں کے علاوہ شیخ فخر الدین حسین زنجانی لاہوری۔ سید احمد توختہ ترمذی لاہوری۔ سید یعقوب صدر دیوان زنجانی لاہوری بھی مشہور ہیں۔ جو قرن ششم ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان امور سے واضح ہوتا ہے۔ کہ یقیناً لاہور ان ایام میں ایک بارونق اسلامی شہر اور مرجع علم و فضل و ادب

Marfat.com

بن گیا تھا۔

آلِ غزنہ کی حکومت ہندوستان میں کم و بیش ایک سو ستر سال تک رہی ہے۔اس عرصے میں مسلمان اور ہندو اقوام کی یکجائی سے ایک نئی زبان کا پیدا ہو جانا لازمی بات ہے سرکاری ضروریات کی بنا پر بھی شاہی عہدہ داروں اور ملازمین کے لئے اس ملک کی زبان سے واقف ہونا ضروری تھا۔ غزنویوں کے قبضے میں تمام پنجاب' سندھ اور ملتان تھا، ہانسی سرستی اور میرٹھ تک ان کے قبضے میں تھے۔اتنے بڑے علاقہ کے مالی و ملکی انتظام کے لئے عمّال کو اس ملک کی زبان سیکھنی ضروری تھی۔مسلمان چونکہ تازہ ولایت تھے اور یہاں کی زبانوں کے ناموں سے بھی ناواقف تھے۔اسی لئے انہوں نے اس مخلوط زبان کا نام ہند کی نسبت سے ہندی رکھ دیا۔سلطان محمود کے زمانہ میں ہندی زبان کے ترجمانوں کی ایک جماعت غزنین میں مقیم تھی۔ان میں تلک ہندی اور بہرام کے نام مشہور ہیں۔تلک نے جو ہندی اور فارسی زبانوں سے خوب ماہر تھا کشمیر میں تربیت پائی تھی۔وہ ترجمانی سے ترقی کر کے ہندو افواج کے سپہ سالار (غزنین میں ہندوؤں کی فوج بھی رہا کرتی تھی) سُندر کی وفات پر سپہ سالاری کے درجہ پر پہنچ گیا تھا۔

کوئی تعجب نہیں اگر خود سلطان محمود ہندی زبان سے کسی قدر آشنا ہو کیونکہ جب ۱۰۲۳ء کی مہم میں سلطان کالنجر پہنچتا ہے۔تو نندا کالنجر کا راجہ سلطان کی مدح میں ہندی شعر لکھ کر بھیجتا ہے۔سلطان ان اشعار سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ صلہ میں نندا کو پندرہ قلعوں کی حکومت کا پٹہ لکھ دیتا ہے۔جن میں کالنجر بھی شامل تھا۔

ہمارا خیال ہے۔کہ پنجاب کے میدانوں میں مسلمان حملہ آور بہت جلد سیاسی منافرت کے باوجود ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر رہنے سہنے اور ان کے ساتھ اختلاط و ارتباط قائم کرنے لگے تھے۔

۱۱۹۳ء میں جب شہاب الدین غوری رائے پتھورا پر فتحیاب ہوا تو چاند کوی ایک نامی شاعر نے پرتھی راج راسو لکھا۔اس کتاب کے ہر صفحے میں فارسی عربی کے کئی کئی لفظ نظر آتے ہیں اسی زمانہ میں کشمیر کے حکمراں سلطان زین العابدین نے جو فارسی کے علاوہ ہندی اور تبتی زبانوں میں بھی پورا دخل رکھتا تھا۔فارسی کتابوں کا ترجمہ ہندی میں اور بہت سی ہندی کتابوں

Marfat.com

کا ترجمہ فارسی میں کرایا۔ اور سب سے پہلے اسی کے حکم سے مہابھارت اور راج ترنگنی (قدیم تاریخ کشمیر) کا ترجمہ فارسی میں ہوا۔

جب معزالدین یا شہاب الدین اور اس کے والی قطب الدین ایبک نے چند سال کے عرصہ میں اجمیر ہانسی۔ سرستی۔ کہرام میرٹھ۔ دہلی۔ بدایوں قنوج۔ بنارس۔ نہروالہ۔ تھنگیر گوالیار کالنجر اودھ اور مالوہ فتح کر لئے تو قدرتی طور پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات میں اضافہ ہو گیا۔ اور ایک مشترکہ زبان کی ضرورت بیشتر از پیشتر محسوس ہونے لگی۔

چنانچہ اسی عہد کے قریب قریب امیر خسرو نے جو ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں فوت ہوئے خالق باری تصنیف کی بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ یہ کتاب بہت ضخیم تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کتاب امیر خسرو کی تصنیف ہی نہیں بلکہ گیارھویں صدی میں کسی شخص نے اسکو تصنیف کیا اور امیر خسرو کے نام سے مشہور کر دیا اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ تصنیف امیر خسرو کی نہیں ہے تو نہ سہی لیکن امیر خسرو کے دیگر کلام سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس وقت عام گفتگو میں یہ مشترک زبان سرعت کیساتھ ترقی کر رہی تھی۔ چنانچہ امیر خسرو آنکھوں کا ایک مجرب نسخہ دوہروں کی بحر میں اس طرح لکھتے ہیں ؎

لود پھٹکری مردہ سنگ ہلدی زیرہ ایک ایک ٹنگ
افیون چنا بھر مرچیں چار، اُرد برابر تھوتا ڈار
پوست کے پانی پوٹلی کرے تنت پیڑ نینوں کی ہرے

نیز امیر خسرو کی ایک غزل جس کا مطلع ہے ؎

زحالِ مسکیں مکن تغافل، دُورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں، نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

اور پہیلیاں۔ مکرنیاں اور گیت پتہ دیتے ہیں کہ تشتہ میں یہاں کے مسلمان یہی زبان اچھی طرح بولتے ہونگے۔ بیشک ہندوؤں کی نسبت ان کی زبان پر فارسی عربی الفاظ زیادہ آجاتے ہوں گے لیکن جتنا یہاں رہنا سہنا اور استقلال زیادہ ہوتا گیا۔ اتنا ہی روز بروز فارسی ترکی نے ضعف اور یہاں کی زبان نے زور پکڑا ہوگا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ زبان جس کو اس وقت کے مسلمان ہندی زبان سے

Marfat.com

تعبیر کرتے ہیں۔ اور جس کو بعد ازاں اُردو کا نام دیا گیا۔ برج بھاشا کی بیٹی ہے یا نہیں جیسا کہ صاحب آبِ حیات کا خیال ہے۔ ہم اس بارہ میں "پنجاب میں اُردو" کے مؤلف سے متفق ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "جب ان دونوں زبانوں (برج بھاشا اور اردو) کی صرف و نحو اور دوسرے خط و خال اور خصائص پر غور کیا جاتا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے رستے مختلف ہیں۔ اُردو جہاں اپنے اسماء و افعال کو الف پر ختم کرتی ہے۔ برج واؤ پر ختم کرتی ہے برج میں جمع کا طریقہ بہت سادہ اور سہل ہے لیکن اُردو میں بہت پیچیدہ ہے۔ اُردو میں مرکب افعال کا مع توابعات کے بہت رواج ہے۔ برج بھاشا میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ اس لئے اُردو کو برج بھاشا سے کوئی تعلق نہیں۔ ان میں ماں بیٹی کا رشتہ نہیں ہے بلکہ بہنوں بہنوں کا ہے۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں" کہا جاتا ہے۔ کہ مغربی ہندی جس کی برج بھاشا ہریانی۔ راجستھانی۔ پنجابی اور اردو شاخیں ہیں۔ قدیم پراکرت سوراسینی کی یادگار ہے لیکن جس زبان سے اُردو ارتقا پاتی ہے۔ وہ نہ برج ہے نہ ہریانی اور نہ قنوجی۔ بلکہ وہ زبان ہے جو صرف دہلی اور میرٹھ کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ آج دیکھا جاتا ہے کہ دہلی کے قریب ہی تین زبانوں یعنی ہریانوی، برج اور راجستھانی کا سنگم ہوتا ہے اور گریرسن نے تو صاف دہلی کو ہریانوی زبان کے علاقہ میں شامل کر دیا ہے۔ مگر ہریانوی کوئی علیحدہ زبان کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ بلکہ وہ پُرانی اُردو ہے یعنی وہی اُردو ہے جو گیارھویں صدی ہجری میں خود دہلی میں بولی جاتی تھی اس میں اور اُردو میں بہت کم فرق ہے۔ بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ زبان اسلامی دَور میں دہلی کے اثرات سے بن گئی ہے"

جس وقت مسلمان دہلی میں آئے تو دوآبہ میں یقیناً برج بھاشا بولی جاتی تھی۔ کیونکہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (متوفی ۹۴۵ھ) اور مخدوم بہاؤالدین برناوی جو علی الترتیب سہارنپور اور میرٹھ کے اضلاع سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے ہندی اشعار ایسی زبان میں لکھتے ہیں۔ جو برج کے مماثل ہے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی الکھ داس تخلص کرتے تھے فرماتے ہیں :-

سرود در پردہ پوربی

Marfat.com

دھن کارن پی آپ سنوارا — بن دھن سکھی کنت کنہارا
شہ کھیلے دھن ماہیں ایوان — پاس پھول منہ اچھے جیوار
کیوں نہ کھیلوں تج سنگ پیتا — مجھ کارن تیں ایتا کیتا
الکھ داس آکھے سن ہوئی — سوتی پاک ارتھ پہن سوئی
سید، ایک تھیں ہم اننت بہلی آپی آپ پیاہی — سہجنہ سہجنہ کینا سنبھو برانا ایام سسر اجنہانی
دوہرہ، ایک، اکیلا آپ سوجی تھیں یہ سنسا — آتھ پیا تھ تھول سوں سبھی ایک اکار
سبد، پھلے نہ پھولے آوے نہ جائے — کالسی کا سید کالسی ہی سمائے
جل تھیں اپنا بلبلا جل ہی مانھہ بلائے — تیسا یہ سنسار سبھ مولنہہ جائے سمائے
دوہرہ، آپ گنوائے پی ملے پی کھوئے سب جائے — اکتھ کتھا ہے پرم کی جے کوئی بوجھے مائے

اسی طرح شیخ بہاؤ الدین برناوی فرماتے ہیں۔ برائے بارش :۔
کاہے اے بدراناں برست کاہے تھی ناہن گرجت کاہے ناں جھرلاوت
کاہے تھی برکھارت نیونت برمن من چتوت کاہے تھی ناں گھور گھور ستاوت
چیتر وسا تیرہے اُما ہو دا تا میگھ کہاوت گربن تیا کو تا جم گنٹ تھیں اول بدل لے آوت

دیگر۔ ان نینن کا یہی بسیکھ — مَیں تجھ دیکھوں تو مجھ دیکھ

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اردو نے برج کو ان علاقوں سے رفتہ رفتہ خارج کر دیا ہے اور آپ اس کی جگہ پر قابض ہو گئی ہے

امیر خسرو دہلی کی زبان کو دہلوی لکھتے ہیں۔ ابوالفضل بھی آئین اکبری میں اس کو دہلوی کے نام سے یاد کرتا ہے۔ شیخ باجن (متوفی سنہ ۹۱۲ھ) بھی اس کو دہلوی کہتے ہیں۔ اور جو نمونہ اس زبان کا دیتے ہیں۔ وہ قطعاً اردو ہے۔ مثلاً۔ مناجات سے

روزے دھر دھر نماز گذاری دینی فرض زکوٰۃ — بن فضل تیرے چھوٹک ناہیں آگیں نکہیں بات
دوہرہ، بھونرا لیوے پھول رس رسیا لیوے باس — باجن باجے سینچے آس کر بھونرا کھڑا اداس
" باجن جو کسی کے عیب ڈھانکے — اس تھے درجن تھر تھر کانپے

اس میں شک نہیں۔ کہ اردو اپنی صرف و نحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب

Marfat.com

قریب ہے۔ دونوں میں اسماء و افعال کے خاتمہ میں الف آتا ہے۔ دونوں میں جمع کا طریقہ مشترک ہے۔ یہاں تک کہ دونوں میں جمع کے جملوں میں نہ صرف جملوں کے اہم اجزا بلکہ ان کے توابعات و ملحقات پر بھی ایک ہی قاعدہ جاری ہے۔ دونوں زبانیں تذکیر و تانیث کے قواعد افعالِ مرکبہ و توابع میں متحد ہیں! پنجابی اور اُردو میں ساٹھ فی صدی سے زیادہ الفاظ مشترک ہیں۔ قدیم کتب تاریخ و لغات کی شہادت سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ اہلِ ہندوستان لاکھ کو لک۔ پاگ کو پگ۔ سکھاند کو کھنڈ۔ بھاند کو بھنڈ۔ ماٹ کو مٹھ۔ گاڑی کو گڈی۔ تالا کو تل کہتے تھے۔ اہلِ پنجاب ان الفاظ کو آج بھی اسی طرح ادا کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُردو اور پنجابی زبانوں کا وہ عنصر جو قدیم سے ان میں مشترک تھا۔ رفتہ رفتہ اُردو زبان سے خارج ہوتا رہا ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں اسی زبان میں وہ خصوصیات نظر آتی ہیں جو ایک طرف پنجابی سے اور دوسری طرف برج سے ممیز کرتی ہیں۔ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ متوفی ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء اور مادرِ مومناں کے درمیان اُردو میں جو گفتگو ہوئی اس کے دو فقرے ہم تک پہنچے ہیں۔ مادرِ مومناں نے کہا تھا "خوجا برہان الدین بالا (بچہ) ہے" شیخ نے جواب میں فرمایا "پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے" آخری فقرہ میں "کا" "اور" "ہوتا ہے" ایسے الفاظ ہیں۔ جو اس جملہ کو پنجابی اور برج سے مختلف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بابا گنج شکرؒ کا یہ فقرہ آج تک زبان زد خاص و عام ہے "رحم کرے تو چھوٹیاں، عدل کرے تو لوٹیاں" اور دوسرا فقرہ "پیچ سر کے" مشہور ہے۔ اسی طرح خواجہ چراغ دہلی (متوفی ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) کا فرمودہ "تم اوپر وے تلے" نقل در نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کا ایک اور فقرہ جو فیروز شاہ خلجی ۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ کے حملۂ سندھ سے تعلق رکھتا ہے۔ تاریخ فیروز شاہی میں شمس سراج عفیف یوں نقل کرتے ہیں "برکت شیخ ہتیا اک موا اک ہا"

اسلامی سلطنت دہلی پہنچ کر بہت جلد مرکزی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس لئے یہ زبان اسلامی لشکروں۔ مہاجروں اور نوآبادوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے ہر گوشے میں پہنچ جاتی ہے۔ خلجی اس کو گجرات اور دکن پہنچاتے ہیں۔ محمد تغلق جب آٹھویں صدی ہجری میں دہلی کو اُجاڑ کر دولت آباد کو آباد کرتا ہے تو یہ زبان دکن میں مسلمان نوآبادوں کی زبان بن جاتی ہے

Marfat.com

گجرات و دکن میں نویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اہلِ گجرات اس کو نویں صدی ہجری میں "زبانِ دہلوی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں لیکن آنے والی صدی میں "گجری" یا گوجری کہنے لگتے ہیں۔ اسی طرح دکن میں پہلے پہل یہ زبان "زبانِ ہندوستان" کہلائی، بعد کو "دکنی" کہنے لگے۔ شاہانِ گجرات اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ محمود شاہ بیکڑہ کا یہ فقرہ تاریخ میں محفوظ ہے "نہی بیری سب کوئی چھوڑے" محمد شاہ تغلق نے نقد "کھڑا کھڑی" کے تلفظ کو اصل دہلوی اور غیر دہلوی باشندوں کی شناخت کے لئے معیار مقرر کر دیا تھا۔[۱]

دکن میں حضرت خواجہ بندہ نواز کے والد نے جن کا انتقال ۷۳۱ھ میں ہوا۔ اپنا تخلص راجا رکھا تھا۔ جو آج تک شاہ راجو یا راجا کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح حضرت زین الدین خلد آبادی (متوفی ۷۷۱ھ) کا آخری کلام (متیہ مت بلادہ) مشہور ہے۔ علاوہ ازیں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز متوفی ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء کی جانب حسب ذیل اشعار منسوب ہیں:۔

پانی میں نمک ڈال مزا دیکھنا اُسے ۔۔۔ جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے

یوں کھوئے خودی اپنی خدا ساتھ محمدؐ ۔۔۔ جب گھل گئی خودی تو خدا ہی کئی دسے

۔ آنتوں بلیلہ و آنتوں لون ۔۔۔ پیتین کے گھر جائے کون

نیز معراج العاشقین بھی آپ ہی کی تصنیف ہے۔ جو انجمن ترقی اردو نے شائع کر دی ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے:۔[۲]

"نبی علیہ السلام کہے۔ انسان کے بوجنے کو پانچ تن۔ ہر ایک تن کو پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں"۔[۳] وغیرہ

۱؎ دکن میں اردو صفحہ ۶ ، ، ، ، ۔

۲؎ تاریخ نثر اردو صفحہ ۳۹۔ ۳؎ تاریخ و تنقید ادبیات اردو میں نثر کی پہلی کتاب سید اشرف جہانگیر کا رسالہ "تصوف" کچھوچھہ ضلع فیض آباد بیان کیا گیا ہے۔ جو اشاعت پذیر نہیں ہوا لیکن یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ معراج العاشقین ہی اردو کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ جو شائع ہوئی۔

Marfat.com

حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری (متوفی ۹۰۲ھ ۱۴۹۶ء) نے شرح مرغوب القلوب نثر میں ایک کتاب لکھی ہے۔جس کا نمونہ یہ ہے :-

"پیغمبر کہے۔ جے کچ کام کرے گا کوئی۔ خدا ناؤں نا لے کر تو او کام پائمال ہوگا سرانا۔ نوازنا خدا کو بہوت کہ او پالن ہارا ہے عالم کا۔"

جب دکن کی اسلامی سلطنت بہمنیہ شکست ہو کر بیجاپور۔ گولکنڈہ اور احمد نگر وغیرہ میں تقسیم ہوئی۔ تو چونکہ سلاطین دکن کے محلوں میں ہندو رانیاں آئیں مثلاً احمد نگر نظام شاہ اصلاً برہمن تھا۔ اور اسمٰعیل عادل شاہ کی ماں کوکنی تھی۔ لہذا سلاطین کی بے تعصبی کی وجہ سے بہت سے ہندو سلطنت کے مشیر ہو گئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم عادل شاہ متوفی ۹۶۵ھ کے زمانہ میں شاہی دفتر فارسی سے دکنی زبان میں منتقل ہوگیا اور یہی زبان عوام کی زبان ہوگئی اور اہل علم و ادب کے اظہار خیالات کا آلہ بن گئی۔ اسی زمانہ میں وجدی ایک شاعر گزرا ہے بعض حضرات وجدی کو وجیہ الدین بتاتے ہیں۔ جو ایک بزرگ تھے۔ ان کی مثنوی تحفۂ عاشقاں مشہور ہے۔ تحفۂ عاشقاں حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ کے خسرو نامہ کا ترجمہ ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں ؎

کر دل پاک دل ہور زباں پاک سیتی ثنا پاک اس عاشق پاک کوں
کہ جس سے ہوا ہے او گم عشق کا اجوں لگ اُبلتا ہے خُم عشق کا
پڑیا عکس اس نور کا جس رخن جھلکنے لگا آرسی کے منن
سو اس آرسی میں کیا جیوں نظر ہوا عاشق اپنا اپس دیکھ کر
اپس کچھ پر تو کون معشوق جان لیا مبتلا ہو کے عاشق کا شان
نکل گنج مخفی سے خلوت کے باہر کیا جلوہ کر کثرتِ بے شمار

ایک دوسرے شاعر سعدی دکنی بھی ہیں۔ ان کے چند اشعار مشہور ہیں ؎

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا ہور دکھ دیا تم یہ کیا ہم یہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
دو نین کے گھر میں بھروں رُز دنجوں دل کو بھرو پیش سگ کو بیت دُھر دل بیا نجات میت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

Marfat.com

شاہ برہان الدین جانم خلف میراں جی شمس العشاق بیجاپوری (متوفی ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء) نے ایک کتاب نثر میں کلمۃ الحقائق کے نام سے تصنیف فرمائی۔ جس کا نمونہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ یہ شاعر بھی تھے۔ فرماتے ہیں ؎

اللہ پاک منزہ ذات — اس سوں صفتاں قائم سات

علم۔ ارادت۔ قدرت۔ بار — سُنتا۔ دیکھتا۔ بولنہار

نمونۂ نثر:۔ "اللہ کرے سو ہووے کہ قادر، توانا سوئے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا کبھی کرن ہار۔ سہج سہج سونیرا ٹھار وسہج سہج ہوا بھی تو ج بھی یاد جدھاں کچھ نہیں بھی تھا تھیں۔ دوجا شریک کوئی نہیں۔ ایسا حال سمجھنا خدا تھے خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوئیے۔"

حضرت شاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپوری (متوفی ۱۰۸۶ھ ۱۶۷۵ء) نے گنج مخفی در مبحث شاہد و شہود تقریباً ۱۰۸۰ھ میں تصنیف فرمائی۔ نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"اللہ تعالیٰ گنج مخفی کو عیاں کرنے چاہا۔ تو اول اس میں سوں یک نظر نکلی، سو اس سے امین دیکھ ہوا۔ امین شاہد کو کہتے ہیں۔ یہ دونوں ذات کے دو طور ہیں، ذات نے اپس کوں دیکھا۔ اسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھ کر گواہی دیا۔ تو اُسے شاہد کہتے ہیں، یو یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں۔"

سلطان محمد قلی قطب شاہ نے اپنا کلیات ۱۰۲۵ھ میں مرتب کیا، اس میں خیالات کی جدت استعارات و تشبیہات کی ندرت، تخیل کی بلند پروازی نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ عام قاعدہ ہے۔ ابتدا میں سیدھے سادے خیالات نظم کئے گئے ہیں۔ مثلاً

دُکھ ایک ہے ہر ٹیک کدھن لاکھ چمن ہے — لکھ جوت ہے ہر ٹھار دلے ٹیک رتن ہے

سمدور ہے ایک اور ندیاں سو ہزاراں — باتاں سو کرڑاں ہیں دلے ٹیک دہن ہے

کفر ریت کیا ہور اسلام ریت — ہر ایک ریت میں عشق کا راز ہے

پیا باج پیالا پیا جائے نا — پیا باج یکتل جیا جائے نا

۱، ۲؎ تاریخ نثر اردو صفحہ ۴۳، ۴۵

Marfat.com

سلطان[۱] محمد قلی قطب شاہ کا جانشیں محمد قطب شاہ بھی شاعر تھا ظل اللہ اس کا تخلص تھا۔ ۱۰۳۵ھ میں فوت ہوا۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

میرا دل ہے زرِ الفت کا کارخانہ — نہیں منجکوں بازار دالا کا حاجت
عشق کی پتلی ہے گوری رنگیلی — چتر تاریاں میں وستی ہے چھبیلی
سُنو لوگ میری پریم کی کہانی — کہ پیلا ہے رنگ عاشقی کی نشانی

اسی[۲] طرح محمد قطب شاہ کا جانشیں سلطان عبداللہ قطب شاہ بھی شاعر تھا تخلص عبداللہ تھا۔ ۱۰۸۳ھ میں فوت ہوا چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں ؎

دلا حق کیطرف ہو کہ حق آرام دیوے گا — سعادت کی تری ہات سرانجام دیوے گا
اے یار اگر ہے زندہ دل توں ، — یوں نام کہ جم ہو جام لیتا
عبداللہ علی ولی کے صدقے — معشوق سوں خط مدام لیتا

عبداللہ قطب شاہ کا داماد اور جانشیں ابوالحسن تانا شاہ بھی شاعر تھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

کس کوں کہوں جاؤں کہاں مجھ دل پہ بہل بجھرات ہے — اک بات کیسے ہونگے سجن یاں جی ہی بار دبات ہے

ان[۳] قطب شاہیوں کے زمانہ میں نشاطی۔ غواصی۔ احمد جنیدی۔ شاہی۔ مرزا۔ شعور بیچارہ۔ بحری۔ طالب۔ نوری اور مومن وغیرہ اچھے شاعر تھے۔ ایک ایک شعر بطور نمونہ درج کرتا ہوں

نشاطی ؎ خداوندا تجی ہی جسم خدائی — ہمیشہ تجکو ساجی کبریائی

یہ شعر اس کی مشہور مثنوی "پھول بن" مصنفہ ۱۰۶۶ھ سے لیا گیا ہے۔

غواصی۔ (جہانگیر کے زمانہ میں دلی آیا تھا) ؎

برس یک ہزار اور ستاولیس میں — کیسا ختم یہ نظم دن تیس میں

احمد[۴] جنیدی (۱۰۶۴ھ میں ایک مثنوی ماہ پیکر نام لکھی) ؎

۱، ۲ دکن میں اردو صفحہ ۹ و ۱۰ و ۱۱ - ۳ "دکن میں اردو" صفحہ ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ -

۴ دکن میں اردو صفحہ ۱۱ و ۱۲ و ۱۳

Marfat.com

الٰہی توں کریو نظم جگ اُجال، کہ ہووے تو جگ میں جوں محبوب مثال

شاہی سے

ملنا قصہ کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

مرزا (مصاحب تانا شاہ) سے

عارض نہیں چندر کا ترے گال سوں اچھا سمجھی ہمن خلقت کو نہ تجھ خاں سوں اچھا

شعور، برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب روشن یہ ہے کہ عاشق ہوا تجھ پہ آفتاب

بیچارہ (عالمگیر کے زمانہ میں دلی گیا تھا) سے

پی سے جدا ہونا نہ تھا چاہا خدایا یوں ہوا جز صبر کچھ چارہ نہیں بیچارہ ہو رہنا پڑا

بحری۔ (من لگن تام مثنوی تصنیف کی تھی سنہ ۱۱۱۲ھ) سے

ہر تن کو تلاش جوں ہے تن کی یوں من کو لگن ہے من لگن کی

بحری جو پڑا ہے غیر کے بار اسے غار کے یار اُسے ہو غمخوار

طالب، ہمنا کے خون چشم سے آلودہ کب گئے وہ پگ جسے گرانی ہے رنگ حنا ستی

فوری نوری اپس کے دل کی کسی سے نہ کہتا حاصل بھلا اب اس دیوانے جو تھا سو تھا

مومن (مصنف مثنوی اسرارِ عشق) سے

عجیب دی شب کہ منجن سیم کر حل عروسِ بدر سر تمنا نور کی جل

یہاں متذکرۂ بالا سے ظاہر ہے۔ کہ دکن میں ہماری زبان برابر ترقی کرتی رہی اور شاہجہاں کے عہد سے بہت پیشتر یہ دکن میں رائج ہو چکی تھی۔ اور نہ صرف نظم میں بلکہ نثر میں ساتھ ساتھ قدم رہی تھی۔

حضرت میراں صاحب یا شاہ میراں جی حسن خدا نما (متوفی سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء) نے شرح تمہید ہمدانی یا شرح تمہید سنہ ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۳ء کے قریب لکھی۔ نمونہ حسب ذیل ہے۔

خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قاضی عین القضات کو کہے، کہ تمہیں کئے سو کتاب منجے دکھلاؤ۔ تو کب دیکھ کر بہوت خوش ہوئے۔ ہور کہے کیا خوب بیان میرے نور کا ہور خدا کے نور کا کئے" وغیرہ"

136938

Marfat.com

عہدِ قطب شاہی کی ایک کتاب احکام الصلوٰۃ ہے۔ اس کے مصنف عبداللہ ہیں ۱۰۳۲ھ میں اس کتاب کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں نماز کے متعلقات بیان کئے گئے ہیں۔ عبارت کا نمونہ ذیل میں درج ہے:۔

"اول کلمہ طیب یہ پہلا کلمہ بولتا ہوں ہیں پاکی کا کاٹیکی پاکی ایمان کی کفرتی شرکتی لا الٰہ نہیں کوئی معبود برحق الا اللہ مگر اللہ تعالیٰ معبودِ برحق ہے۔ محمد رسول اللہ۔ محمد رسول خدا کے برحق ہے۔ دوم کلمہ شہادت۔ دوسرا کلمہ بولتا ہوں میں شہادت کا یعنی گواہی دیتا ہوں اس خدائے تعالیٰ کی یک پنی پہ۔ اشہد ہو گواہی دیتا ہوں میں ان لا الٰہ کہ نہیں کوئی معبود برحق"

اس کے بعد مفتاح الخیرات نامی ایک کتاب ہے جو اسی عہد کی تصنیف یا تالیف ہے نمونہ ذیل میں درج ہے:۔

"ایمان کی نکماں کا معرفت ہور نماز احکام ہور ارکان پچھانتا تمام مسلمان پہ فرض ہے۔ کہ سب کوں اس کی پچھان تی چھٹکارا ہے۔ ہور آخرت میں خدا کے عذابوں گرفتار نا ہویگا"

شمائل الاتقیا تصوف کی ایک کتاب ہے جو برہان الدین اولیا اورنگ آباد کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ اسی نام سے میراں یعقوب نے ۱۱۰۰ھ میں مرتب کیا تھا۔ نمونہ درج ذیل ہے:۔

"اپنی حیات کیوقت منجے اشارت کئے تھی جوں شمائل الاتقیا کتاب کوں ہندی زبان میں لیاوے تا ہر کسی کوں سمجھا جاوے۔ اس وقت منجے بیا نہیں تا ایک ہزار ستر پر آٹھوں سال کو رحلت کئے پر ان ان کے بھانجے عارف حق رسیدی عارفوں کی نور دیدی مصطفےٰ کی گلچی ہور مرتضٰی کے میں شاہ میراں ابن سید حسین سلمہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کے زمان نے میں کتاب لکھنے کا شروع کیا۔ جو کچھ مشکل آتا تھا سو پیر کی مدد سوں آسان لکھیا جاتا تھا"

۱۱۹۴ھ میں ایک مثنوی موسوم بہ "روح افزا" بھی لکھی گئی تھی۔ اشعار بطور نمونہ ذیل

Marfat.com

میں درج ہیں :-

رکھیا اُستاداں پرانی اسی ‏ ‏ ہنر ہور ادب سیکھ لانی اسی

ہر یک علم واقف ہو پڑنا کتاب ‏ ‏ اسے خوشنویسی بھی آئی شتاب

ہوا زور کشتی ہیں میلی ہیں در ‏ ‏ سکیا تیر تیزی کری سب ہنر

چڑیا باپ کا تخت رضوان شاہ ‏ ‏ جمع ہور وزیراں بھی سا ری سپاہ

بیجاپور میں جو عادل شاہیوں نے اس زبان کی ترقی میں کوشش کی ہے۔اس کا یہ خال ہے کہ علی عادل شاہ کے زمانہ میں اس کا درباری شاعر نصرتی تھا۔ جو ملک الشعرا کے خطاب سے سرفراز تھا۔اس نے گلشنِ عشق اور علی نامہ دو مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں۔مثنوی نامہ ۱۰۷۶ھ میں لکھی گئی۔ اور گلشن عشق ۱۰۶۸ھ میں ترتیب دی گئی۔ نمونہ حسب ذیل ہے۔

عنایت کا تجھ بہت ہے عالم نواز ‏ ‏ کوئی ذرہ خورشید تھی سرفراز

دو عالم کوں سوچانوں تک بات میں ‏ ‏ دیکھنا چھپا تا پی تجھ ہات میں

دیا ہے توں خاکی کوں ایسا شرف ‏ ‏ جو تس سجدہ نوری کبھی صف صف

ہاشمی نصرتی کا ہمعصر تھا۔اور مادر زاد اندھا تھا۔ریختی کا موجد یہی شخص ہے یوسف زلیخا نام ایک مثنوی اس سے یادگار ہے ۱۰۹۰ھ میں انتقال کرگیا۔مثنوی مذکور کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

ثنا حمد اس کوں سزاوار ہے ‏ ‏ سگل عشق کا جس کو بستار ہے

سکت کس میں ہے جو کرے سر بسر ‏ ‏ ابتا ہاشمی تومنا جات کر

مرے شعر کرے یاد شاہاں پسند ‏ ‏ پسند کر کر دوراکیں جو سب ہوشمند

ریختی کا نمونہ بھی حاضر ہے :-

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہے گا دو ‏ ‏ مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جاؤں گی چھوڑ

لیکن شمالی ہند میں یہ مخلوط زبان اس قدر رواج نہیں پاسکی۔کہ تصنیف و تالیف میں حصہ لیتی سوکن کے بادشاہوں نے اس نئی زبان کی اشاعت میں بہت حصہ لیا۔سرکاری

لہ دکن میں اردو صفحہ ۲۱ تا ۲۳

Marfat.com

دفاتر میں بھی زبان استعمال ہونے لگی اور فارسی کو خارج کر دیا۔ شعرا اور مصنفین کی حوصلہ افزائی کی مگر مغلوں نے اس طرف توجہ نہ کی۔ سکندر لودی نے ۹۱۰ھ ۱۵۰۹ء میں مصالح ملکی کے لحاظ سے ہندوؤں کو فارسی پڑھنے کی ترغیب دی تاکہ وہ دفتری زبان سیکھ کر ملکی کاروبار میں حصہ لے سکیں۔ برہمن اور راجپوت تو اس طرف متوجہ نہ ہوئے۔ البتہ کائستھوں نے فارسی پڑھنی شروع کر دی۔ اور وہی ایک مدت تک سرکاری عہدوں پر مامور ہوتے رہے۔ بہر حال سکندر لودی کا یہ حکم بھی مؤثر ثابت ہوا۔ اور اس کا یہ اثر ہوا کہ خود ہندوؤں کی زبان پر فارسی کے الفاظ چڑھ گئے۔ اور اُدھر مسلمانوں کی زبان نے ملکی بھاشاؤں نے قابو پالیا اور باہمی میل جول کی وجہ سے یہ مشترک زبان صاف اور رواں ہوتی گئی۔

اسی سکندر لودی کے زمانہ میں کبیر شاعر ہوئے ہیں۔ جو بنارس کے رہنے والے تھے اور ان پڑھ تھے۔ گورو رامانند کے چیلے ہوئے اور خود کبیر پنتھیوں کا مت نکالا۔ ان کے دوہروں میں فارسی اور عربی کے الفاظ بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً

دین گوایو دُنی سے دُنی نہ آیو ہاتھ ||| پیر کہاڑی مار یو گا پھل اپنے ہاتھ
(دُنیا) (غافل)
کبیر سر پر رائے ہے کیوں سوئے سکھ چین ||| کوچ نگارا سانس کا باجت ہے دن رین
(نقارہ)

گورو نانک کی تصنیفات میں بھی جو ۹۰۰ھ ۱۵...ء کے بعد فوت ہوئے عربی فارسی کے الفاظ پائے جاتے ہیں سے

سانس ماس سب جیو تمہارا تو ہے کھرا پیارا ||| نانک شاعر ایو کہت ہے سچے پروردگارا!

بلکہ سچ پوچھو تو مندرجہ شعر اردو معلوم ہوتا ہے۔ ابتدا میں اردو کی یہی کیفیت تھی۔ جو چیزیں وظیفہ عبادت کے طور پر ہیں۔ ان میں بھی الفاظ مذکورہ اسی کثرت سے ہیں۔ جپ جی کے دو فقرے ملاحظہ ہوں۔

وارن جاؤں ان ایک بار ||| تو سدا سلامت جی نرنکار

بابر شاہ جب ہندوستان آیا تو وہ بھی یہاں کی مخلوط زبان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اپنے ترکی دیوان میں ایک شعر لکھا ہے۔ جس کا ایک مصرع یہاں کی زبان میں ہے۔ اور دوسرا مصرع ترکی میں ہے سے

Marfat.com

مجکا نہ ہوا کچھ ہوس مانک دموتی   نقرا ہلیتہ لبس بونخوسید وریانی دتی[1]

ہمایوں نے جب نادر شاہ والئے گجرات کے خلاف جنگ کی تو مالوہ میں بہادر شاہ کو رومی خاں کی نمک حرامی سے شکست ہوئی۔ اور وہ بے سرو سامانی کیساتھ گجرات کو بھاگ گیا۔ ایک طوطے کا پنجرا بھی مالِ غنیمت کے ساتھ ہمایوں بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس کی حیرت انگیز باتوں کو سُن سُن کر بادشاہ دنگ ہو رہا تھا کہ رومی خاں بھی حاضر ہوا بادشاہ نے فرمایا "بیائید رومی خاں" اس کا نام سُننا تھا۔ کہ طوطا چیخنے لگا "پھٹ رومی خاں حرامخور" "پھٹ رومی خاں حرامخوار" معلوم ہوتا ہے کہ بہادر شاہ کے لشکری اس شکست کو رومی خاں کی نمکحرامی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اور بار بار یہی الفاظ کہتے ہوں گے' طوطے نے بھی یاد کر لئے اور جب رومی خاں کا نام آیا۔ تو اس نے بھی وہی الفاظ دُہرا دئے۔"

سولہویں صدی میں بعہدِ شیر شاہ سوری، ملک محمد جائسی نے پدماوت کی داستان نظم کی اور یہ التزام کیا۔ کہ فارسی عربی کا ایک لفظ نہیں آنے دیا۔ اور بحر بھی ہندی رکھی ہے اور بعد ازاں اکبر کے عہد سے جبکہ مسلمان ہندوؤں سے گھُل مل گئے۔ یہ نوبت پہنچی کہ ہندو شرفا بلکہ راجا مہاراجا ایرانی لباس پہن کر اور فارسی بول کر فخر کرنے لگے جس طرح کہ آجکل انگریزی بولنے اور انگریزی لباس پہننے پہ فخر کیا جاتا ہے۔

جو چیزیں[2] ہندوستان کی پیداوار تھیں۔ ان کے نام قدرتی طور پر ہندی تھے۔ وہ سب زبانوں پر چڑھ گئے۔ اور فارسی عبارتوں میں بھی ہندی الفاظ بے تکلف استعمال کئے جانے لگے مثلاً جھروکہ۔ درشن۔ پھول کٹارہ۔ کھپورہ مرصع۔ جمدھر۔ کٹار۔ تلوار۔ گھوڑا۔ ہاتھی پالکی۔ نالکی۔ جھالہ۔ کہار۔ ڈاک چوکی۔ سرچوکی۔ دیس مکھ۔ دیس پانڈیہ پٹیل۔ پٹواری رائے راؤ۔ راجہ مہاراجہ۔ چودھری۔ پہر۔ دوپہر۔ گھڑی۔ گھڑیال۔ ڈالی گھاٹ گھرواڑہ بیوپاری اور اسی طرح کے صدہا الفاظ سلاطین مغلیہ کی شاہی زبان میں ملے جلے نظر آتے ہیں۔

---

[1] گل رعنا صفحہ میں دوسرے مصرع کے معنی یہ لکھے ہیں۔ فقرا کو پانی اور روٹی کافی ہے"

[2] گل رعنا صفحہ ۹۔

Marfat.com

اکبر شاہ جہانگیر کو پیار سے شیخو جیو۔ مراد کو پہاڑی راجہ اور فیضی کو شیخ جیو کہتا تھا
آرام بانو اسکی چہیتی بیٹی تھی۔ مرتے وقت جہانگیر سے وصیت کرتا ہے:۔
" بایں خواہر خود کہ لاڈلۂ من است بعد از من باید بر دشتے سلوک کنی کہ من با دمیکنم"
ایک مرتبہ[1] ایسا اتفاق ہوا۔ کہ خان آنکہ اور ادھم خاں میں جھگڑا ہو گیا۔ اور آخر الذکر
نے خان کو شہنشاہ اکبر کے روبرو قتل کر ڈالا۔ اس وقت شہنشاہ نے خفا ہو کر ہندی زبان میں
فرمایا "اے پلچھ گاڈی تو کیوں آنکہ مارا" ایک شعر بھی اکبر سے منسوب ہے۔ جس میں دو ہندی
الفاظ آگئے ہیں۔ وہو ہذا۔

چیتۂ بادشاہ کالا گرفت　　　　خون او دشت را چو لالہ گرفت

یعنی بادشاہ کے چیتے نے ہرن پکڑا اور اس کے خون سے جنگل لال ہو گیا۔ اکبر نے ایک
فیل کا نام بھیروں اور دوسرے کا بال سندر رکھا تھا۔ ایک کتیا کا نام میوہ رکھا تھا۔ جب
اکبر نے راجہ بھگونت داس کی لڑکی سے اپنے بیٹے جہانگیر کی شادی کی۔ اور دلہن کی پالکی کو باپ
اور بیٹے شاہی محل تک خود اٹھا کر لے گئے۔ تو راجہ نے کہا:۔

" ہماری بیٹی تمہارے محلوں کی چیری　　　　ہم باند گلام رہے "

تو اکبر نے جواب میں کہا:۔

" تمہاری بیٹی ہمارے محلوں کی رانی　　　　" تم صاحب سردار رہے "

مشہور ہے۔ کہ شاہی دلہن نے یہ دوہا گایا:۔

پربت بانس کنا مورے بابل　　　　نی کا منڈ وا چھوا ؤ رے
اودھے اوپر کلس برا جے　　　　دیکھیں راجہ راؤ رے

جہانگیر نے شراب کا نام رام رنگی رکھا تھا۔ شاہجہان بچپن میں باپ کو شاہ بھائی
اور دادا کو شاہ بابا کہتا تھا۔ مراد بخش شاہ شجاع کو بھائی جیو کہتا تھا۔
سترھویں صدی عیسوی میں بابا تلسی داس برہمن نے جو ضلع باندہ کے رہنے والے تھے
اور پنڈت۔ شاعر اور فقیر تھے۔ رامائن کو برج بھاشا میں اس طرح ترجمہ کیا۔ کہ یہ کتاب مطبوع
خاص و عام ہو گئی۔ ان کے دوہروں میں اکثر اور کتاب مذکور میں کہیں کہیں فارسی عربی کے

---

[1] مغل دربار میں فارسی زبان و ادب کی تاریخ (انگریزی باب پنجم)

Marfat.com

الفاظ موجود ہیں۔

سنکارے سیوک چلے سوامی رکھ پائے (رُخ) | گھر ترو ترد بن و باگ(باغ) و برڈیرا یو لگائے
گھر بسواسس بچن بٹ بولے | کتنی بھنگ کلہ(توپی) بھی کھولے
رام انیک گریب نوابجے (غریب نواز) | لوک بید بر برد براجے
غنی گریب گرام نر ناگر | پنڈت موٹے ملیں اوجاگر
مایا کو ملے ملیے گر کر ہاتھ | تلسی داس گریب(غریب) کی کوئی نہ پوچھے بات

اسی زمانہ میں سورداس جی نے سری کرشن جی کے ذکر سے اپنے نام کو مقبولِ خاص و عام کیا۔ ان کی تصنیف میں شاید کوئی شعر ہوگا جو فارسی عربی لفظ سے خالی ہوگا۔ پس اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب یہ بزرگانِ مذہب اپنے دوہروں میں فارسی لفظ بول جاتے تھے تو گفتگو میں عام ہندو لوگ کیا کچھ اس سے زیادہ نہ بولتے ہوں گے۔ سورداس جی کہتے ہیں:۔

مایا دھام دھن ونتا، باندھوں ہوں اس ساج (ہمساز) | سنت سبھی جانت ہوں، تو نہ آیو باج (باز)
کھیت بہت کا ہے تم تانے، سبد سنی آواج (آواز) | دیو نہ جات پار اُتر آئے، چاہت چڑھیں جہاج (جہاز)
لیجئے پار اُتار سورکو، مہاراج برج راج | نئیں کرت کہت پربھو تم سوں سد گریب نواج (غریب نواز)

عبداللہ الرحیم خان خاناں نے ہندی میں اپنا تخلص رحیمن کیا تھا۔ اس کے کلام کی سادگی نے عوام میں خوب شہرت حاصل کی۔ اگرچہ وہ سنسکرت اور فارسی کا عالم تھا لیکن اس کے دوہے عربی۔ فارسی اور سنسکرت کے ثقیل الفاظ سے پاک ہیں اور اس طرح اس نے ایک قدم اُردو کی طرف اور بڑھایا ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے:۔

رحیمن چپ ہو بیٹھئے دیکھ دنن کے پھیر | جب نیکے دن آئیں گے بنت نہ لگتے دیر
امی پیاوے مان بن رحیمن ہمیں نہ سہائے | مان سہو مر لو بھلو بر دیکھ وے ہی بلائے
رحیمن وے نر مر چکے جو کہوں انگن جائیں | ان تے پہلے وے موئے جن مکھ نکھست نا ہیں
رحیمن کھو جو او کھ میں جہاں رسن کی کھان | جہاں گانٹھ تھاں رس نہیں یہی پریت کی ہان
رحیمن دھاگا پریم کا مت توڑو چٹکائے | ٹوٹے سے پن نا ملے۔ ملے گانٹھ پڑ جائے

؎ مغل دربار میں فارسی زبان و ادب کی تاریخ (انگریزی) باب پنجم

Marfat.com

رحیمن پریت سراہیے ملے ہوت رنگ دون | جوں ہردی زردی تجی۔ تجی سفیدی چون
رحیمن اَت مشکل بھیو گاڑھے دوؤ کام | ساچ کہے تو جگ نہیں جھوٹے ملے نہ رام
رحیمن سیدھی چال سو پیادہ ہوت وزیر | فرزیں شاہ نہ ہو سکے ٹیڑھے کی تاثیر
رحیمن دیکھ بڑوں کو لگھو نہ دیجے ڈار | جہاں کام آوے سوئی کیا کرے تروار

الغرض بیانات متذکرہ بالا سے ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے ارتباط سے پہلے ایک دوسرے کی زبان کے الفاظ اور پھر مخلوط جملے زبانوں پر جاری ہو گئے لیکن ایک مدت تک معمولی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے یہ مخلوط زبان استعمال ہوتی رہی دکن میں اہل علم ضرور اس زبان میں تصنیف و تالیف بھی کرنے لگے۔ لیکن شمالی ہند میں اس زبان کو ایک مدت تک علم و ادب کی کرسی پر جگہ نہ ملی۔

رفتہ رفتہ عہدِ شاہجہاں میں آگرہ کی بجائے دلی پھر دارالسلطنت قرار پائی۔ شہنشاہ اور ارکانِ دولت وہاں رہنے لگے۔ اہلِ سیف۔ اہلِ قلم۔ اہلِ حرفہ اور تجار وغیرہ ملک ملک اور شہر شہر کے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے۔ ترکی میں اُردو بمعنی فرودگاہ یا لشکر آتا ہے چونکہ اُردوئے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ زیادہ بولتے تھے۔ اس لئے وہاں کی بولی کا نام بھی اُردو ہو گیا۔ اور یہ زبان خاص و عام میں شاہجہان کے اُردو کی طرف منسوب و مشہور ہو گئی۔

لیکن اس مخلوط زبان کا نام اُردو ہونے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ زبان شاہجہان کے زمانہ سے رائج ہوئی ہے۔ جیساکہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں۔ یہ مخلوط اور مشترک زبان تو عربوں کی فتوحاتِ سندھ ہی سے معرضِ وجود میں آگئی تھی۔ اور رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے دہلی کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اور اس زبان کا رواج عام بول چال میں زیادہ ہوا۔ تو بعض لوگ اس کو ہندی اور بعض لوگ زبانِ دہلوی کہنے لگے۔ جب یہ زبان اقطاعِ ہند میں پھیلی تو دکن میں جاکر دکنی اور گجرات میں پہنچکر گجری یا گوجری ہو گئی۔ دکن میں شاعروں اور نثاروں نے اسی زبان میں لکھنا شروع کیا اور ممکن ہے

Marfat.com

کہ اہلِ گجرات نے بھی اس میں نثر و نظم لکھی ہو۔ لیکن اب تک اُس عہد کا ایسا نمونہ اہلِ گجرات نے پیش نہیں کیا۔ جس سے ہم وثوق کے ساتھ یہ کہ سکتے۔ کہ گجرات میں بھی اس زبان میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہو گیا تھا۔ تاہم اہلِ دکن کی نظم و نثر سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ کہ ہماری زبان میں شعر کہنا اور نثر لکھنا قطب شاہیوں اور عادل شاہیوں کے زمانہ سے بھی پہلے شروع ہوا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ زمانہ شاہجہان کے عہد سے بہت پہلے کا ہے۔

شاہجہان کے زمانہ میں اس زبان کا نام ہندی یا دہلوی زبان کی بجائے اُردو مشہور ہوا۔ اگرچہ ہمارے شاعروں نے اس کو فارسی زبان سے تمیز کرنے کے لئے ریختہ بھی کہا ہے۔ چنانچہ ولی دکنی کا شعر ہے۔ جو عالمگیر کے زمانہ میں تھے۔ اور دہلی بھی آئے تھے۔ ؎

ولی تجھ حسن کی تعریف میں جب ریختہ بولے ۔۔۔ سُنے تو اس کو جان و دل سوں حسانِ عجم آکر

اور شاہ حاتم اپنے دیوان زادہ میں جو ۱۱۶۹ھ کی یادگار ہے۔ اپنے متعلق لکھتے ہیں:

"در شعر فارسی پیرو صائب است و در ریختہ ولی را اُستاد می داند۔"

بیشک شاہجہان کے زمانہ میں اس زبان کا نام اُردو ہوا۔ لیکن ڈیڑھ سو برس سے پہلے کسی اہلِ قلم نے اس کو اُردو نہیں لکھا۔ البتہ میر تحسین کے زمانہ سے یہ زبان برابر اُردو ہی کے نام سے موسوم ہے۔ اور مرزا غالب کے بعد تو اس زبان کو اُردو کے سوا کسی اور نام سے منسوب ہی نہیں کیا گیا۔ ہمارے زمانہ میں اہلِ مغرب ضرور اس کو ہندوستانی کہتے ہیں۔ لیکن یہ نام بھی نیا نہیں ہے۔ مولانا وجہی کتاب "سب رس" میں جو ۱۰۴۵ھ کے قریب تصنیف ہوئی ہے۔ اُردو کو زبانِ ہندوستان کہتے ہیں:۔

"آغازِ داستان، زبانِ ہندوستان نقل۔ ایک شہر تھا۔ اس کا ناؤں سیستان۔"

بہرحال شمالی ہند میں ولی کے دہلی تشریف لانے کے بعد اردو میں شعر و شاعری کا چرچا ہوا۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ نظمِ[1] اُردو کے آغاز میں یہاں سنسکرت کی تقلید کی گئی۔ سنسکرت میں ایک نقطہ کے کئی معنی ہیں۔ اسی واسطے اس میں طور بھج بھاشا میں

[1] سیر المصنفین جلد اول صفحہ ۴۲۔ طبع اول

تجنیس الفاظ اور ایہام پہ دو ہروں کی بنیاد ہوتی تھی۔ فارسی میں یہ صنعت ہے مگر کم ودہ میں پہلے پہلے دلی کے شعرا نے شعر کی بنا اسی پر رکھی۔ اور دورِ اوّل کے شعرا میں یہی قانون جاری رہا۔ اس عہد کے چند اشعار بطور نمونہ پیشکش ہیں ؎

ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے
نستعلیق کا ہے اُس بُتِ خوشخط کی زلف

قد ہو جس کا نہال کی مانند
کیوں نہ ہو ہم سے وہ صنم باغی

دل مرا دار دار جاتا ہے
تو جو دریا کے پار جاتا ہے

یہ تو قدیم ہی سے سر پہ ہمارے کرہے
تم دیکھو یا نہ دیکھو ہم کو سلام کرنا

کہ آخر بد نما لگتا ہے دیکھو چاند کو گہنا
نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیوے

نادر شاہی حملہ اور تیسری جنگ پانی پت کے بعد بہت سے اہلِ کمال لکھنؤ چلے گئے ورد ہیں رہ پڑے۔ خانِ آرزو۔ سودا۔ میر وغیرہ سب لکھنؤ پہنچے۔ اور سب وہیں پیوند خاک ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ دلی کے بعد لکھنؤ بھی ان شعرائے واجب الاحترام کی بدولت اردو زبان کا مرکز قرار پایا۔ لکھنؤ کے سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس کی ادبی مرکزیت بھی رامپور منتقل ہوگئی۔ نواب کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں کے دربار میں شعراء اور فضلاء کی بھیڑ قائم ہوئی اور داغ کے حیدر آباد دکن چلے جانے پر دکن میں پھر اردو کا چرچا ہوا۔ چنانچہ وہاں عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہوئی۔ جو تمام مضامین کی تعلیم اپنے طلبا کو ان کی مادری زبان یعنی اردو میں دیتی ہے۔

شرقی شہروں میں عظیم آباد بھی اردو کا مرکز قدیم سے چلا آتا ہے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے عہد میں اس شہر میں اردو کے شاعر اور نثار پیدا ہوئے۔ اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے میر غلام علی راسخ جو میر کے ہمعصر تھے۔ کافی شہرت رکھتے ہیں۔ راجہ رام ناتھ اور راجہ شتاب رائے بھی علم و ادب کے شیفتہ تھے، دہلی اور دوسرے مقامات سے شعراء اور ادبا آتے اور گوہر مراد لے کر مالا مال واپس جاتے۔ نواب اشرف علی خاں فغاں نے پٹنہ میں اردو کے لئے جدید شاہراہ پیش کی۔ ان کی ہدایات سے متاثر ہو کر

؎ الناظر لکھنؤ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷

Marfat.com

اُردو بہت منزّہ، موثر اور نقائص سے پاک ہوگئی۔ میر شیر علی افسوس اور میر امن اسی دَور کے باکمال افراد تھے جو راجہ شتاب رائے کے صاحبزادہ راجہ بہادر کے دسترخوانِ کرم پر بیٹھے ہوئے ہدیۂ تبریک پیش کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں شادؔ جیسا عظیم الشان شاعر بھی عظیم آباد ہی نے پیدا کیا ہے۔

افسوس اور میر امن وغیرہ ڈاکٹر گلکرائسٹ کی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں کتابیں ترجمہ اور تالیف کرتے تھے۔ کیونکہ انگریزوں نے بھی اُردو کی ترقی میں اسے تمام ملک کی زبان سمجھ کر اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ اس طرح یہ زبان بہار اور بنگال میں پہونچی اور وہاں اپنے قدم جمائے۔ بنگال میں اگرچہ بنگالی کا زیادہ رواج ہے لیکن اُردو بھی آہستہ آہستہ اپنا قدم جما رہی ہے۔

اس[1] زبان کی طبیعت ایسی ملنسار واقع ہوئی ہے کہ ہر زبان سے میل کرلیتی ہے۔ سنسکرت آئی اس سے مل گئی۔ عربی۔ فارسی آئی اسے بسم اللہ خیر مقدم کہا۔ اب انگریزی الفاظ کو اس طرح جگہ دے رہی ہے۔ گویا اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اس کی اس ملنساری اور آسانی کی وجہ سے یہ ہلکی زبان ہوگئی ہے کشمیر سے راس کماری تک اور بنگال سے سندھ تک اُردو بولی یا سمجھی جاتی ہے۔ اس قلیل عرصہ میں جب سے دکنی نے اپنی پہلی غزل اُردو میں تصنیف کی جس کو سوا دو سو برس کا زمانہ گزرا۔ آج تک جو کچھ ہوا وہ کسی تحریک یا ارادہ سے نہیں ہوا۔ تاہم اُردو کی ترقی نمایاں اور روز افزوں ہے۔ بلاشبہ یہ رفتار دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں نسبتاً بہت کم ہے۔ لیکن یہ اس کے ابتدائی مدارج ہیں۔ اور دوسری زبانیں اپنی ترقی مکمل کر چکی ہیں۔ انگریزی زبان نے اپنا موجودہ علم و ادب چوتھی صدی سے بیسویں صدی تک یعنی ایک ہزار چھ سو برس میں پیدا کیا ہے۔ جبکہ کل قوم اور حکومتِ انگلشیہ برابر اس کی ترقی کے لئے کوشاں رہی ہیں۔ تو کیا یہ تعجب خیز امر نہیں ہے کہ اُردو نے بغیر کسی امداد اور وسیلے کے اس قدر جلد معتدبہ علم و ادب بہم پہنچا لیا۔

بعض اہلِ وطن اُردو کے مقابلے میں ہندی کو کھڑا کر رہے ہیں۔ ہم کو ہندی سے

---

[1] سیر المصنفین جلد اوّل صفحہ ۳۰ - طبع اوّل

Marfat.com

کوئی نفرت نہیں اور مسلمان تو خدا کے فضل سے ہمیشہ اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کی ترقی میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ ہندی میں چوٹی کے شاعر بہت سے مسلمان ہو چکے ہیں۔ بنگالی زبان کے ادبیات کا سنگِ بنیاد مسلمانوں کے ہاتھ سے رکھا گیا (ملاحظہ ہو تاریخ ادبیاتِ بنگال، مرتبہ جناب دنیش چندر سین بی۔ اے) "پنجاب میں اردو" کے مؤلف نے اس عبارت کا خلاصہ صفحہ ۱۱۳ پر درج کیا ہے۔ جو یہاں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے:۔

"بنگالی زبان کے اپنی پایہ تک ارتقا حاصل کرنے کے متعدد اسباب ہیں۔ ان میں سب سے پیش پیش بلا شائبۂ اشتباہ مسلمانوں کی فتح بنگال ہے۔ اگر ہندو راجا بدستور سابق مختار اور حکمران رہتے تو بنگالی زبان کیلئے دربار تک رسائی حاصل کرنا ایک دشوار امر تھا۔ ان پٹھانوں نے تیرہویں صدی میں بنگال کو تسخیر کر لیا۔ ان کے سلاطین نے بنگالی زبان سیکھی اور اپنی کثیر التعداد ہندو رعایا کیساتھ جن پر حکمرانی کرنے کے لئے وہ آبسے تھے۔ قریبی تعلقات قائم کر لئے۔ جب ان سلاطین نے سنسکرت کے مشہور رزمیوں رامائن اور مہابھارت کا ذکر سنا جو ہندوؤں کی مذہبی اور منزلی زندگی کی تشکیل میں عجیب و غریب اثر رکھتے تھے تو قدرتاً ان کو شوق ہوا کہ ان نظموں کے موضوع سے آگاہی حاصل کریں۔ انہوں نے چند عالموں کو بنگالی زبان میں انکے ترجمہ کرنے کا حکم دیا جس زبان کو وہ اب بولتے اور جانتے تھے۔ مہابھارت کا بنگالی ترجمہ ناصر شاہ والئے گوڑ کے حکم سے ہوا جس نے ۱۳۲۵ء تک پورے چالیس سال سلطنت کی تھی" (صفحہ ۱۰ و ۱۱)

لہذا ہمارے اہلِ وطن کو یہ امر فراموش نہ کرنا چاہئے کہ مسلمانوں نے اپنی عربی فارسی زبان چھوڑ کر آپ کی زبان کو اختیار کیا جو آپس کے میل جول سے پیدا ہوئی اور بحالت موجودہ اردو کہلاتی ہے۔ اردو نہ صرف آپ کی زبان ہے اور نہ صرف ہماری۔ اس میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کا برابر کا حصہ ہے۔ یہ امر انصاف کے خلاف ہے کہ اتنی مدت گزرنے کے بعد اب آپ اسے خیرباد کہیں اور دو سو تین سو برس پہلے کی زبان اختیار کریں۔ یہ ترقیِ معکوس نہایت خطرناک اور قابلِ افسوس ہے۔ آپس میں محبت بڑھانے کے لئے اور نفرت دور کرنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ آپ اردو سے بے نیاز نہ ہوں۔ اور اپنی مشترکہ زبان کی وسعت اور ترقی میں دل سے کوشاں ہوں۔

Marfat.com

قدیم اردو

شیخ عین الدین گنج العلم ۷۰۶ھ/۱۳۰۶ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ نوجوانی کے زمانہ میں تحصیل علم کی خاطر گجرات پہنچے۔ وہاں سے دولت آباد گئے۔ پھر بیجاپور آکر قیام کیا اور وہیں ۷۹۵ھ/۱۳۹۳ء میں انتقال ہو گیا۔

آپ کثیر التعداد فارسی کتابوں کے مصنف ہیں۔ لیکن قدیم اردو یا دکنی اردو میں بھی چند مختصر رسالے تصنیف فرمائے ہیں۔ جو اب ناپید ہیں۔

حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز ۷۲۱ھ/۱۳۲۰ء میں بمقام دہلی، پیدا ہوئے خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے کسب باطن کیا۔ اور دہلی سے گلبرگہ تشریف لے گئے۔ ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء میں وفات پائی۔ عربی و فارسی کے بڑے مصنف تھے۔ مریدوں اور عام طلاب کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی دکنی اردو میں بھی مطالب سمجھاتے تھے۔ آپ کی کتاب **معراج العاشقین** شائع ہو گئی ہے۔ اس کی عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"اے عزیز، اللہ بندہ ہنا یہاں پہچان کو جاتا نیں تو شرع جاتا ہے۔ اول اپنی پہچانت بعد از خدا کی پہچانت کرنا۔"

"انسان کے وجود کوں پانچ تن، ہر ایک تن کو پانچ دروازے ہیں۔ ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی، نفس اس کا امارہ، یعنی واجب الوجود کی آنکھ سوں غیر نہ دیکھتا سو۔ حص کے کان سوں غیر نہ سنتا سو۔ حسد ناک سوں بدبوئی نہ لینا سو۔ بغض کی زبان سوں بدگوئی نہ کرنا سو۔ کنیا کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو، پیر طبیب کامل ہونا نفس پہچان دوا دینا۔"

معراج نامہ اور **رسالہ سہ بارہ** بھی حضرت خواجہ بندہ نواز کی تصنیفات سے ہیں نمونہ یہ ہے۔

Marfat.com

"تحقیق خدا کے میا تے ستر ہزار پردے اوجیالے کے ہور اندھارے کے - اگر اس میں تے یک پردہ اُٹھ جاوے - تو اس کی آنچ تے میں جلوں"

رسالہ سہ بارہ کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

"سوال :- ایمان کے جھاڑاں کیا اور ایمان کی ڈالیاں کیا اور ایمان کے پات کیا اور ایمان کا وطن کیا - اور ایمان کا بیج کیا اور ایمان کا پوست کیا - اور ایمان کا سر کیا اور ایمان کا جیو کیا -

" جواب :- ایمان کا جیو قرآن - ایمان کی جڑ توبہ - ایمان کی ڈالیاں سو بندگی ایمان کی پات پرہیزگاری - ایمان کا تخم سو علم - ایمان کا پوست سو شرم - ایمان کا وطن سو مومن کا دل ہے ۔"

شمس العشاق شاہ میراں جی، مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے - دکن آکر حضرت خواجہ گیسو دراز کے خلیفہ سے بیعت کی - ۱۴۹۶ء / ۹۰۲ھ میں وفات پائی - دکن کے بڑے علماء اور صوفیا میں ان کا شمار ہے - آپ کی تمام تصانیف اردو نثر یا نظم میں ہیں - نثر میں شرح مرغوب القلوب، جل ترنگ اور گل باس قلمی موجود ہیں -

شاہ برہان الدین جانم نے ۱۵۸۲ء / ۹۹۰ھ کے بعد وفات پائی ہے - نثر میں ایک رسالہ کلمتہ الحقائق لکھا ہے . . . . اُس میں تصوف کے مسائل سوال و جواب کے طور پر بیان کئے ہیں - مثلاً یہ تن الا دھا وستاو لیکن جیتا بکار، ٹوٹنے نہیں بلکہ ستنتر بکار روپ دستا ہے - یک تل قرار نہیں، جیوں مرکٹ روپ" صاف اردو میں یہ عبارت اس طرح پڑھی جا سکتی ہے "یہ جسم علیحدہ نظر آتا ہے - لیکن زندہ متحرک ہے - ٹوٹتا نہیں بلکہ بدلتا رہتا ہے - متحرک حالت میں نظر آتا ہے - ذرا سی دیر کو قرار نہیں - گویا بندہ ہے -

شاہ امین الدین اعلیٰ، شاہ برہان الدین جانم کے فرزند دلبند تھے ۱۶۷۵ء / ۱۰۸۶ھ میں وفات پائی - کئی رسالے اردو نثر میں آپ سے یادگار ہیں - ایک رسالہ گنج مخفی ہے - جس کا نمونہ یہ ہے :-

Marfat.com

"اللہ تعالےٰ گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا۔ تو اول اس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے اپین دیکھ ہوا۔ اپین شاہد کہتے ہیں۔ یو دونوں ذات کے دو طور ہیں، ذات نے اپس کو دیکھا، اسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھ کر گواہی دیا۔ تو اسے شاہد کہتے ہیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں"

شاہ میراں جی خدا نما، یہ بزرگ سید میراں حسینی بھی کہلاتے ہیں۔ حیدر آباد وطن تھا۔ بیجاپور جاکر شاہ امین الدین اعلی سے بیعت کی۔ آپ نے تمہیدات عین القضات ہمدانی کا ترجمہ اردو میں کیا ہے۔ جس کا نام شرح تمہید ہمدانی ہے عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"اے عزیزاں، اے بات نہیں سنیاں۔ بادشاہ گھوڑا مستعد کئے بارج نہیں سوار ہوتے۔ ہور گھوڑے میں کچھ عیب ہو کیسا اچھے تو بھی نہیں قبول کرتے۔ یعنی پیر کے عشق میں بغیر پختا ہوے بارج خدا کے عشق میں نا آسکتا نہیں آسکتا اور دیکھ نا سکے سی۔ اگر عشق خالق ندا ری بارے عشق مخلوقے مہیا کن۔ اس کا معنا، خدا کی پہچان کا بل نہیں تو اول اپنی پہچانت کر"

مولانا عبد اللہ نے ۱۰۳۲ھ ۱۶۲۲ء میں احکام الصلوٰۃ کے نام سے ایک رسالہ دکنی اردو میں لکھا ہے۔ جس میں فقہ حنفی کے مطابق احکام شریعت بیان کئے ہیں۔ نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"روح قبض ہوا اسی وقت اس کیاں انکھیاں موچتا ہوا پاؤں دراز کرتا ہور ہاتھ دراز کرنا دونوں پہلو کی طرف ولیکن سینے پر نا رکھنا۔ ہور اس کی ٹھڈی ہور سرکوں ملا کر بندنا۔ یو سب سنت ہے۔ ہور مرنے تے اول اس کے سرکوں قطب کی طرف ملانا ہور شوے بعدا تہ غسل دینا اسی طریق سوں"

ہم نے گزشتہ صفحات میں کہیں ملا وجہی کی کتاب سب رس کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں اس کتاب کا ذکر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس کتاب کو انجمن ترقی اردو (ہند) نے شائع کر دیا ہے:۔

Marfat.com

ملا وجہی نے سب رس ۱۰۴۵ھ میں لکھی تھی۔ وجہی عبداللہ قلی قطب شاہ کا درباری شاعر تھا۔ شاہ مذکور کی فرمائش سے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ چنانچہ دیباچہ میں وہ خود لکھتا ہے "سلطان عبداللہ ظل اللہ، عالم پناہ، صاحب سپاہ، حقیقت آگاہ، دشمن پدر، ثانی سکندر، عاشق صاحب نظر، دل کے خطرے تے بے خبر"۔ . . . صبا کے وقت بیٹھے تخت، یکایک غیب تے رمز پاکر دل میں اپنے کچھ لیا کر، وجہی نادر من کوں، دریادل گوہر سخن کوں، حضور بلائے یاں دے، بہت مان دے، یوں فرمائے کہ انسان کے وجود بیچ میں کچھ عشق کا بیان کرنا، اپنا ناؤں عیاں کرنا، کچھ نشان دھرنا، وجہی بھوئیں گن بھریا تسلیم کرکر سر پر ہات دھریا، بہوت بڑا کام اندیشیا، بہت بڑی فکر کریا، بلند ہمتی کے بادل نے دانش کے میدان میں گفتاراں برسایا۔ بادشاہ کے فرمائے پہنچیا، نوی تقطیع بیٹیا۔"

"وجہی نے ایک کتاب تاج الحقائق اور لکھی ہے جو اخلاق و تصوف کے بعض مباحث پر ہے۔ اور "سب رس" کے بعض مقامات سے جہاں اس قسم کی بحث آگئی ہے۔ بہت ملتی جلتی ہے

بقول مرتب "یہ کتاب ادبی نظر سے قدیم اردو میں خاص اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے قصہ بھی عجیب ہے۔ اور طرز بیان بھی عجیب مصنف نے ایک عام اور عالمگیر حقیقت کو مجاز کے پیرائے میں بیان کیا ہے اور حسن و عشق کی کشمکش اور عشق و دل کے معرکے کو قصے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ بڑے مزے کا قصہ ہے۔ اور کون ہے۔ جو اس کوچے سے ناآشنا ہو۔ اور جس نے اس معرکہ میں چوٹ نہ کھائی ہو۔"

یہ پُر لطف داستان سب سے پہلے یحییٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری نے لکھی۔ یہ حضرت نیشاپور علاقہ خراسان کے مشاہیر میں سے اور شاہرخ مرزا کے عہد میں تھے۔ انتقال ۸۵۲ھ میں ہوا۔ اور تخلص آپ کا فتاحی ہے۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ ان میں سے ایک دستور عشاق یعنی حسن و دل کا قصہ ہے۔ دستور عشاق مثنوی ہے جس میں پانچ ہزار اشعار ہیں۔ حسن و دل جو بہت مشہور ہوئی۔ نثر میں دستور عشاق کا خلاصہ ہے۔ اس کی نثر مسجع اور مقفیٰ ہے اور صنائع و بدائع کی اس میں خوب داد دی ہے۔

Marfat.com

عہدِ عالمگیر ۱۱۰۵ھ میں خواجہ محمد بیدل نے اس قصہ کو پرتکلف نثر میں لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ جدت کی ہے۔ کہ قصہ کے اشخاص کو خطابات بھی عطا فرمائے ہیں جس سے تمثیل کا لطف جاتا رہا ہے۔

اِن تمام مصنفوں نے اس قصّے کے بیان کرنے میں خواہ نثر میں ہو یا نظم میں مولانا فتاحی سے خوشہ چینی کی ہے۔ گو ملا وجہی نے قصّے کی اصل کی طرف کہیں اشارہ نہیں کیا۔ مگر دونوں کتابوں کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وجہی نے قصّے کی واردات، حرف بحرف فتاحی سے لی ہے۔

وجہی اپنی زبان کو دکنی نہیں کہتا ہے۔ قصّے کے شروع میں بھی وہ "آغاز داستان زبانِ ہندوستان" لکھتا ہے۔ جگہ جگہ وہ ہندی، دکنی، فارسی، عربی، مرہٹی ضرب الامثال دوہرے اور اقوال، اشعار، آیت، حدیث۔ روانی میں لکھتا چلا جاتا ہے، اگرچہ وجہی گولکنڈہ کا ہے۔ اور گولکنڈہ اور حیدرآباد تلنگانے میں ہیں۔ مگر کہیں تلنگی مثل یا فقرہ یا لفظ اس کتاب میں نہیں آیا۔

سب رس کی زبان تین سو برس پہلے کی ہے۔ اور وہ بھی دکن کی۔ بہت سے لفظ اور محاورات ایسے ہیں۔ جو اب بالکل متروک ہیں۔ اور خود اہلِ دکن بھی نہیں سمجھتے۔

میراں یعقوب نے شیخ برہان الدین اورنگ آبادی کی ضخیم کتاب "شمائل الاتقیا" کا ترجمہ اردو میں ۱۰۷۸ھ ۱۶۶۷ء کے بعد کیا۔ یہ کتاب تصوّف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کا نمونہ حسبِ ذیل ہے:۔

"سببِ ترجمہ" اپنی حیات کے وقت مجھے اشارت کئے تھی۔ جوں شمائل الاتقیا کتاب کوں ہندی زبان میں لیا دے۔ تا یہ کسی کو سمجھا جاوے۔ اس وقت مجھے بیانہیں تاکہ یک ہزار ستر یہ آٹھوں سال کوں رحلت کئے پیران کے بھانجے عارف حق رسیدے عارفوں کے نور دیدے مصطفیٰ کے کلیجے ہور مرتضیٰ کے نین شاہ میراں ابن سید حسین سلمہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کے زمانے میں کتاب لکھنے کا شروع کیا۔ جی کچھ مشکل آتا تھا۔ سو پیر کی مدد سوں آسان لکھا جاتا تھا۔"

Marfat.com

سید محمد قادری، عالمگیر کے زمانہ میں تھے۔ رائچور کے خاندانِ نوردریا کے بزرگ تھے۔ اور شیخ امین الدین اعلیٰ کے خلیفہ تھے چند رسائل تصوف قدیم اردو میں لکھے ہیں۔

شاہ ولی اللہ قادری خلف شاہ حبیب اللہ قادری نے ۱۱۱۵ھ ۱۷۰۴ء میں "معرفت السلوک" مصنفہ شیخ محمود کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ ۱۱۵۷ھ ۱۷۴۴ء میں فوت ہوئے موضوعِ کتاب، تصوف ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے:۔

بولتا ہے کمترین مرید ہور واپس ترین شاگرد جاروب کش درگاہ عالی ہور بارگاہ ابالی عاجز فقیر الحقیر محمد ولی اللہ حکم کئے منجکوں حضرت شہباز ولایت، معدنِ ہدایت آفتاب عالمتاب، بزرگ اولیا کے بڑے اتقیا کے، ہور ہمد رنشین محمد مصطفیٰ کے صاحب شریعت ہور طریقت کے، دربار حقیقت اور معرفت کے وارث محمد رسول اللہ حضرت شاہ حبیب اللہ قادری باقی رکھے۔ اللہ انوکوں"

سید شاہ میر بھی اسی زمانے میں تھے۔ اُن کا وطن قصبہ راچوتی تھا۔ ایک رسالہ اسرار التوحید لکھا ہے۔ دوسرا رسالہ حقائق بھی آپ کی تصنیفات سے ہے۔ نمونہ یہ ہے۔

قل انما انا بشر مثلکم۔ جو خدائے تعالیٰ فرمایا یعنی میں معبود نیں۔ بلکہ تمہارے سا عبد ہوں۔ خدا کی نسبت۔ ہور خدا نیں، بلکہ بندہ ہوں۔ خدا کا رسول ہوں تمہیں مج سوں ہے۔ ہور میں خدا سوں ہوں یعنی تمھیں میرے نور ہیں ہور میں خدا کا نور ہوں۔ اپس سوں مجکوں جدا مت جانو۔ ہور مجھے اپس میں دیکھو۔ ہور سمجھو کہ خدائے تعالیٰ امنت رکھیا ہے۔ تمنا پر اس بات کا کہ انقی من اللہ۔"

Marfat.com

اُردو کا عالمِ طفولیت

ادھر تو یہ چونچال لڑکا شعرائے جلسوں میں اور امرا کے درباروں میں اپنے بچپنے کی شوخیوں سے سب کے دل بہلا رہا تھا۔ اُدھر دانائے فرنگ جو کلکتے میں فورٹ ولیم کے قلعہ پر دُوربین لگائے بیٹھا تھا، اُس نے دیکھا، نظر باز تاڑ گیا۔ کہ لڑکا ہونہار ہے۔ مگر تربیت چاہتا ہے۔ تجویز ہوئی کہ جس ملک پر حکمرانی کرتے ہیں اس کی زبان سیکھنی واجب ہے۔

آبِ حیات

نثر بارھویں صدی ہجری اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے اختتام سے نثرِ اُردو کی درحقیقت ابتدا ہوئی ہے جبکہ میر محمد عطا حسین خاں تحسینؔ نے چار درویش کا قصہ اُردو میں لکھ کر نوطرزِ مرصع نام رکھا۔ اس وقت تک ہماری زبان بن رہی تھی۔ اور ریختہ شکل اختیار نہیں کی تھی۔ شجاع الدولہ کے عہد میں تصنیف شروع ہو کر ختم ہوگئی (۱۷۷۵ء) اور نواب آصف الدولہ کی تخت نشینی کے وقت اُن کے نام پر معنون کی گئی۔ ۱۷۹۸ء / ۱۲۱۳ھ کے قریب بعہدِ لارڈ ولزلی گورنر جنرل ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کے مدرسہ میں اُردو کتابوں کی تصنیف اور تالیف کا سررشتہ قائم کیا گیا۔ اور اُردو کی تربیت کا سہرا صاحبانِ ذی شان ہی کے سر رہا۔ صاحبِ تذکرہ گلشنِ ہند نے میر تقی میرؔ کے حال میں جبکہ شعبۂ تصنیف و تالیف کے اہتمام کے لئے کسی ایک لائق اہلِ زبان کی ضرورت تھی۔ الفاظِ ذیل میں یوں تصویر کھینچی ہے:۔

"جن ایام میں کہ درخواست صاحبانِ عالی شان کی، زبان دانانِ ریختہ کے مقدمے میں کلکتہ سے لکھنؤ گئی۔ تو پہلے کرنل اسکاٹ صاحب کے روبرو تقریب میرؔ کی ہوئی لیکن علتِ پیری سے بیچارے مجہول کے محمول ہوئے۔ اور نوجوان[1] نومشق، مربی گرمی سے قوتِ بدنی

---

[1] میر شیر علی افسوسؔ کی طرف اشارہ ہے، جو بسفارش نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں نائبِ نواب آصف الدولہ اس جگہ پر مامور کئے گئے۔ تنہا

Marfat.com

ے مقبول ہوئے، زمانہ خوش طبعوں سے نہیں خالی ہے، اکثر اہلِ لکھنؤ پکارتے تھے کہ کلکتے میں شاعری کی چادر خواست حمائلی ہے، کس واسطے کہ یہ جانتے سب اہلِ تمیز ہیں کہ آج بھی بوڑھے کے سامنے نوجوان غرورے میں موہز ہیں۔ اب بھی جو بوجہ تمکنت معنی کا جثہ ثقیل طبع سے ترازو کرکے وہ دکھاتا ہے۔ جوان اگر کوہ بوقبیس ہے۔ تو تحمل سے اس کے کمر چپاتا ہے۔"

بہرحال اس جگہ کے لئے میر شیر علی افسوس کا انتخاب ہوا۔ اور افسوس ہے۔ کہ یہ صاحب ہماری بدقسمتی سے منتخب نہ ہوئے۔ ورنہ کیا عجب ہے۔ کہ وہ نثر میں کوئی ایسی یادگار چھوڑ جاتے۔ جو ان کی نظم کی طرح مقبولِ خاص و عام ہوتی۔ اور اہلِ زبان اُسے سر آنکھوں پر رکھتے۔ فورٹ ولیم کے شعبۂ تصنیف و تالیف کی طرف سے میر شیر علی افسوس نے ۱۷۹۶ء / ۱۲۱۴ھ میں باغ اردو اور ۱۸۰۵ء / ۱۲۲۰ھ میں آرائش محفل لکھی۔ میر امن دہلوی نے ۱۸۰۲ء / ۱۲۱۷ھ میں باغ و بہار آراستہ کیا۔ اور انہی دنوں میں اخلاقِ محسنی کا ترجمہ لکھا۔ اور بیتال پچیسی جو محمد شاہ کے زمانہ میں سنسکرت سے بھاشا میں آئی تھی، اب عام فہم اردو ہو کر ناگری میں لکھی گئی اور ۱۸۰۵ء میں مظہر علی ولا نے اردو میں لکھی۔ لیکن بقول آزاد اس نقارۂ فخر کی آواز کو کوئی دبا نہیں سکتا۔ کہ میر انشاء اللہ خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے ۱۸۰۷ء / ۱۲۲۲ھ میں قواعدِ اردو لکھ کر ایجاد کی مٹی میں ظرافت کے پھول کھلائے۔

زبانِ اردو کی عام فہمی دیکھ کر مذہب نے بھی اپنی برکت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔ یعنی ۱۷۸۶ء / ۱۲۰۰ھ کے قریب شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ نے اور ۱۸۰۳ء / ۱۲۳۲ھ میں مولوی شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ نے قرآن شریف کا ترجمہ اردو میں کیا۔ اس کے بعد مولوی اسمٰعیل نے بعض رسالے عام اہلِ اسلام کی فہمائش کے لئے اردو میں لکھے۔ الغرض اپنی آسانی کے وصف سے اردو نے آہستہ آہستہ فارسی کو پیچھے ہٹانا اور اپنا قدم آگے بڑھانا شروع کیا۔

ہم آگے چل کر دکھائیں گے۔ کہ اس دور میں کافی تصنیف و تالیف کا رواج ہوا۔ کچھ تو فورٹ ولیم کالج کی بدولت اور کچھ دیگر اہلِ علم اور علمائے دین نے مذہبی کتابیں اردو میں لکھنی شروع کیں۔ تاکہ جو لوگ عربی اور فارسی کا علم نہ رکھتے تھے۔ اپنے مذہب کی باتوں سے اردو

Marfat.com

کے ذریعہ روشناس ہو جائیں

۱۸۲۱ء سے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے لیکن ۱۸۳۵ء سے سرکاری دفتر اردو ہونے شروع ہوئے۔ چند سال کے بعد کل دفتروں میں اردو زبان ہو گئی۔ اسی سنہ میں اخباروں کو آزادی حاصل ہوئی ۱۸۳۶ء میں اردو کا اخبار دلی میں جاری ہوا۔ اور یہ اس زبان میں پہلا اخبار تھا، جو آزاد کے والد مولوی محمد باقر کے قلم سے نکلا ۱۸۴۰ء کے قریب فقیر محمد خاں گویا نے انوار سہیلی کا ترجمہ اردو میں کیا جس کا نام بستان حکمت رکھا۔ بعد ازاں ۱۸۴۲ء میں میرزا رجب علی سرور نے فسانۂ عجائب تحریر فرمایا۔ اور چند اور قصّے لکھے۔ مرزا غالب مرحوم نے اس کے باوجود کہ فارسی زبان کے دلدادہ تھے۔ اور اپنی تمام عمر فارسی میں قادر الکلام ہونے پر صرف کی تھی۔ زمانہ کی رفتار دیکھ کر خطوط نویسی کا وہ طریقہ ایجاد کیا۔ جس کا تتبع بھی آج تک کما حقہ کسی سے نہیں ہوا۔ اور لمبے لمبے القاب و آداب کی جگہ نہایت مختصر القاب و آداب کی بنیاد ڈالی، ان کے خطوط میں وہ حظ اور لطف ہے۔ کہ عمدہ سے عمدہ افسانے اور ناول ان پر قربان ہیں، حالانکہ روزمرہ کی باتیں ہیں۔ مگر اندازِ تحریر اس قدر دلچسپ ہے۔ کہ برابر یہی جی چاہتا ہے کہ انہیں پڑھے جاؤ، طبیعت کو سیری نہیں ہوتی۔ یہ خطوط کتاب کی شکل میں جمع ہو کر اوّل عود ہندی کے نام سے اور بقیہ خطوط اردوئے معلیٰ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اسی زمانہ میں مولانا غلام امام شہید نے انشائے بہار بےخزاں اور خان بہادر منشی غلام غوث بےخبر نے جو غالب مرحوم سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ خونتابۂ جگر اور فغانِ بےخبر دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور اس طرح دوسرے دور کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ زبان کے ابتدائی مراحل کے لحاظ سے جو کچھ ہوا غنیمت ہوا۔ ورنہ دو چار کتابوں کی تصنیف کسی دور کے لئے ضرور باعث ننگ و شرم ہے[۱]۔ اگر غور سے نظر ڈالی جائے تو دوسرے دور سے پہلا دور بہت بہتر تھا۔ پہلے دور کا خاتمہ یقین دلاتا تھا۔ کہ دوسرا دور ضرور بہتر

[۱] یہ رائے موجودہ کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر کی گئی ہے ممکن ہے اس دور میں بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ جو اب ناپید ہیں یا ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ دوسرے دور کے آغاز میں اس کا مفصل ذکر ہو گا

ہوگا لیکن ستوِ عمل کا قانون جو دُنیا کی تمام اشیاء پر جاری و ساری ہے یہاں بھی اپنا اثر ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اُردو اپنے عالمِ طفولیت سے ایک قدم آگے نہ بڑھ سکی۔ البتہ دوسرے دَور کی کمی کو تیسرے دَور نے باحسن وجوہ پورا کر دیا۔ اور اُردو کا عالمِ طفولیت ختم ہو کر عنفوانِ شباب کے آثار ظاہر کرنے لگا جس کا ذکر ہم آیندہ چل کر کریں گے۔

Marfat.com

پہلا دَور

(۱۷۷۵ء سے ۱۸۲۰ء تک)

آج ، نثرِ اُردو کے باکمال اصحاب کا پہلا جلسہ منعقد ہوتا ہے۔ نظمِ اُردو کا تیسرا دَور ختم ہو چکا ہے۔ اور اُستادانِ فن اپنی شیریں کلامی اور سخن سنجی سے سب کو اپنا گرویدہ کر چکے ہیں، چوتھے دَور کے بادہ خوار خمخانۂ اُردو میں اپنی اپنی جگہ آن بیٹھے ہیں۔ اور غزل و قصیدہ کی شرابِ ارغوانی کے خُم کے خُم لنڈھا رہے ہیں۔ اور سامعین کو اپنے دل آویز نغموں سے مست الست بنا رہے ہیں، ان اصحاب کی زمزمہ پردازیوں، ظرافت اور نکتہ چینیوں نے ایک عالم کو مسخر کر لیا ہے۔ اور ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا۔ جو ان کا اثر پذیر اور دلگیر نہ ہو۔ نثر کی طرف کسی کو مطلق توجہ نہیں۔ جس کو دیکھئے نظم میں کوس

لہ یہاں ہم اُن چند علمی کتابوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو اسی دَور میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن گردشِ زمانہ سے ہندوستان میں نادرالوجود ہیں۔ اور انڈیا آفس لائبریری لندن کی الماریوں کو زیب دے رہی ہیں، اگر کسی صاحب کے پاس موجود ہوں۔ تو براہِ کرم راقمِ آثم کو مطلع فرمائیں اور ان کے اقتباسات سے بہرہ اندوز کریں۔ نیز اُن کے مصنفین کے حالات بھی جو کچھ معلوم ہوں۔ تحریر فرمائیں۔ تاکہ طبعِ دوم میں تلافیِ مافات ہو سکے "

کتب نجوم و ہیئت

۱:- مفتاح الافلاک از عبدالسلام کلکتہ ۱۸۳۳ء صفحات ۲۷۲۔

۲:- نظامِ آسمانی (انگریزی مع ترجمہ ہندوستانی) کلکتہ ۱۸۳۶ء

۳:- علمِ ہیئت مترجمہ لفٹننٹ ڈیمیس لکھنؤ ۱۸۳۲ء

جغرافیہ

۱:- خلاصۂ علم الارض (مع انگریزی) کلکتہ ۱۸۳۲ء

۲:- مرآۃ الاقالیم، کلکتہ ۱۸۳۶ء صفحات ۱۰۰

علم المعاشرت

۱:- اقبالِ فرنگ (بیان عادات و آداب و احوالِ فرنگ) از نواب اقبال الدولہ بہادر کلکتہ ۱۸۳۲ء

Marfat.com

لمن الملک الیوم بجا رہا ہے۔ اور ہمہ دانی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ سید انشاء اللہ خاں انشا کہ جن کی طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے۔ اور لافِ زباندانی اُن اصحاب سے سُننے کی متحمل نہیں ہے۔ جو زبان اور اہلِ زبان سے کوسوں دُور ہیں۔ اُن کی فہمائش اور اُن کی غلطیوں کو طشت از بام کرنے کے لئے دریائے لطافت جو دراصل قواعدِ اردو ہے۔ فارسی زبان میں تحریر کرتے ہیں اور ایک داستان اردو لکھتے ہیں جس میں عربی فارسی کا ایک لفظ بھی استعمال نہیں کیا۔ اُدھر میر امن کلکتہ میں بیٹھ کر اپنی صاف اور شستہ زبان میں وہ دلچسپ قصّہ تحریر کرتے ہیں۔ جو باغ و بہار کے نام سے موسوم ہے۔ اور جس کی ادنیٰ صفت یہ ہے کہ زبان کے اس قدر تغیر و تبدل کے باوجود اب بھی اس سے بہتر زبان میں اس کا لکھا جانا ممکن نہیں ہے۔ اِس پہلے دَور میں یہ دو اصحاب باکمال نظر آتے ہیں۔ اگرچہ بلحاظ زمانہ تصنیف میر محمد عطا حسین خاں تحسین کے سر پر اوّلیت کا تاج نظر آتا ہے۔ اور چار درویش کا قصہ موسوم بہ نوطرزِ مرصع ۱۷۷۵ء میں مکمل ہو کر فروغ پاتا ہے، تاہم باغ و بہار جو ۱۸۰۱ء ۱۲۱۵ھ میں آراستہ ہوئی مقبولیت کے پھولوں کا ہار پہنے ہوئے ہے۔ مصرع:۔

قبولِ خاطر و لطفِ سخن خدا داد است

فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے مشاہیر نثّار اپنی اپنی کوششوں کے لحاظ سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اردو نثر کے ایوانِ عظیم الشان کی بنیاد رکھنے میں جس قدر روڑے اور سنگریزوں کی ضرورت ہے۔ وہ اُن کا قلم آج مہیا کر رہا ہے۔ یہ سنگریزے عمارت کی بنیاد پختہ کرنے کے لئے آج جواہر ریزوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ جن کی ضرورت تکمیلِ عمارت کے بعد محض زیب و آرائش کے لئے ہوگی۔

شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی کا خاندان بھی اس ہونہار بچے کے سر پہ اپنا دستِ شفقت رکھتا ہے اور مذہبی تقدس کے ساتھ اس کو بھی پاکیزہ زندگی کی دُعا دیتا ہے، خدا کرے یہ بچہ خوب بڑھے، پھولے اور پھلے۔ آمین یا رب العالمین۔

Marfat.com

میر محمد عطا حسین خاں تحسین

میر محمد عطا حسین خان نام اور تحسین تخلص ہے۔ میر باقر خاں شوق کے بیٹے تھے۔ اور اٹاوہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن آپ مشہور شاعر نہیں معلوم ہوتے۔ کیونکہ مرزا علی لطف نے اپنے تذکرۂ گلشن ہند میں آپ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جن کے آپ ہمعصر تھے اور اب تک جس قدر تذکرے اردو شعرا کے حال میں لکھے گئے ہیں، کہیں آپ کا نام نامی نظر نہیں آتا۔ خمخانۂ جاوید میں بھی آپ کا ذکر خیر نہیں۔ حالانکہ اس میں ایک آدھ شعر کا لکھنے والا بھی زمرۂ شعرا میں داخل ہے۔ آب حیات میں شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے نثر اردو لکھنے والوں میں شمار کیا ہے۔ مگر نثاران اردو میں بھی آپ کسی درجۂ اعلیٰ پر نہیں پہنچے۔ نوطرز مرصع کے سوا اردو میں اور کوئی کتاب ان سے یادگار نہیں ہے۔ دیگر تصنیفات انشائے تحسین، ضوابط انگریزی اور تاریخ فارسی وغیرہ فارسی زبان میں ہیں۔ بے شک تحسین کو اردو اور فارسی دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ اور چونکہ اُن کا لقب مرصع رقم تھا۔ اس لئے یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے۔ کہ وہ بہت اچھے خوشنویس تھے۔ لیکن قصۂ چہار درویش کا ترجمہ موسوم بہ نوطرز مرصع قبولیت کے درجہ کو نہ پہنچا۔ اور میر امن کی باغ و بہار کے سامنے خزاں دیدہ ہو کر رہ گیا۔

نوطرز مرصع کی تالیف کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ نواب مبارز الملک افتخار الدولہ جنرل اسمتھ بہادر صولت جنگ سالار فوج انگریزی کی ہمراہی میں بجرے پر کلکتے کا سفر درپیش آیا۔ خالی بیٹھے بیٹھے دل گھٹنے لگا۔ تو ایک عزیز نے جو ہمراہ تھا۔ یہ قصہ سنانا شروع کیا۔ بہت پسند آیا۔ اور اسی وقت سے زبان ہندی میں لکھنے کی دھن لگ گئی۔ کیونکہ سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجاد تازہ کا نہ ہوا۔ چنانچہ اسی خیال سے لکھنا شروع کیا۔

Marfat.com

جنرل اسمتھ چلتے وقت انہیں صوبۂ عظیم آباد کی بعض خدمات پر متعین کر گئے، وہاں فرصت نہ ملی۔ پھر انقلابات ایسے واقع ہوئے۔ کہ وہاں سے دست بردار ہونا پڑا۔ اور وزیر الممالک نواب برہان الملک شجاع الدولہ ابو المنصور خاں صفدر جنگ (نواب اودھ) کی سرکار میں پہنچے۔ اور ان کے سایۂ عاطفت میں اس قصے کو پورا کیا لکھتے ہیں کہ "ایک روز تقریباً دو چہار فقرے اس داستان کے۔ کہ اول ذکر اس بیان کا کر گیا ہوں، بیچ سمع مبارک حضرت ولی نعمت کے پہنچا، از بسکہ شاہد رعنا اس حکایتِ دلفریب کا جلوہ گری کے عالم میں شوخ و شنگ ہے، توجہ دل سے مقبولِ خاطر و منظور نظر اشرف کے کر کے فرمایا۔ کہ از سرتاپا اس محبوب پسندیدہ دلہا کے تیئں زیور عبارت سے آراستہ کر۔ اس قلیل البضاعت نے حسب الحکم جلیل القدر کے درخورِ حوصلہ اپنے اس داستان کے معشوق کو حلی بندِ زیب و زینت کا کر کے چاہتا تھا۔ کہ اس نازنین کے تئیں نظرِ مبارک سے گزرانوں کہ اس عرصے میں زمانے نے اور ہی رنگ دکھایا۔"

غرض نواب شجاع الدولہ کی وفات کے بعد انہوں نے یہ کتاب نواب آصف الدولہ کے نام پر معنون کی۔ نواب آصف الدولہ کی تخت نشینی ۱۷۷۵ء میں ہوئی۔ اس وقت یہ کتاب ختم ہو چکی تھی یعنی اس کی تالیف باغ و بہار سے تخمیناً ۲۹، ۳۰ برس پہلے ہوئی آزاد نے بھی نوطرزِ مرصع کی تالیف شجاع الدولہ کے عہد میں ظاہر کی ہے لیکن نواب آصف الدولہ کے عہد میں اس کا اختتام ۱۷۹۸ء ۱۲۱۳ھ میں بتلایا ہے۔ جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ نواب آصف الدولہ ۱۷۹۷ء میں وفات پا چکے تھے۔ علاوہ ازیں تحسین نے نوطرزِ مرصع میں جو قصیدہ نواب مرحوم کی مدح میں لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آصف الدولہ بقیدِ حیات تھے۔

نوطرزِ مرصع صرف دو تین بار بمبئی اور کانپور سے شائع ہوا۔ اب وہ بالکل کمیاب ہے۔ البتہ برٹش میوزیم میں اس کے دو قلمی نسخے محفوظ ہیں۔

قصۂ چہار درویش کو میر محمد علی خاں اورنگ آبادی متخلص بہ شوق نے بھی ۱۲۱۲ھ

---

۱ دیکھو رسالہ اردو جولائی ۱۹۳۰ء ۲ دیکھو ارباب نثر اردو صفحہ ۱م۔

Marfat.com

اور ۱۲۱۴ھ کے درمیان اُردو نظم کیا ہے۔ یہ دکنی ترجمہ ہے۔ اور دکنی ادبیات میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ محمد عوض زریں نے بھی اس کتاب کو نثر اُردو میں لکھا ہے۔ اور اس کا نام بھی نوطرز مرصع ہے لیکن زریں نے اس کی تاریخ بھی باغ و بہار سے نکالی ہے۔ یعنا کر یہ گلدستۂ روزگار نہ تھی۔ اس کی تاریخ باغ و بہار۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ میر امن کی باغ و بہار کے ساتھ ساتھ یہ کتاب بھی ترجمہ ہو کر شائع ہوئی۔

مولوی شاہ رفیع الدین

[۱] اٹھارویں صدی عیسوی کے پچھلے نصف حصہ میں اور انیسویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں یعنی ایک صدی کے اندر شاہان مغلیہ کی عظمت کا خاتمہ ہو گیا تھا اقبال منہ موڑ چکا تھا۔ اور ادبار و فلاکت کی گھٹائیں ہر طرف سے چھا رہی تھیں۔ لیکن اس آخری زمانہ میں جو اسلام کا ہندوستان میں آخری دور تھا۔ آسمان علم و ادب کا آفتاب دہلی میں طلوع ہوا۔ اور اُس نے اپنی روشنی سے عالم کو منور کر دیا۔ حکومت اسلام کو گھن لگ چکا تھا۔ لیکن مذہب اسلام بآواز بلند پکار رہا تھا۔ کہ وہ حکومت کا تابع نہیں ہے بلکہ اس کی اپنی خوبیاں سلطنتوں کو تسخیر کرتی ہیں۔ اور اہل عالم کے دلوں کو مسخر کر لیتی ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ العزیز نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے جو عربی زبان میں تحریر فرمائی ہے۔ ہمارے قول کی تائید کر دی ہے۔ مولینا شبلی نعمانی اپنی کتاب علم الکلام میں فرماتے ہیں۔ کہ "اخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا۔ جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ شاہ صاحب نے علم کلام کے عنوان سے کوئی تصنیف نہیں کی۔ اور اس بنا پر اُن کو متکلمین کے زمرے میں شمار کرنا بظاہر موزوں نہیں۔ لیکن اُن کی کتاب

Marfat.com

حجۃ اللہ البالغہ جس میں انہوں نے شریعت کے حقائق اور اسرار بیان کئے ہیں۔ در حقیقت علمِ کلام کی روحِ رواں ہے۔ . . . . . .

ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ پایہ کے اہلِ علم تھے۔ جو علامہ شبلی سے ان الفاظ میں خراجِ تحسین وصول کرتے ہیں۔ ان کے بعد ان کے تین صاحبزادے علی التواتر مذہبِ اسلام کی خدمت کرتے رہے، مولوی شاہ عبدالعزیزؒ بڑے بیٹے تھے۔ جن کی کتاب فارسی زبان میں ازالۃ الخفا کے نام سے مشہور ہے۔ اور جو آسمانِ علم پر ماہتاب ہو کر چمکے ان کے بعد مولوی شاہ رفیع الدین کا نمبر ہے۔ جو شاہ ولی اللہؒ کے دوسرے بیٹے تھے ۱۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے والدِ ماجد کی آغوشِ عاطفت میں علوم مروجہ حاصل کئے اور حدیث شریف کی سند بھی اُسی صاحبِ کمال کے دستِ شفقت سے حاصل کی۔ علم اور تقویٰ میں اپنے باپ اور بھائی کے قدم بقدم چلے۔ جب بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالعزیز بوجہ کبرسنی و کثرتِ امراض و ضعفِ مزاج دماغی محنت تعلیم و تدریس کے زیادہ متحمل نہ ہو سکے۔ یہ کام شاہ رفیع الدین ہی کے زیادہ تر ذمہ کیا گیا۔

آپ کے اوصاف کا احاطہ کرنا مشکل ہے، کس باپ کے بیٹے اور کس بھائی کے بھائی تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات پر جو قطعہ تاریخ حکیم مومن خاں مومن نے لکھا ہے اس سے ان کے مذہبی تقدس اور علم و فضل کا ایک حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں صرف دو شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔

جانبِ ملکِ عدم تشریف فرما کیوں ہوئے	آگیا تھا کیا کوئی مُردوں سے ایمان پر قتال
دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے	فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و کمال

۱۲۳۹ ہجری

پس شاہ رفیع الدینؒ بھی صاحبِ علم و فضل اور باکمال ہونے کے علاوہ صاحبِ باطن اور مجتہد بھی تھے۔ آپ سے اکثر نظمیں اور کچھ نثر بھی یادگار ہے لیکن سب سے اہم اور بڑا کام کلام مجید کا تحت اللفظ اردو ترجمہ ہے۔ مختصر نمونہ ذیل میں درج ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصنیفات ہیں۔ آخر عمر تک خدمتِ دین میں منہمک رہے۔ اور ستر برس کی

Marfat.com

عمر میں ۱۲۳۳ھ میں انتقال کیا۔ اور اپنے والد بزرگوار کے قریب پائنتی کی طرف دفن ہوئے

ترجمہ شاہ رفیع الدین ؒ :

" اے جماعت جنوں کی اور آدمیوں کی، کیا نہ آئے تھے۔ تمہارے پاس پیغمبر تمہیں میں سے، بیان کرتے تھے۔ اوپر تمہارے نشانیاں میری، اور ڈراتے تھے۔ تم کو ملاقات اس دن تمہارے کی سے، یہ کہا انہوں نے گواہی دی۔ ہم نے اوپر جانوں اپنی کے اور فریب دیا تھا۔ ان کو زندگانی دنیا کی نے اور گواہی دی۔ انہوں نے اوپر جانوں اپنی کے یہ کہ وہ تھے کافر" یہ کلامِ پاک کا ترجمہ ۱۱۹۶ھ کے قریب مرتب کیا گیا تھا۔

محمد عوض زریں

نام محمد عوض اور زریں تخلص ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ آپ نے قصۂ چہار درویش (فارسی) کو مختصر کیا۔ اور اپنے مربّی راجہ رام دین کو دکھایا۔ انہوں نے اردو میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی۔ اور زریں نے انکی فرمائش پر اس کتاب کا ترجمہ کیا۔ چاروں درویشوں کی داستانیں نہایت ہی اختصار کے ساتھ اور اِدھر اُدھر کی حکایتوں کو محذوف کرنے کے بعد ترجمہ کی گئی ہیں۔ طرزِ بیان سیدھا سادہ اور بے تکلف ہے۔ یہاں بطور نمونہ وہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ جس میں زریں نے سببِ تالیف بیان کیا ہے :۔

" اس خاکپائے درویشاں حق بیں محمد عوض زریں نے قصۂ چہار درویش زبانِ فارسی میں ترتیب دیا اور عبارتِ شگفتہ سے گلدستۂ مجالس کیا۔ راجہ صاحب سراپا حلم و تمکیں راجہ رام دین کہ اس عالی منش کے برادر بزرگ خداوندِ عدل و داد راجہ سیتل پرشاد اور برادر میانہ فیاض زمانہ راجہ بھوانی پرشاد وام اللہ اقبالہم ہیں، اس نحیف کی تصنیف مطالعہ فرماتے، اور حظ وافر اٹھاتے ایک روز فرمایا کہ اگر کلام زبانِ ہندی میں انتظام پائے۔ سامع کو بسہولت سرور آئے۔ میں نے خوشنودیِ آقا کو بہبودیِ دنیا و عقبیٰ جان کر

Marfat.com

سررشتۂ ادب کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور زبانِ اُردو میں قلمبند کیا۔"

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

الٰہی رہے وہ سدا کامیاب ۔۔۔ کہ جس کی بدولت بنی یہ کتاب
جوان و جواں بخت و روشن جبیں ۔۔۔ گرامی منش راجۂ رام دین،
ہوئی اُس کی خواہش کہ یہ داستاں ۔۔۔ عباراتِ رنگیں سے ہو گلستاں
بنا کر یہ گلدستۂ روزگار ۔۔۔ لکھی اس کی تاریخ باغ و بہار
جو کوئی کرے سیر یہ گل زمیں ۔۔۔ اُسے دے دعا اور مجھے آفریں

ذیل میں کتاب مذکور سے بطور نمونہ کچھ اقتباس درج کیا جاتا ہے:

"بادشاہ نے فرمایا۔ اے درویشو! میرے باپ نے جب رحلت فرمائی اور سلطنت مجھ پر قرار پائی، ایلچی ہر دیار سے آئے اور سوغات اور تحفہ جات لائے۔ ایک سوداگر نے دانۂ لعل، سات مثقال کی برابر نذر گزرانا۔ میں نے عجائب جانا۔ ہر روز منگواتا سب کو دکھاتا۔ وزیر نے عرض کی۔ سرکار میں جواہر انبار ہے۔ اور خزانہ بے شمار ہے۔ یہ کیا مناسب ہے کہ جہاں پناہ ایک پارۂ سنگ ہر روز طلب فرمائیں۔ اور سب کو دکھائیں۔ نیشاپور میں ایک سوداگر نے کتا پالا ہے۔ جڑاؤ پٹہ ڈالا ہے، اُس کے گلے میں ہر ایک لعل بوزن پانزدہ مثقال ہے۔ مجھ کو غصہ آیا۔ وزیر کو سولی کا حکم فرمایا۔ کہ بار دیگر کوئی جھوٹ نہ بولے اور زبانِ کذب نہ کھولے۔ ایلچی فرنگ حاضر تھا، دست بستہ عرض کی۔ اگلے بادشاہوں نے پنڈت خانہ اسی واسطے بنایا ہے کہ گنہگاروں کو چند روز بند کیجئے اور تحقیقات کے بعد سزا دیجئے۔ تا خون ناحق نہ ہو۔ جہاں پناہ وزیر کو سولی نہ دیں، خونِ ناحق گردن پر نہ لیں۔ راست و دروغ اثبات فرمائیں۔ پھر جو مناسب ہو عمل میں لائیں۔ اُس کی التماس نے مرتبۂ اجابت پایا۔ وزیر کو قید فرمایا۔ اُس کے ایک بیٹی تھی ہوشیار، عاقلۂ روزگار، نازک اندام، شیریں کلام، دولتِ حسن سے مغرور، شرابِ جوانی سے مسرور۔ اُس کی ماں سر پیٹتی۔ کہا اے بیٹی اگر تیری جگہ پر اندھا ایک بیٹا ہوتا، کام آتا۔ نیشاپور کو جاتا، باپ کو چھڑاتا۔ اُس نے کہا۔ اے مادر نوحہ نہ کر، مبادا بادشاہ خبر پائے اعتراض

Marfat.com

فرمائے۔ خدا کارساز اور غریب نواز ہے۔ پھر خفیہ خانساماں کو بُلایا، آہستہ فرمایا مجھ کو نیشاپور ضرور جانا، سوداگر کی خبر لانا۔ جس قدر چاہے خزانہ سے لے۔ اسبابِ تجارت کو سرانجام دے۔ وہ دُور اندیش عذر در پیش لایا، پذیرا نہ فرمایا۔ فرمانبردار نے مبلغ خطیر لئے، تحفجات فراہم کئے۔ نصف شب کو دختر لباس مردانہ پہن کر طیار ہوئی۔ اور گھوڑے پر سوار ہوئی۔ خانساماں کو مع جمیع سامان ہمراہ لیا۔ اور بشکل سوداگر کوچ کیا۔ ماں نے خبر پائی، حیرت میں آئی۔ اس بات کو چھپایا۔ خیل خدم سے فرمایا، کمبخت کو جانے دو، اُس کا نام نہ لو۔ اگر کوئی اُس کا ذکر درمیان لائے گا، سزا پائے گا۔ صاحبِ شعور جاتے جاتے داخلِ نیشاپور ہوئی۔ دوسرے روز مردانہ وار گھوڑے پر سوار بصد زیبائی بازار کی طرف آئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

"کیا دیکھا ایک سوداگر مالدار عمدہ روزگار کئی خادم شائستہ روبرو کمر بستہ دکان عالی شان پر بیٹھا ہے۔ اور طرفِ راست ایک دکان میں قالین بچھی، صندلی پر گدّی کسی کتا آرام سے سوتا ہے۔ جواہرات گراں بہا گلے میں پڑے، دو غلام سر پر کھڑے ایک رومال سے منہ پاک کرتا۔ دوسرا مکھی جھلتا ہے۔ طرفِ چپ ایک مکان میں دو آدمی گرفتار پنجرۂ آہنی میں نظر آئے۔ اور دو جوان موکل۔ پائے حیرت میں رہی۔ لاحول کہی سوداگر نے اُسے دیکھ کر غش کیا، مشتاقانہ پیغام دیا۔ کہ ایک ساعت ادھر تشریف لائیے اور سرفراز فرمائیے۔ اُس عاقلہ نے کام کی برآمد پائی۔ فوراً گھوڑے سے اُتر آئی۔ سوداگر نے تعظیم دی اور تکریم کی، پوچھا کیوں کر آئے، کہاں سے تشریف لائے۔ کہا میری زاد بوم روم اور اُس شخص کا باپ سوداگر ہے۔ پیر مُنحنی مالِ دنیا سے غنی نے ایک بار اسباب تجارت مجھ کو دیا۔ اور امتحان سلیقہ کیا۔ الحمد للہ اس سفر میں منفعت کلی اُٹھائی۔ کہ صحبت تم سے بزرگ کی میسر آئی۔ سوداگر نے کہا۔ بندہ بھی یہی کاروبار فی الجملہ اعتبار رکھتا ہے۔ اگر غریب خانہ میں شفقت فرماؤ۔ خرید و فروخت میں البتہ بہت فائدہ اُٹھاؤ۔ پہلے روئے عیاری سے حیلہ لیا۔ پھر قبول کیا۔ خانساماں کو فرمایا۔ بار اُٹھا لایا۔ سوداگر نے مقام دلچسپ پایا۔ کھانا طلب کیا۔ پہلے قاب پلاؤ سے بھری۔ کتے کے آگے دھری

Marfat.com

س نے بقدر اشتہا نوش کیا - اور لگن سے پانی پیا - وہی پلاؤ قیدیوں کو بزدر کھلایا -
در وہی جھوٹا پانی پلایا - وزیرزادی نے کہا - اے سراپا دانائی - اِن سے کیا تقصیر ظہور میں
ئی - کہ کُتے کا جھوٹا کھلاتے ہیں کہا - اے فرزند مَیں نے بہت تاوان دیا - یہ راز فاش نہ کیا
ر بھی درگزر - اس کا ذکر نہ کر - اُس عاقلہ کو نظر اپنے کام پر آئی - تکرار درمیان نہ لائی - اور
باتفاق سوداگر کھانا کھایا - دو مہینے تک یہی ، غیر مرضی ایک بات نہ کہی - سوداگر اس
ندر مفتوں ہوا - کہ وہ اگر ایک ساعت کہیں جائے بے رنج کھائے - ایک روز کہا - اے
ورِ چشم خدا نے مجھے فرزند نہیں دیا ہے - مَیں نے تجھ کو فرزندی میں لیا ہے - چنانچہ مجلس
ترتیب دی - اور ہر ایک کی دعوت کی - وزیرزادی نے جو دیکھا - کہ یہ مرغِ زیرک خوب
دامِ اُلفت میں گرفتار - اور فرمانبردار رہا - ایک دن ملول ہو کر آئی ، آنسو بہائی -
سوداگر نے موجبِ ملال پوچھا ، کہا کیا عرض کروں - آپ کی اُلفت زنجیرِ پا اور خدمت والد
خوشنودیِ خدا ہے - اگر نہیں جاتا ہوں ، خجلت اُٹھاتا ہوں - کہا اگر مرضی ہو - آدمی معتمد
مع سواری جائیں اور خرچ لے جائیں - بہ آرام تمام لائیں - اُس نے کہا عالم کہے گا -
ناخلف تھا - وطن ترک کیا - باپ کو رنجِ سفر دیا - اگر آپ ارادہ کریں - عہد کرتا ہوں -
تا زندگی بندگی بجا لاؤں - اور حکم سے باہر نہ آؤں - کہا اے برخوردار تیری خوشی درکار
ہے - چند روز کے بعد کوچ کیا - اپنا مال سب ساتھ لیا - وزیرزادی منزل بمنزل
طے کر کے اپنی ولایت میں آئی - اور سگ پرست کو ہمراہ لائی - ایک باغ میں ڈیرا
کیا ، خفیہ جا کر ماں کو مژدہ دیا کہ دو روز اور مہلت پاؤں تو باپ کو چھڑاؤں - ماں
نے خوشی کی اور رخصت دی - تاجر کا آنا مشہور ہوا - اور شاہزادہ خانہ مذکور دوا - ایک
سوداگر سگ پرست کہلاتا ہے - اور کُتے کا جھوٹا آدمیوں کو کھلاتا ہے - بادشاہ
نے پائی اشارت فرمائی کہ بے طریق ہے - لوٹ لیں اور سزا دیں - وزیرزادی ایلچی کی جس نے
دختر کو سولی سے بچایا تھا - آداب بجا لایا کہا قولِ وزیرزادی ... آیا - جہاں پناہ پہلے
حضور میں بلائیں پھر یہ فرمائیں - اس نے حکم کیا - اُسی وقت سگ اور سگ پرست
کو مع پنجرہ آہنی حضور میں لائے - بادشاہ نے بچشم ملاحظہ فرمائے -

Marfat.com

ڈاکٹر جان گلکرائسٹ

یہ عجیب بات ہے۔ کہ فارسی جو مسلمان فاتحوں کی چہیتی زبان تھی۔ ان کے دورِ سلطنت میں سرکاری دفاتر میں ایک ہندو راجہ ٹوڈرمل کی کوشش سے داخل ہوئی اور دوسرے دور میں یعنی مسلمانوں کے عہدِ تنزل میں اردو نے ایک انگریز کی وساطت سے دربار سرکار میں رسائی پائی وہ کون؟ "ڈاکٹر جان گلکرائسٹ" جس نے اس وقت کے قابل قابل لوگ بہم پہنچائے اور مختلف کتابیں لکھوانی شروع کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو نثر کا لکھنا اسی وقت سے شروع ہوا۔ اور یہ کہنا بیجا نہیں ہے۔ کہ نظم اردو پر جو احسان ولی نے کیا۔ اس سے زیادہ نثر اردو پر جان گلکرائسٹ نے کیا ہے، کیونکہ اس نے نہ صرف زبانِ اردو کی قواعد اور لغت تحریر کی بلکہ اور لوگوں سے بھی مختلف کتابیں لکھوائیں۔ ہم نے اس محسنِ اردو کو مصنفینِ اردو میں شمار کیا ہے۔

آپ کی تالیفات کا سلسلہ ۱۷۸۷ء سے شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے اردو زبان پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے حسب ذیل زیادہ مشہور ہیں:

(۱) انگریزی ہندوستانی لغت کلکتہ ۱۷۸۷ء – ۱۷۹۰ء۔

(۲) ہندوستانی علم اللسان جس میں انگریزی، ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی کی فرہنگ ہے۔ اور شروع میں صرف و نحو پر مقدمہ بھی ہے۔ جو دوسرے ایڈیشن میں مع اضافہ و ترمیم شائع ہوا۔ اڈنبرا ۱۸۱۰ء

(۳) ہندوستانی کی صرف و نحو کلکتہ ۱۷۹۶ء

(۴) مشرقی زباندان یعنی ہندوستان کی مقبول زبان کا آسان مقدمہ، جس میں زبان کے ابتدائی مسائل اور انگریزی ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی لغت بھی شامل ہے۔ کلکتہ ۱۷۹۸ء

Marfat.com

(۵) کتاب مذکورۂ بالا کا اضافہ بعض اضافوں کے ساتھ کلکتہ ۱۸۰۰ء

(۶) فارسی فعل کا جدید نظریہ مع ہندوستانی مترادفات کے۔ کلکتہ ۱۸۰۱ء

(۷) ہندوستان کی سب سے بڑی اور مقبول زبان ہندوستانی کا رہنما (اجنبیوں کے لئے) کلکتہ ۱۸۰۲ء

(۸) اتالیق ہندی یعنی فارسی طلباء کے لیے ہندوستانی کی تحصیل کا آسان رستہ یہ کتاب کالج کے شعبۂ ہندوستانی کے علما نے ڈاکٹر گلکرائسٹ کی ہدایت ونگرانی میں ترجمہ اور مرتب کی۔ کلکتہ ۱۸۰۳ء

(۹) ہندی عربی آئینہ۔ یعنی ایسے عربی الفاظ کی جدولیں جن کا ہندوستانی زبان سے خاص تعلق ہے۔ کلکتہ ۱۸۰۴ء

(۱۰) مکالمہ (انگریزی و ہندوستانی) یہ کتاب یورپینوں کے لئے تھی تاکہ عام مضامین پر بول چال میں انہیں مہارت حاصل ہو اور وہ ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔ لندن ۱۸۰۲ء

(۱۱) قصصِ مشرقی۔ اس میں حکایات لقمان اور قدیم حکایات و قصص کا ترجمہ انگریزی سے ہندوستانی اور فارسی وغیرہ میں کیا گیا ہے۔ کلکتہ ۱۸۰۳ء وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب نے انیسویں صدی کے شروع میں بمقام فورٹ ولیم کلکتہ اردو کا ایک محکمہ قائم کیا جس کا ابتدائی اور اصلی مقصد یہ تھا۔ کہ جو انگریز یہاں ملازمت اختیار کرتے ہیں۔ ان کی تعلیم کے لئے اردو کی مناسب اور مفید کتابیں تالیف کرائی جائیں چنانچہ ڈاکٹر صاحب ہی کی اس دلچسپی کا یہ نتیجہ تھا کہ اردو میں بہت سی کتابیں تالیف یا ترجمہ ہوئیں اور ڈاکٹر صاحب ہی کے اہتمام سے چھپیں۔

خدا کرے کہ شجرِ اردو جس کی آبپاشی سوا سو برس ہوئے۔ ڈاکٹر جان گلکرائسٹ نے کی تھی۔ خوب پھولے اور پھلے اور ہزار ہا سال کے آیندہ زمانہ میں اس کی شاخیں اقصائے عالم میں پھیلیں اور اردو زبان نہ صرف ہندوستان کی۔ بلکہ تمام عالم کی لنگوا فرنکا ہو جائے ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

Marfat.com

سیّد حیدر بخش حیدری

سیّد حیدر بخش، حیدری تخلص تھا۔ آپ کے والد کا نام سیّد ابوالحسن تھا۔ آباؤ اجداد نجفِ اشرف سے ہندوستان آئے۔ اور دہلی میں سکونت اختیار کی جب حیدری کے والدِ ماجد کو گردشِ زمانہ نے پریشان کیا۔ تو وہ لالہ سکھدیو رائے کے ہمراہ دہلی سے نکلے۔ اور بنارس کا رستہ لیا۔ حیدری کا زمانۂ طفولیت تھا۔ اور بنارس میں اُنکی تعلیم کا انتظام اُس زمانہ میں مشکل تھا۔ لیکن حُسنِ اتفاق سے نواب علی ابراہیم خاں خلیل لارڈ ہسٹینگز کے عہد میں بنارس کے ناظم عدالت مقرر ہوئے اور حیدری نے اُن سے فارسی زبان پڑھنی شروع کردی، نیز دیگر علوم متعارفہ میں بھی مہارت بہم پہنچائی۔ قاضی عبدالرشید نامی ایک عالم سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور بہت جلد عربی فارسی ادب پر اُن کو عبور ہوگیا علاوہ ازیں مولوی غلام حسین غازی پوری سے مذہبی علوم یعنی حدیث، فقہ، تفسیر و سیر کی تعلیم پائی۔ بعد تحصیلِ علم آپ نواب علی ابراہیم خاں خلیل کی عدالت میں کسی خدمت پر مامور ہو گئے تھے لیکن اٹھارھویں صدی عیسوی کے اواخر ایام میں کلکتہ پہنچکر فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہو گئے۔ تقریب سفر کے طور پر ایک کتاب "قصّہ مہر و ماہ" کے نام سے مرتب کی، اور ڈاکٹر گلکرائسٹ کے ملاحظہ کے لیئے پیش کی۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ کتاب بلحاظ مضامین و خوبیٔ بیان بے حد پسند آئی۔ اور سیّد حیدر بخش کو مصنفینِ کالج کے زمرہ میں شامل کر لیا گیا۔ کچھ عرصہ تک یہ کالج میں رہے۔ اور تصنیف و تالیف کے کام میں معروف رہے کہا جاتا ہے۔ کہ سنہ ۱۲۰۹ھ میں وہ بنارس میں تھے۔ ممکن ہے کہ اِس زمانہ سے بہت قبل کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے ہوں۔ اور بنارس چلے آئے ہوں جس کو اب وہ بمنزلہ وطن سمجھتے ہونگے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے منشی غلام حیدر کی زبانی جو حیدر بخش کے دوست تھے۔ اور فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھے۔ حیدری کا سنہ وفات سنہ ۱۸۲۳ء قرار دیا ہے۔ نہیں کہا

Marfat.com

جاسکتا۔ کہ یہ کہاں تک درست ہے؟۔ آپ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قصۂ مہر و ماہ۔ اوائل ۱۲۱۴ھ میں لکھی جس کی بدولت ڈاکٹر گلکرائسٹ نے شعبۂ تصنیف و تالیف میں ملازم رکھ لیا۔

(۲) قصۂ لیلیٰ مجنوں۔ یہ حضرت امیر خسرو کی فارسی مثنوی لیلیٰ مجنوں کا اردو ترجمہ ہے۔ جو ۱۲۱۴ھ میں تکمیل کو پہنچا۔

(۳) طوطا کہانی۔ سنسکرت زبان کی ایک پرانی کتاب "شکا سب تتی" ہے۔ جس کے معنی "طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں" ہیں۔ اس کو سب سے پہلے مولانا ضیاء الدین بخشی نے ۷۳۰ھ مطابق ۱۳۳۰ء میں فارسی میں منتقل کیا تھا۔ مگر ستر قصوں کی بجائے صرف باون ۵۲ قصے منتخب کر کے ترجمہ کئے تھے۔ اس فارسی ترجمہ کا نام طوطی نامہ تھا۔ ملا سید محمد قادری نے طوطی نامہ کا فارسی میں ایک اور خلاصہ تحریر کیا اور حیدری نے اس خلاصہ کا ترجمہ اردو میں کیا۔ جو ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء میں طوطا کہانی کے نام سے موسوم کیا گیا۔

(۴) آرائش محفل۔ سید حیدری نے ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں ایک فارسی قصہ کو سلیس اردو کا جامہ پہنانا شروع کیا۔ جس کا نام آرائش محفل رکھا گیا۔ شاید یہ خیال کیا جائے۔ کہ یہ کتاب اس فارسی قصہ کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ بقول مؤلف "اکثر اس میں اپنی طبیعت سے جہاں موقع پایا اور زیادہ کیا۔ تا کہ قصہ طولانی ہو جائے۔ اور سننے والے کو خوش آئے"۔ جب یہ کتاب درجۂ تکمیل کو پہنچی ۔ تو مصنف نے ایک قطعۂ تاریخ بھی کہا۔ جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔ وہو ہذا:۔

اس قصۂ پر لطف کے اتمام کی تاریخ ... میں دل میں یہ سمجھتا تھا نہایت ہی ہے مشکل
کر دو سر یاس کہا پیر خرد نے ... کیونکر نہ کہیں ہم اسے آرائش محفل

(۵) ہفت پیکر:۔ حضرت نظامی گنجوی کی مشہور فارسی مثنوی ہفت پیکر کی تقلید میں اسی نام کی ایک مثنوی حیدری نے بھی لکھی تھی۔ جو ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں تمام ہوئی۔ مرزا کاظم علی جوان کے اس مصرع سے

Marfat.com

"جانِ تازہ ہفت پیکر یہ ہوئی"
تاریخ تصنیف برآمد ہوتی ہے۔ لیکن یہ مثنوی شائع نہیں ہوئی۔ سُنا جاتا ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ شاہانِ اودھ کے کتب خانہ میں موجود تھا۔

(۶) تاریخ نادری۔ یہ کتاب نادر شاہ کے خروج سے اُس کی وفات ۱۱۶۰ھ تک کے مفصل حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ محمد مہدی ابن محمد نصیر استرآبادی کی تصنیف ہے مصنف نہ صرف نادر شاہ کا ہمعصر بلکہ اُس کا ملازم اور مقرب رہ چکا تھا۔ اس کا اصلی نام "تاریخ جہاں کشائے نادری" ہے۔ مگر عام طور پر یہ کتاب تاریخ نادری ہی کے نام سے مشہور ہے۔ حیدری نے اس کتاب کا اردو ترجمہ ۱۲۲۵ھ میں تمام کیا۔ لیکن اس ترجمہ کی اشاعت و طباعت کی نوبت نہیں آئی۔

(۷) گلِ مغفرت۔ ملا حسین واعظ نے شہدائے اسلام کے حالات پر ایک کتاب روضۃ الشہدا تصنیف کی تھی۔ حیدری نے "گلشن شہیداں" کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا بعد ازاں گلِ مغفرت کے نام سے ایک انتخاب مرتب کیا اور اپنی طرف سے اُس میں جا بجا نظم و نثر کے اضافے بھی کئے۔ ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء میں یہ کتاب کلکتہ سے شائع ہوئی اور محبانِ اہلِ بیت نے ہاتھوں ہاتھ لی۔ فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ ۱۸۴۵ء میں ایک شخص برٹ رانیڈ BERTRIAND نامی نے پیرس سے شائع کیا تھا۔"

(۸) گلزارِ دانش۔ یہ کتاب شیخ عنایت اللہ کی مشہور فارسی کتاب "بہارِ دانش" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں جہاندار شاہ اور بہرہ ور بانو کے عشق اور جہاندار شاہ کی مہموں اور لڑائیوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مرزا جان طپش نے مثنوی سحر البیان کی طرز پر اس قصہ کو منظوم بھی کر دیا ہے۔

(۹) گلدستۂ حیدری۔ اس کتاب میں حیدری کے متفرق مضامین، دیباچے اور نظمیں یکجا کر دی گئیں ہیں۔ اس کے پانچ حصے ہیں (۱) مجموعۂ مراثی (۲) مجموعۂ حکایات (۳) قصۂ مہر و ماہ کا دیباچہ (۴) قصۂ لیلیٰ مجنوں (۵) دیوانِ غزلیات۔ جس میں غزلوں کے علاوہ قطعات اور دیگر متفرق نظمیں بھی شامل ہیں۔

Marfat.com

(۱۰) گلشن ہند۔ حیدری نے اِس نام سے اُردو شعراء کا ایک تذکرہ لکھا تھا۔ لطف یہ ہے۔ کہ مرزا علی لطف اور حیدری نے اپنے تذکرہ کا نام گلشن ہند رکھا ہے۔ اور دونوں تقریباً ایک ہی زمانے میں تالیف ہوئے ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ ایک دو سال کا فرق ہو۔ لیکن اس سے زیادہ فرق نہیں ہے۔ حیدری نے سببِ تالیف یہ بیان کیا ہے۔ کہ جب میں کشتی میں سوار ہو کر بنارس سے ۱۲ رجب ۱۲۱۴ھ کو مرشد آباد اور وہاں سے کلکتے جانے کا قصد رکھتا تھا۔ رستے میں غازی پور کے قریب میرے ایک قدیم دوست مرزا محمد علی دہلوی مل گئے۔ وہ شاعری کا اچھا مذاق رکھتے تھے۔ اور سفر میں بھی اُن کے ہمراہ شعرائے اُردو کے چند دیوان تھے۔ انہوں نے مجھ سے باصرار تمام کہا۔ کہ میں ایک تذکرۃ الشعراء لکھوں۔ اور جس قدر دیوان اُن کے پاس موجود تھے۔ میرے حوالے کر دیئے۔ چنانچہ میں نے اُن کی تحریص و ترغیب سے یہ تذکرہ لکھا۔ اس کی تاریخ تالیف ۱۲۱۴ھ ہے اور کتاب کے آخر میں یہ قطعۂ تاریخی درج ہے

مرتب کر چکا جب تذکرہ میں　　زِ روئے حق یہ بولے شیخ اور رند
کہی تاریخ اِس کی حیدری خوب　　اِسے کہتا ہے ہر یک گلشن ہند

۱۲۰۶ + ۸ = ۱۲۱۴ ہجری

اب ہم حیدری کی بعض کتابوں سے چند اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو خود اندازہ ہو سکے۔ کہ سید حیدری کیسے نثر نگار تھے۔

انتخاب از طوطا کہانی

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی شہر میں چار یار مالدار تھے۔ اتفاقاً وہ چاروں مفلس ہو کر ایک حکیم کے پاس گئے۔ اور ہر ایک نے اپنا اپنا احوال اس کے آگے ظاہر کیا۔ حکیم کو ان کے اوپر رحم آیا۔ اور ایک ایک مہرہ حکمت کا ان چاروں کو دے کر کہا۔ کہ یہ مہرہ ہر ایک اپنے اپنے سر پر رکھو اور چلے جاؤ جس کے سر کا مہرہ جس جگہ گرے وہ اس جگہ کو کھودے۔ جو مال وہاں سے نکلے وہ اس کا حق ہے۔ آخر وہ چاروں ہر ایک مہرا اپنے سر پر رکھ کر ایک طرف کو چلے۔ جب کتنی کوس گئے۔ ایک کے سر کا مہرا گرا۔ اُس نے اس جگہ کو کھودا۔ تو تانبا نکلا۔ اُس نے ان تینوں سے کہا۔ کہ میں اس تانبے

Marfat.com

کو سونے سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اگر تمہارا جی چاہے۔ تو میرے ساتھ یہاں رہو۔ انہوں نے کہنا اس کا نہ مانا۔ اور آگے بڑھے۔ تھوڑی دُور گئے تھے۔ کہ وہ دوسرے کے سر کا مہرا گرا۔ اس نے جو زمین کھودی۔ تو روپیہ نکلا۔ تب اِس نے اِن دونوں سے کہا۔ کہ تم ہمارے پاس رہو۔ یہ روپیا بہت ہے، زندگی گزر جائے گی۔ اس کو اپنا ہی سمجھو۔ انہوں نے اِس کا کہنا نہ مانا اور آگے بڑھے۔ کہ تیسرے کے سر کا مہرا گرا۔ اور اس نے بھی وہ زمین کھودی تو سونا نکلا۔ تب خوش ہو کر چوتھے سے کہنے لگا۔ کہ اس سے اب کوئی چیز بہتر نہیں جانتے ہیں۔ کہ اب ہم تم یہیں رہیں۔ اس نے کہا۔ کہ مَیں اگر جاؤں گا۔ تو جواہر کی کان پاؤں گا۔ یہاں کیا رہوں۔ یہ کہہ کر آگے چلا۔ قریب ایک کوس کے پہنچا۔ تب اس کا بھی مہرا گرا۔ اسی طرح جو اس نے جگہ کھودی۔ تو لوہا نکلا۔ یہ حالت دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا۔ اور اپنے جی میں کہنے لگا۔ کہ مَیں نے کیوں سونے کو چھوڑا۔ اور اپنے یار کا کہنا نہ مانا۔ سچ ہے ؎

فرد سخن دوست کا جو نہیں مانتے وہ خاکِ پشیمانی ہیں چھانتے"

انتخاب از آرائشِ محفل

پہلا قصہ ۔ "سنا ہے کہ خراسان کے ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ کہ لاکھوں سوار و پیادے اُس کے جلوس میں ہمیشہ ساتھ رہا کرتے تھے۔ اور عدل و انصاف میں ایسا تھا۔ کہ شیر و بکری کو ایک گھاٹ پر پانی پلاتا تھا۔ بلکہ اپنے بیٹے کا بھی پاس نہ کرتا تھا۔ اُس کے وقت میں برزخ سوداگر نہایت مالدار تھا۔ اپنے گماشتوں کو ہر ایک ملک میں سوداگری کا مال و اسباب دے کر بھیجا کرتا تھا۔ اور آپ اُس ملک میں دلجمعی سے رہتا تھا۔ بادشاہ سے بھی اُس نے بہت سی رسوخیت بہم پہنچائی تھی۔ اور بادشاہ کی بھی اُس پر کمال مہربانی تھی۔ ایک مدت بعد قریب المرگ پہنچا۔ اس کی زندگی کا پیالہ بھرنے لگا۔ وہ حُسن بانو کے سوا بیٹا بیٹی کوئی نہ رکھتا تھا، چنانچہ وہ مال اُسی لڑکی کو ملا۔ اُس وقت وہ بارہ برس کی تھی، آخر اس کو اُس نے اپنے گھر کا وارث کیا۔ اور اس کو بادشاہ کے سپرد کر کے آپ ملکِ عدم کا رستہ لیا۔ بادشاہ نے اُس کو بھی اپنی لڑکیوں کی طرح رکھا۔ اور اُس کے

Marfat.com

زر و جواہر کا کچھ لالچ نہ کیا۔ بلکہ وہ سب اسباب اُس کو سونپا۔ چند روز بعد جب وہ لڑکی شعور دار ہوئی۔ تو اپنے ذہن کی رسائی اور نیک بختی کے باعث سے دائی سے کہا۔ کہ اے مادرِ مہربان دُنیا مانندِ حباب ہے، اُس کا مٹنا کچھ بڑی بات نہیں۔ اس قدر دولت کو تنہا لے کر مَیں کیا کروں گی۔ مصلحت یہی ہے۔ کہ اس کو خدا کی راہ میں لٹادوں اور آپ کو آرائش دُنیا سے پاک رکھوں۔ اور شادی نہ کروں۔ بلکہ یادِ خدا میں مصروف رہوں، اس واسطے تم سے پوچھتی ہوں۔ کہ اس سے کس طرح چھٹکارا پاؤں۔ جو مناسب جانو کہو۔ دائی نے کہا۔ اے جانِ پدر تو ان سات سوالوں کا اشتہار لکھ کر دروازہ پر چپکا دے۔ اور یہ کہہ کر جو کوئی میرے ساتوں سوال پورے کریگا مَیں اُس کو قبول کروں گی۔ اور وہ سوال یہ ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کیا ہے۔ جو ایک بار دیکھا دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ تیسرا سوال یہ ہے۔ کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائیگا چوتھا سوال یہ ہے کہ سچ کہنے والے کو ہمیشہ راحت ہے۔ پانچواں سوال یہ ہے۔ کہ کوہ ندا کی خبر لاوے۔ چھٹا سوال یہ ہے۔ کہ وہ موتی جو مرغابی کے انڈے کی برابر بالفعل موجود ہے اس کی جوڑی پیدا کرے۔ ساتواں سوال یہ ہے کہ حمام بادگرد کی خبر لادے۔ حُسن بانو نے دائی کی اس بات کو پسند کیا۔ اور خوش ہو کر دل میں کہا۔ وہ ایسا کون ہے۔ جو ان ساتوں سوالوں کو بہم پہنچائے گا۔ اسی گمان پر وہ ہر وقت روزہ نماز میں مشغول رہتی۔ ایک روز کوٹھے پر سے بازار کا تماشا دیکھ رہی تھی کہ اتنے میں ایک فقیر بزرگ صورت مع چالیس خادموں کے اِس کی طرف گزرا۔ وہ پاؤں زمین پر نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس کے ساتھی سونے چاندی کی اینٹیں رکھتے اور وہ ان پر قدم رکھتا چلا جاتا تھا۔ حُسن بانو نے یہ حال دیکھ کر دائی سے کہا۔ کہ اے مادر یہ فقیر بڑا صاحب کمال معلوم ہوتا ہے، جو اس شان و شوکت سے راہ چلتا ہے۔ اُس نے کہا۔ یہ بادشاہ کا پیر ہے۔ ہر مہینہ میں بادشاہ دو چار بار اس کے پاس جاتا ہے۔ اور کبھی یہ بھی بادشاہ کے پاس آتا ہے۔ اس کی برابر دنیا میں کوئی درویش نہیں کیونکہ یہ نہایت پرہیزگار ہے۔ حُسن بانو نے کہا۔ کہ تم پروانگی دو۔ کہ مَیں اس فقیر کی مہمانی کروں۔ اور گھڑی دو گھڑی بلا کر تکلیف دوں۔ اور اپنی آنکھیں اُس کے قدموں پر ملوں دائی

Marfat.com

نے کہا۔ یہ کام تو شوق سے کر۔ مثل مشہور ہے۔ آنکھوں سُکھ کلیجہ ٹھنڈک۔ غرض اُس نے اُس فقیر سے کہلا بھیجا۔ کہ کسی دن میرے۔ اِس غریب خانہ کو اپنے قدم مُبارک سے روشن کرو۔ تو یہ کمترین دونوں جہان کی دولت حاصل کرے۔ اور اپنے دامنِ مراد کو گوہرِ مقصود سے بھرے، غرض ایک شخص نے اُس فقیر سے جا کر کہا۔ کہ بزرگوں کو لازم ہے۔ کہ خوردوں پر مہربانی کر کے اُن کے دامنِ تمنّا کو گُلِ مراد سے بھریں۔ یہ اُس نے قبول کیا۔ اور کہا ضرور آؤنگا کیونکہ یہ سنتِ نبوی ہے۔ جو اس سے پھرے۔ وہ قعرِ جہنّم میں گرے، مگر آج مجھے کام ہے کل ضرور آؤنگا۔ یہ خبر حُسن بانو کو پہنچی۔ کہ کل دو چار گھڑی دن چڑھے شاہ صاحب مع چالیسوں آدمیوں کے رونق افزا ہونگے۔ یہ سنکر اُس نے ہر قسم کے کھانے پکواتے۔ اور کئی خوان میوے اور مٹھائی کے تیار کیئے اور کئی کشتیاں زر و جواہر کی بھی شاہ صاحب کی نذر کے لیئے رکھیں، اس اُمید پر کہ کل شاہ صاحب آئیں گے۔ تو ان کی نذر یہ کروں گی۔ اِسی انتظار میں تھی۔ کہ صبح کو وہ درویش مع چالیس فقیروں کے سونے چاندی کی اینٹوں پر قدم رکھتا ہوا حُسن بانو کے گھر تک آیا۔

کروں وصف اُس کا میں اب تجھ سے کیا — وہ ظاہر میں انسان تھا مسخرا
جو باطن پہ اُس کے کروں میں نظر — تو شیطاں سے بھی ہے وہ ابلیس تر
نہ بالے کا خطرہ نہ بوڑھے کا غم، — وہ ہے قتل کرنے میں تیغِ دو دم

اور حُسن بانو نے دروازہ سے نشست گاہ تک زریں فرش بچھوا رکھا تھا۔ وہ اُس کو روندتا ہوا مسندِ شاہانہ پر آ بیٹھا، خواجہ سرا زر و جواہر کی کشتیاں روبرو لائے۔ اُس نے قبول نہ کیا۔ اور کہا۔ یہ اسباب میرے کس کام کا ہے۔ اِس کے بعد ایک دسترخوان لطیف اور پاکیزہ بچھا کر اُس پر سونے چاندی کے خوان ... سے بھرے ہوئے رکھے، اُس میں ہر قسم کے کھانے بھی تھے اور فرش شاہانہ بچھا تھا۔ اور پردے زربفت کے کلابتوں کی ڈوریوں سے دروں پہ بندھے تھے۔ اور ایک نگیرہ الماس کا اُس کے آگے جھمجھما رہا تھا اور خود بھی لباس زرّیں پہنے، سونے چاندی کی چلمچی آفتابہ لائے اور ہاتھ دھلوا کر باادب کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے۔ کہ ہماری بی بی اِس بات کی آرزو مند ہے۔ کہ خداوند کچھ تناول

Marfat.com

کریں۔ یہ بات سُن کر وُہ مکار کھانا کھانے لگا۔ اور سونے چاندی کے اسباب کو بھانپنے لگا اور پھر تو اپنے جی میں کہتا تھا۔ کہ برزخ سوداگر بڑا مالدار تھا۔ جو اتنا اسباب بادشاہوں کی طرح چھوڑ گیا۔ آج ہی رات کو یہ سب اپنے گھر لے جانا چاہیئے۔ اسی سوچ میں اُس ملعون نے تھوڑا بہت کھانا زہر مار کر کے ہاتھ کھینچا۔ پھر خواص جڑاؤ عطردان لائے اُس نے وہ عطر اپنی ڈاڑھی اور پوشاک میں ملا۔ اور ظروف بینا کار کو تکا۔ اور حسن بانو کو دعائیں دیکر رخصت ہوا۔ حسن بانو کے نوکر اُس کی ضیافت کے کاروبار میں تھک کر رات کو بے اختیار ہو کر سو رہے۔ نہ انہوں نے کوٹھوں کے دروازے بند کئے۔ نہ زر و جواہر کو ٹھکانے سے رکھا۔ پہر رات گئے وہ ڈکیت انسان صورت شیطان خصلت اپنے چالیسوں چوروں کے ساتھ اُس کی حویلی میں آیا۔ اور تمام زر و جواہر غارت کرنے لگا۔ اس عرصہ میں تھوڑے لوگ جاگ اُٹھے۔ وہ ان ظالموں کے ہاتھ سے زخمی ہوئے اور کچھ مارے گئے۔ حُسن بانو کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔ اور سب کو پہچان کر کہہ رہی تھی۔ لہ افسوس یہ موا تو وہی خانہ خراب فقیر اور اُس کے ساتھی ہیں۔ اس کا علاج کوئی کیا کرے غرض رات اسی پچھتاوے میں کاٹی۔ صبح کو مُردوں اور زخمیوں کو چارپائی پر ڈال کر بادشاہ کے حضور میں لے گئی۔ اور فریادیوں کی طرح باواز بلند دہائی دے کر کہنے لگی۔ کہ میں لُٹ گئی۔ بادشاہ نے پوچھا کون ہے۔ اور کس کے ظلم سے اتنی بیقرار ہے۔ خبرداروں نے عرض کی، برزخ سوداگر کی لڑکی چارپائیوں پر کئی زخمی اور مُردے لائی ہے۔ اور رو رو کر عرض کرتی ہے کہ اگر جہاں پناہ نزدیک بلائیں۔ تو یہ لونڈی کچھ حال اپنی واردات کا حضور میں بیان کرے یہ سُن کر بادشاہ نے نزدیک بُلا کر پُوچھا۔ اُس نے دعا دے کر کہا۔ عمر و دولت خداوند کی بڑھے اور مہر انصاف سپہر ہستی پر تا قیامت جلوہ گر رہے۔ کل دن کو لونڈی نے فقیر کی دعوت کی تھی اُس نے یہ غضب مجھ پر کیا۔ کہ پہر رات گئے اپنے چالیسوں ساتھیوں سمیت آ کر میرے گھر کو لوٹا۔ دس بیس کو زخمی کیا اور چار کو مار ڈالا۔ اور گیارہ بارہ لاکھ روپے کا زر و جواہر لے گیا۔ خدا اُس کا منہ کالا کرے۔ کہ اتنا ظلم و ستم اُس نے مجھ پر کیا۔ یہ سُن کر بادشاہ غصہ ہو کر کہنے لگا۔ اے بیوقوف تجھے کچھ بھی شد [illegible] کو تہمت لگاتی ہے۔ وہ

تمام جہان کی چیزوں سے نفرت رکھتا ہے۔ حسن بانو نے پھر کہا۔ کہ اے حضرت ایسے کافر کو ولی نہ کہئے، یہ تو شیطان سے بھی زیادہ ہے۔ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں سے

اُس کو کس طرح سے کہیں انساں ہے یہ ملعون زادۂ شیطان "

اس بات کو سن کر وہ اور بھی غضبناک ہوا۔ اور تاؤ پیچ کھا کر کہنے لگا۔ کہ ارے کوئی ہے۔ جو اس کمبخت لڑکی کو میرے سامنے ہی سنگسار کرے کہ یہ اپنی سزا کو پہنچے تاکہ اوروں کو عبرت ہو۔ اور پھر کوئی یہ حرکت نہ کرے۔ کہ ایسے بزرگ کو یہ بات کہے۔ اتنے میں ایک وزیر نیک خو اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور پایۂ تخت شاہی چوم کر عرض کرنے لگا۔ کہ جہاں پناہ! یہ وہی برزخ سوداگر کی بیٹی ہے۔ کہ جس کے سر پر حضور دستِ شفقت اُس کے باپ کی زندگی میں پھیرتے تھے۔ اور پیار کر کے پاس بٹھاتے تھے۔ آج اُس کو سنگسار کرتے ہو۔ اس کو مارو گے۔ تو ان غلاموں کے دلوں سے خداوند کی مہربانی اور بندہ پروری کا اعتماد اپنے فرزندوں کے حق میں اُٹھ جائے گا۔ اور ہر ایک اس اندیشہ سے ہلاک ہوگا۔ کہ جہاں پناہ ہمارے فرزندوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرینگے۔ جو آج اس لڑکی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس کا خیال کر کے کنارہ کش ہونگے، اغلب ہے کہ غنیم سے جا ملیں۔ اور حضور سے دشمنی کریں۔ واجب تھا عرض کیا۔ آگے جو مرضی خداوند کی، بادشاہ نے کہا۔ کہ مَیں نے تیری سفارش اور برزخ سوداگر کی رُوح کی خاطر سے اس کی جان بخشی کی۔ اگر یہ اپنا بھلا چاہتی ہے۔ تو اس شہر سے نکل جاوے۔ بلکہ حضورِ عالی کے لوگ اس کو نکالا دے آئیں۔ اور زر و جواہر سے لے کر جھاڑو کا تنکا تک اس کا توشہ خانہ میں داخل کریں "

انتخاب از گلِ مغفرت

کہتے ہیں کہ عمرو بن لیث خراسان کے بادشاہ کا ہمیشہ سے یہ معمول و دستور تھا۔ کہ جب کوئی امیر سوار مکمل و مسلح اپنے ساتھ لا کر موجودات دیتا ایک گرز طلائی سے سرفراز ہوتا۔ ایک دن اُس کے لشکر کی نظر ثانی ہوئی۔ ایک سو چوبیس ۱۲۴ سردار صاحب گرز شمار کئے گئے۔ عمرو لیث اس فوج کو دیکھ کر یہاں تلک رویا۔ کہ غش کھا گیا۔ جب ہوش میں آیا۔ ایک

Marfat.com

وزیر نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا - اے بادشاہ تجھے کیا ہوگیا - ایسا کیا حادثہ تجھ پر پڑا - اس نے کہا:-
اے وزیر نیک تدبیر - یہ فوج دریا موج دیکھ کر میں نے جناب امام حسین علیہ السلام کو یاد کیا -
اور جی میں یہ گزرا - کہ اگر اس لشکر فتح پیکر سے جناب سید الشہداؓ کے ساتھ کربلائے معلیٰ میں
ہوتا - تو ان کافروں بد نہادوں کو مارتا - آپ کے ساتھ فتح و نصرت سے پھرتا - حاصل کلام
وہ نیک انجام بعد تھوڑے دنوں کے مرگیا - شب کے وقت کسی شخص نے اسے خواب میں
دیکھا - کہ ایک تاج مرصع سر پہ دھرے خلعتِ شاہانہ پہنے کارچوبی پٹکا کمر میں باندھے ہوئے
حور و غلماں اپنے ساتھ لئے ہوئے ایک اسپ خوش خرام پر سوار ہے - اور بہشت بریں کی
سیر کرتا پھرتا ہے" (از صفحہ ۱۳۷)

انتخاب از گلشن ہند

افسوس تخلص، نام میر شیر علی اور اُن کے والدِ بزرگ کا نام مظہر علی
خاں حیراں بالفعل مسندِ حیات پر موجود ہیں - اور شعر اس طرح
کہتے ہیں - ؎

بزم میں اُس کی نہ ہنستے ہیں نہ رو سکتے ہیں — چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں

سودا تخلص نام میرزا محمد رفیع ساکن دلی فخر شعرائے ہندوستان طبع عالی رکھتے تھے
یہ اُن سے ہے

ہو اجب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی — نہ ٹوٹا شیخ سے زنارِ تسبیحِ سلیمانی

احوالِ مؤلف - اس احقر نے موافق اپنی محنت و مشقت کے چھ سات برس میں ان
بزرگوں کے نام مع اشعار و تخلص کے جمع کئے اور کئی جز بخوبی تمام لکھے - افسوس ہے - کہ
وہ جز حرفِ شین سے لے کر حرف ی تک - خدا جانے کیا ہوئے - اس واسطے نوبت تحریر حرف
ی تک نہ پہنچی - انشاء اللہ تعالیٰ اگر زمانہ اس صورت سے تھوڑے رفاقت کرتا ہے - تو یہ ذاکر
پھر نئے سرے سے احوال ان شعراؤں کا خاطر خواہ لکھتا ہے - اور یہ جلد دو چار جز کی جو کلام و ابیات
سے تیار ہوئی سو دستگیری سے منشی میر بہادر علی صاحب قبلہ دام اقبالہ کی کہ وہ درماندگان اور
عامی بے کساں ہے - اللہ تعالیٰ دنیا میں خوش و خرم رکھے - اسے اور مشکل کشائی اُس کی مشکل کشا
کیا کرے - بحق محمد و آلہ الامجاد -"

Marfat.com

اسلوبِ بیان

سید حیدری کا طرزِ تحریر اُس زمانہ کے لحاظ سے سادہ اور دل کش ہے فارسی تراکیب کو اکثر کام میں لاتے ہیں۔ اور بعض جگہ اُن کی عبارت کسی قدر پیچیدہ بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن زیادہ تر صاف اور شستہ ہوتی ہے۔ طوطا کہانی کی نسبت آرائشِ محفل کی زبان زیادہ سریع الفہم اور بامحاورہ ہے۔ بلکہ جس قدر نمونے اوپر دیے گئے ہیں۔ بہترین نمونہ آرائشِ محفل ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ میر امن کی زبان ان سے زیادہ صاف اور دلکش ہے تاہم یہ بھی اچھے لکھنے والوں میں ہیں۔ اور ان کو دوسرے نمبر پر جگہ دی جا سکتی ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ میر افسوس سے آپ یقیناً بہتر لکھنے والے ہیں ان صاحبان نے زیادہ تر فارسی زبان سے قصے کہانی کی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔ کوئی کتاب ان کی تصنیف نہیں کہی جا سکتی۔ قصے کہانی کی کتابیں بھی اُسی قدیم طرز کی ہیں۔ جو آجکل کسی طرح پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتیں۔ تاہم یہ اصحاب ضرور قابلِ تعریف ہیں۔ کہ انہوں نے ہماری زبان میں نثر لکھنے کا ابتدائی کام شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ اردو زبان کا چرچا ہونے لگا

میرزا علی لطف

آپ ، کا نام میرزا علی ہے اور لطف تخلص ہے۔ آپ کے والد ناظم بیگ خاں استرآباد کے رہنے والے تھے ۱۱۵۴ھ میں نادر شاہ کے ساتھ شاہجہاں آباد تشریف لائے۔ اور ابو المنصور خاں صفدر جنگ کی وساطت سے دربارِ شاہی میں رسوخ پایا۔ فارسی کے شاعر تھے اور ہجری تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں میرزا علی لطف باپ ہی کے شاگرد تھے۔ گلشنِ ہند کے دیباچہ میں لطف لکھتے ہیں۔ "میر امداد سیر حیدرآباد کا تھا مگر چونکہ مسٹر گلکرائسٹ نے بڑے اخلاق اور تپاک کے ساتھ مجھ سے اس تذکرے کے لکھنے کی خواہش کی۔ لہٰذا میں نے اسے بسر و چشم قبول کیا"۔ اس کے بعد نواب سعادت علی

Marfat.com

ور مارکوئس آف ولزلی کا ذکر کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں ۔ کہ موافق حکم اِس صاحب والا
مناقب کے کہ نام نامی اور اسمِ گرامی اُس کا اوپر مذکور ہوا ہے ۔ اس ہیچمداں نے یہ تذکرہ
معا۔ تذکرۂ گلشنِ ہند مؤلف نے ۱۲۱۵ھ میں ترتیب دیا ۔ لُطف ایک معمولی شاعر ہیں
زل و قصیدہ و مثنوی سب کچھ لکھا ہے ، مگر کلام میں لُطف نہیں ۔ البتہ یہ تذکرہ ایک
یسا کارنامہ ہے ۔ جو اردو زبان میں قابلِ یادگار ہے ۔ زبان صاف اور سادہ ہے ۔
اہم قافیے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ۔ بعض باتیں اس تذکرہ میں ایسی درج ہیں ،
ن کا ذکر کسی اور جگہ نہیں پایا جاتا ۔ تاریخی حالات بھی خوب درج کیے ہیں ۔ خود
شیعہ ہیں اور بعض اہلِ سنت کا ذکر تعصب کے ساتھ کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض
تیں بالکل لغو اور کذب سے پُر بیان کر جاتے ہیں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت
کھا ہے ۔ کہ قرۃ العین فی ابطال شہادت الحسنین اور جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ
ن کی تصانیف سے ہیں " ۔ حالانکہ ان مباحث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے
شہادتِ حسنین کا ابطال کیا ہے ، نہ مناقبِ معاویہ پر کوئی کتاب لکھی ہے ، اس کے
بعد یہ کہہ کر کہ " یہ والد ہیں شاہ عبدالعزیز کے " خوب جوش کی ہے ۔ یا تانا شاہ کے
حالات میں لُطف نے عالمگیر کی نسبت یوں گہر افشانی فرمائی ہے کہ

" خلد مکان نے استیصال بادشاہانِ دکن کا جو اہلِ سنت سے کیا ، اور مکہ مسجد
کھد والکے وہ کچھ مظلمہ اپنی گردن پر لیا ، خدا جانے اس حرکت کا کیا منشا ہے " ،
مسجد کا کھدوانا نرا بہتان اور صریح جھوٹ ہے تعجب ہے کہ مؤلف نے جو خود
حیدرآباد میں رہا ہے اس کذب کا لکھنا کیونکر گوارا کیا ۔ ہمیں شاید ناظرین کو یاد دلا
لانے کی ضرورت نہیں ۔ کہ مکہ مسجد موجود ہے ۔ اور اب تک نظر بیت خدا ہے

لیکن باوجود ان سب باتوں کے میرزا لطف بعض اوقات سچ کہنے میں بھی تامل
نہیں کرتے اور بے کم و کاست بیان کر جاتے ہیں مثلاً نواب آصف الدولہ کے
حالات میں ، اُن کی داد و دہش اور مروت کی بے انتہا تعریف کی ہے ۔ مگر آخر میں
لکھ دیا ہے :-

افسوس یہ ہے کہ فوج اور ملک کی طرف سے غفلت تھی، نائبوں کے ہاتھ میں لصاع ملک کا سرانجام رکھا، آپ سیر و شکار سے کام رکھتا، عشیر کوئی لائق اور کام کا نہ پایا، اس واسطے ساتھ عزم کے رتبہ تمام کا نہ پایا"

اس تذکرہ کی چند خصوصیات مولوی عبدالحق صاحب کے مقدمہ سے انتخاب کر کے لکھی جاتی ہیں :-

(۱) اول تو سوا سو برس پہلے کی زبان ہے (جس کو اب ڈیڑھ سو برس ہو گئے ہیں) جس سے زبان کے متعلق بہت کچھ نئی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ دکن کی زبان میں بعض الفاظ جو روزمرہ بول چال میں آتے ہیں، اور ہم لوگوں کو اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ درحقیقت پرانی زبان کی یادگار ہیں۔ مثلاً "کر کے" کا خاص استعمال جو دکن میں روزمرہ سنا جاتا ہے اس تذکرہ میں بھی جا بجا موجود ہے جیسے :-

"شورش تخلص، متوطن عظیم آباد کے، مشہور میر بہتا کر کے" تھے

فعل کے بعض استعمال بھی جو حیدرآباد میں کثرت سے سننے میں آتے ہیں۔ اس کتاب میں پائے جاتے ہیں، مثلاً فعل متعدی میں فعل بلحاظ مفعول کے آتا ہے۔ مگر اس کتاب میں بعض جگہ فاعل کے لحاظ سے آیا ہے۔ دکن میں عموماً اسی طرح بولتے ہیں۔ ضیا کے حال میں لکھا ہے :-

"دلی سے جب لکھنؤ میں آئے تو طور سکونت کا وہیں ٹھہرائے"۔ فقیر کے تذکرے میں لکھتے ہیں "بیشتر دکن بطور سیاحت کے دیکھے، اور اکثر مقاموں میں سیر کی وضع پر پھرے"

(۲) دوسرے اس کے علاوہ کہ مؤلف ایسے زمانے میں تھا جبکہ نظم اردو عروج پر تھی۔ اور بڑے بڑے اساتذہ زندہ تھے اور مؤلف ان کا ہمعصر تھا اور ان میں سے اکثر سے شناسائی اور دوستی تھی، اور اس لئے جس ذوق اور صحت کے ساتھ ان کے حالات یہ لکھ سکتا ہے۔ دوسرا نہیں لکھ سکتا۔ اور بعض حالات تو ایسے لکھے ہیں۔ جو کہیں دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آتے۔ مثلاً رزیڈنٹ لکھنؤ کا میر تقی کو فورٹ ولیم کالج

Marfat.com

کلکتہ میں زبانِ ریختہ کی تالیف و تصنیف کے لئے طلب کرنا اور بوجہ پیرانہ سالی اُن کا منتخب نہ ہونا۔

(۳) تیسرے صاحبِ تذکرہ نے ایک یہ کام بھی بہت اچھا کیا ہے۔ کہ جن لوگوں کو تھوڑا یا بہت یا کسی قدر تعلق سلطنت سے رہا ہے۔ اُن کے تذکرے میں تاریخی حالات بھی خوب خوب لکھے ہیں، چنانچہ شاہ عالم متخلص بہ آفتاب کے حال میں اُن کا بزمانۂ ولی عہدی عماد الملک کے خوف سے دلی چھوڑنا، باپ کا دھوکے سے فیروز شاہ کے کوٹلے میں قتل ہونا، اور ان کا ۱۱۷۳ھ میں تخت نشین ہونا، رام نرائن سے جنگ، دلیر خاں کی دلیری اور جاں نثاری فتح و نصرت کا حاصل ہونا وغیرہ وغیرہ بالتفصیل لکھا ہے۔ مرزا محمد رضا اُمید کے تذکرے میں امیرالامرا حسین علی خاں اور ان کے بھائی کے حالات بڑی خوبی سے تحریر کئے ہیں۔

(۴) چوتھے اس کتاب سے زمانہ کی سوسائٹی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ بات تو صاف صاف نظر آتی ہے۔ کہ ہمارے شاعروں کا گروہ عجیب بے فکرا تھا۔ اور دُنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی۔ اخیر میں جب ہمارے بادشاہ، نواب اور اُمرا اس طرف جھکے۔ تو وہ بھی ایسے ہی ہو گئے۔ ان لوگوں نے رہا سہا انہیں اور کھو دیا۔ ملک گیری اور ملک داری کبھی کی جا چکی تھی۔ اس لئے اولوالعزمی اور ہمت بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی جسمانی اور دماغی قوی میں انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں حقیقی مسرت کہاں۔ البتہ عارضی خوشحالی اور جھوٹی زندہ دلی موجود تھی، شعر و شاعری نے اس کا سامان اور مہیا کر دیا۔ رہا سہا ہوئے بس است، شاعروں کی بن آئی۔ تو وہ اس شغل میں رہے۔ اور یہاں کام تمام ہو گیا۔

اس عام حالت کے علاوہ تذکرے میں جو بعض باتیں ضمناً بیان کر دی ہیں وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ایک واقعہ یہ ہے۔ کہ نواب وزیر اودھ اس زمانہ میں جبکہ اُن کا عروج اقبال تھا۔ اور بادشاہ نام کے بادشاہ رہ گئے تھے، تب بھی شاہان دہلی اور ان کے گھرانے کی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے تھے، اور [illegible] ایسی کہ آجکل کے نوجوانوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ چنانچہ میرزا جواں بخت [illegible] ندار شاہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ۱۱۹۸ھ میں

Marfat.com

دلی سے لکھنؤ چلے آئے تھے :۔

" نواب آصف الدولہ مرحوم نے جو مراتب آداب و خدمت گزاری کے تھے، سب ادا کئے، خواص میں بیٹھنے کے سوا گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہے، باوصف اس ناز پروری کے کہ کبھی پیادہ قدم کاہے کو چلے تھے، پانچوں ہتھیار باندھے ہوئے ایک الائچی اور گلوری کی بخشش پر دس دس مرتبہ مجرا گاہ پر سے جاکر آداب بجالاتے تھے "

یہ تذکرہ درحقیقت علی ابراہیم خاں نے فارسی میں لکھا تھا اور اس کا نام گلزار ابراہیم رکھا تھا۔ کوئی بارہ برس کی محنت میں ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء میں جاکر ختم ہوا۔ میرزا علی لطف نے اس کتاب کو اردو میں لکھا لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ نرا ترجمہ ہے۔ بلکہ مترجم نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ حالات میں بھی اور کلام میں بھی جس سے بالکل نئی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس کو تالیف سمجھنا چاہیئے۔

حکیم رضا قلی خاں آشفتہ اور میر غلام حسن کے حالات گلشن ہند سے اقتباس کرکے درج کئے جاتے ہیں :۔

آشفتہ

" آشفتہ تخلص، حکیم رضا قلی خاں نام، والد ماجد ان کے حکیم محمد شفیع خاں مرحوم تھے، متوطن اکبرآباد کے، بڑے بھائی ان کے میرزا بچو صاحب، خدا مغفرت کرے، ذرہ تخلص کرتے تھے۔ عجب ولولہ اور ذوق شوق کے ساتھ کربلائے معلی گئے۔ اور وہیں خاک ہوئے۔ روبرو ضریح مقدس کے دفن ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ حشر بھی ان کا اور جمیع مومنین کا جناب سید الشہدا علیہ السلام کے ساتھ کرے۔ دوسرے بھائی ان کے میرزا مشی صاحب وہ بھی ان سے بڑے ہیں، بالفعل لکھنؤ میں داد طبابت اور معالجے کی دے رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو جو اختراعات فن طبابت میں انہوں نے کئے۔ دیکھنے کا کیا دخل ہے کسی نے نہیں سنے۔ حذاقت اور لیاقت ان کے خاندان کی نہیں ہے محتاج تشریح اور بیان کی، ہمیشہ بندگی ان کے معالج سلاطین نامدار کے رہے ہیں، اور امیروں سے

Marfat.com

بلکہ وزیروں سے بھی سدا ناز و اغماض کیا کئے ہیں۔ غرض مرزا جان قلی خاں آشفتہ تخلص راقم آثم کے دوستانِ قدیم سے ہیں۔ جوان، آزاد وضع اور خوش اختلاط اور خوش مزاج اور مایۂ ارتباط میں محبت اور یکرنگی میں خلاصہ ہے، اور آشناؤں کے بہت خاصے ہیں۔ حسن پرستی میں خود لیلیٰ و شیریں کی تصویر اور عشق بازی میں قیس و فرہاد کے پیر ہیں۔ مشورہ سخن کا انہوں نے میر سوز صاحب سے کیا ہے، لیکن شاگردوں میں ان کے آشنا کوئی نہیں ہوا ہے میر صاحب مذکور کے طرزِ ادائیہ میں انہوں نے رنگینی کچھ اور بھی زیادہ کی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ رنگینی ادائی کی داد دی ہے۔ چندے انہوں نے رفاقت میرزا محمد تقی [illegible] کی کی، جو کہ پوتے میرزا یوسف خاں کے تھے، اس سبب سے دو ڈھائی برس [illegible] ان کی فیض آباد میں ہوئی تھی، ورنہ پرورش انہوں نے لکھنؤ میں پائی ہے۔ اور کیفیت زندگی کی وہیں اٹھائی ہے۔ ۱۲۰۵ھ میں لکھنؤ سے مرشد آباد میں آئے، نواب مبارک الدولہ ناظم بنگالہ مرض الموت میں گرفتار تھے، اگرچہ معالجہ میں انہوں نے رنگ مسیحائی کا دکھایا، لیکن قضائے قدر سے لاچار تھے۔ بعد نواب مبارک الدولہ کی وفات کے خلف الصدق سے ان کے یعنی نواب عضد الدولہ ناصر الملک سید بابر علی خاں بہادر دلیر جنگ سے نہایت موافقت آئی۔ اور صحبت نے بہ شدت یکرنگی پائی، چنانچہ سات برس کامل ان کی خدمت میں رہے اور قریب لاکھ روپے کے بنگالہ میں پیدا کئے، لیکن خرچ کرنے والے بھی ایسے ہی بلا کے روزگار تھے کہ جس دن مرشد آباد سے نکلے تو قرضدار تھے، غرہ ذی الحجہ کو ۱۲۱۴ھ میں اپنی مزاج نازک سے، ناحق روزگار چھوڑ کلکتے میں چلے آئے۔ اور زمانے کی بے رنگی کو مطلق خیال میں نہ لائے، بالفعل کہ ۱۲۱۵ھ ہے بہ عزت تمام کلکتے میں اوقات بسر کرتے ہیں۔ اور اک رنگ کی صحبتوں میں دن رات بسر کرتے ہیں۔ طبیعت ان کی موسیقی کی طرف راغب ہے۔ اور ایک مناسبت بھی بھلی چنگی ان کو اس فن سے ہے۔ اپنی آشفتہ مزاجی میں غزلوں کو انتظام نہیں دیا ہے، ورنہ مدت سے ایک دیوان کا سرانجام ہو چکا ہے۔ یہ اشعار ان کے افکار سے ہیں:۔

فقط نہ اپنی جفا تم آن دیکھتے جاؤ ، ادھر ادھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
نہ پیچ و تاب دو پاؤں کے کھول دو اتنا ، [illegible] پریشان دیکھتے جاؤ

Marfat.com

بجائے اشک نکلتے ہیں پارہائے جگر — تمہارے جی ہیں تماشا ماں دیکھتے جاؤ
کیا خرید زلیخا نے مصر میں یوسف — جناب عشق کی تم شان دیکھتے جاؤ

یہ خرابی تو پڑی مجھ پہ ترے جانے سے — پھر بھی ڈرنے لگے اب مرے ویرانے سے
کس طرح قید کروں یہ تو ٹھہرتا ہی نہیں — کون بر آوے بھلا اس دلِ دیوانے سے
میں سمجھتا ہوں کہ تم جا کے نہیں آنے کے — فائدہ کیا ہے بھلا جھوٹ قسم کھانے سے
شعلۂ خو آگئے تو آتا نہ جلاتا تھا مجھے — آج تو آگ ہوا غیروں کے بھڑکانے سے

دیکھتے ہی اُسے کل میر سے بے اوسان گئے — اپنے بیگانے وہاں جتنے تھے سب جان گئے
اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو صدقے تو نہ کر — ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے ترے قربان گئے

تجھ کو کہتا ہے صنم تجھ کو بھی اب بھاگ لگے — آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے بھجے آگ لگے
بوسہ کے واسطے چمٹا تو لگا کہنے مجھے — بس کہیں دُور بھی ہو مُنھ کو ترے آگ لگے

حسن

حسن تخلص، میر غلام حسن نام شاہجہان آبادی۔ بیٹا میر غلام حسین ضاحک تخلص کا، میر امامی ہروی کے دلّی کے پرانے شہر میں بود و باش رکھتے تھے۔ صغر سن سے وارد لکھنؤ میں ہوئے نواب سالار جنگ اور خلف اُن کے میر نوازش علی خاں سردار جنگ کی رفاقت میں ملازم تھا انہوں نے ساتھ عزت اور غربت کے بسر کی ہے اور اصلاح سخن کی میر ضیاء الدین ضیا تخلص سے لی ہے۔ اقسام علم سے تو جمیع علوم میں انہیں اقرار ہیچمدانی ہے۔ ہاں مگر اشعار میں ان کے البتہ ایک صفائی اور روانی ہے۔ قریب آٹھ ہزار بیت کے انواع نظم میں دیوان اس کا ہے۔ اور ایک تذکرہ بھی ہندی گویوں کا

Marfat.com

زبانِ ریختہ[1] میں لکھا ہے۔ بے نظیر اور بدر منیر کے احوال میں کیا خوب مثنوی لکھی ہے۔ اور
۱۲۰۵ھ میں سیرِ روضۂ رضوان کی کی ہے۔ یہ اشعار منتخب دیوان اِن کو کہہ دار رکھے ہیں:

کیجے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا — تو چاہیے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا

دامن صحرا سے اُٹھنے کا حسن کا جی نہیں — پاؤں دیوانے نے پھیلایا بیاباں دیکھ کر

ن کر غم کدۂ دہر میں جو بیٹھے ہم — شمع ساں اپنے تئیں آپ ہی رو بیٹھے ہم

س کی جب بزم سے ہم ہو کے تنگ آتے ہیں — اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

ہ پر ہی یہ ترا ستم وجور کچھ نہیں — لیکن ترا ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں

دھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسن — یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

رے ہمنام کو جب کوئی پکارے ہے کہیں — جی دھڑک جاتا ہے میرا کہ کہیں تو ہی نہ ہو

یباں چاک اور خاموش مجھ کو دیکھ کہتا ہے — کروں کیا بات اس سے یہ تو کچھ دیوار و در سا ہے

ہنے نہ دیگا اُس بن یہ دل تو ایک دم بھی — کیوں رو کے ہم اپنا کھوویں نہ شب بھر دم بھی

لطف نے انتخاب کرتے ہوئے اور بہت سے اشعار درج کئے ہیں۔ لیکن ہم نے بخیال طوالت اُن کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ذیل میں صرف اُس مثنوی کے اشعار درج کرتے ہیں۔ جو لکھنؤ کی ہجو میں کہی ہے اور آزاد کو اُس کے اشعار دستیاب نہیں ہوئے۔ چنانچہ آبِ حیات میں لکھتے ہیں:-

ایک موقع پر میر حسن مرحوم کا سفر شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ اتفاق پڑا۔ چنانچہ سفر مذکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو کی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عورتوں کی پوشاک وہاں کیا تھی اور چھڑیوں والوں کے جزئیاتِ رسوم کیا کیا تھے۔ میں نے یہ مثنوی دلی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی۔ اب نہیں ملتی۔ لوگ بہت تعریف لکھتے ہیں:-

نہیں یہ لکھنؤ ہے یہ زمانا — زمانے پر عبث کہنا بہانا

---

[1] زبانِ ریختہ میں کوئی تذکرہ مؤلفہ حسن نظر سے نہیں گزرا۔ غالباً مرزا علی لطف کو فارسی تذکرہ لکھنا تھا لیکن ہوا تذکرہ ریختہ لکھ گئے۔ بظاہر انکی مراد فارسی ہی سے ہے جس کو انجمن ترقیِ اردو نے شائع کر دیا تھا۔

Marfat.com

زبس یہ ملک ہے پتھر پہ بستا ۔ کہیں اونچا، کہیں نیچا ہے رستا
کسی کا آسماں پر گھر ہوا میں ۔ کسی کا جھونپڑا تحت الثریٰ میں
زبس گنجان ہے یہ شہر باہم ۔ سما سکتا نہیں ہے غیر کا دم
سینہ گل سے گلی یوں تنگ ہے ہے ۔ بغل جس طرح زنگی کی بہے ہے
فراغت سے یہاں کس کا مکاں ہے ۔ ہر اک گھر شخص کا سا دل یہاں ہے
کنواں بھی یوں ہے پھر اس تنگ گھر میں ۔ پڑے پتلی کا تل جیسے نظر میں
کنواں کہنا اسے ہے عقل سے دور ۔ کہ ہے اس گھر کی چھاتی کا وہ ناسور
کہوں کیا میں قدامت اس مکاں کی ۔ پڑی بنیاد جب اس کے جہاں کی
ہزاروں راہ اس میں پیچ در پیچ ۔ ولیکن مثل زلف زشت راہ پیچ
جو اس کے زیر سایہ آن نکلے ۔ رکے دم، اور اس کی جان نکلے
جو کوئی رات کو بھولے یہاں گھر ۔ پھرے گلیوں میں ٹکراتا وہ در در
نہیں امکاں جو گھر اپنا وہ پاوے ۔ ملا خورشید کو جب تک نہ لاوے
زبس کوفے سے یہ شہر ہم عدد ہے ۔ اگر شیعہ کہے نیک اس کو بد ہے
چڑھے ہے گومتی جب گرد آکر ۔ حباب آسا بہے پھرتے ہیں سب گھر
رکھے ہے پار ہو سکتا تب امکاں ۔ چڑھے جب آدمی پر آدمی یہاں
سوائے تند یہاں دیکھا نہ کچھ اور ۔ سو ہے روپوش وہ بھی دیکھیے طور
چلا میں یہاں سے دل اپنا اٹھا کر ۔ کہ کیجے سیر فیض آباد جا کر
عجب معمورۂ آباد پایا ۔ مثال گل ہر اک دل شاد پایا
کھلا بازار اور رستہ کشادہ ۔ بیاض جدولی جیسے ہو سادہ
دو رستہ راستے ہیں آشنا رستا ۔ کسی نے آج تک دیکھا ہے بستا
وہ چی ہے شہر کا تر پولیا یوں ۔ کہ جیسے تین رگیں جسم میں ہوں
ادھر کو جوہری اودھر کو بزاز ۔ ادھر صراف اور اودھر طلاساز
روپئے اور اشرفی دیکھے برستے ۔ دیے تختوں پہ جوں نرگس کے دستے

Marfat.com

یہ فرنی[1] اور فالودے کا عالم | کہے تو چاند اور تارے ہیں باہم
بلا شربت ہیں جو اس کو بتاشے | شب مہ کا سما بانی ہیں یاد ہے
ملائی دودھ کی دیکھو تو گویا | اسی میں مال حلوائی نے کھویا
بلندی پر ہے حلوائی کی دکان | ستارے گرد ہیں جیسے چراغاں
دھری ہیں گولیاں اور یوں اندرسے | کہ گویا چاند اور تارے ہیں برسے
مٹھائی کی کروں تعریف تا چند | قلم کی ہوگئی اب تو زباں بند
ہزاروں خانگی اور کسبی آکر | کریں ہیں سیرِ لالہ دل لگا کر
چمک دامن کی دکھلایوں چلے ہے | کہ بجلی اپنے ہاتوں کو ملے ہے
وہ سبزہ کان میں زیبِ بناگوش | کہ جس کو دیکھ طوطی کے اڑیں ہوش
شعاع اس کی یہ اور منہ کا پسینا | ہے گویا پھول پر شبنم کا مینا
کوئی کرتی پہن جالی کی سادہ | گریباں کر کے چھاتی تک کشادہ
کیا اس دام میں تکمہ کو یوں صید | سحر کے جوں گریباں میں ہو خورشید
مسافر اس طرف جو آن نکلے | نہ نکلے وہاں سے غیر از جان نکلے"

زمانہ کیا کیا رنگ بدلتا ہے ؟ آج لکھنو کو دیکھو تو فردوسِ بریں کا نمونہ نظر آئے گا ممالکِ متحدہ کی حکومت بھی اپنا جائے اقامت الہ آباد سے لکھنو کو منتقل کر چکی ہے حضرات شیعہ لکھنو کو بہت پسند کرتے ہیں اور فی الواقع یہ مقام اُن کا مرکز بھی ہے لیکن میر حسن اس کو کوفہ کا ہمعدد بتلاتے ہیں۔ حالانکہ خود شیعہ ہیں۔ اس کے برعکس ایک سنی المذہب لکھنو کی تعریف میں یوں زمزمہ سنج ہے:۔

کہاں ہونگی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں | رہیگا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

اب پھر انقلاب آیا ہے! دیکھئے غریب مسلمانوں پر یہ دہاں کیا گزرے، کہیں وہ اسے بہشتِ شداد کہنے پر مجبور نہ ہوجائیں۔

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا | بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

---

[1] یہ لفظ فیرنی ہے۔ تنہا

Marfat.com

میر بہادر علی حسینی

میر بہادر علی نام اور حسینی تخلص ہے۔ سید عبداللہ کاظم کے صاحبزادے ہیں۔ جنہوں نے اپنے اہتمام سے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کا اردو ترجمۂ قرآن شریف پہلی بار شائع کیا تھا۔ حسینی نے دہلی ہی میں تعلیم و تربیت اور نشو و نما پائی۔ اِن کے حالاتِ زندگی کا کچھ پتہ نہیں صرف اس قدر معلوم ہے۔ کہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے شعبۂ تصنیف و تالیف میں آپ بھی دوسرے اصحاب کی طرح کتاب نویسی کی خدمت پر مامور تھے۔ اور ہیڈ منشی تھے۔ میر امن نے لکھا ہے کہ وہ ان کی مدد سے ڈاکٹر گلکرائسٹ سے ملے، اور کالج میں مُلازم ہوئے۔

آپ کی تصنیف سے چار کتابیں ہیں:۔ نثرِ بے نظیر، اخلاقِ ہندی، تاریخِ اسلام اور رسالہ گلکرائسٹ۔ نثرِ بے نظیر میر حسن دہلوی کی مشہور و معروف مثنوی سحرالبیان (قصہ بدرِ منیر و بے نظیر) کو اردو نثر میں لکھا ہے۔ چنانچہ آغازِ کتاب میں حسینی خود لکھتے ہیں:۔

"قصّہ بے نظیر و بدرِ منیر کہ نظم میں تصنیف کیا ہوا شاعرِ بے ہمتا، رونقِ بزمِ سخن، میر حسن مرحوم تخلص بہ حسن، سعید ازلی خلف الرشید میر غلام حسین ضاحک دہلوی کا تھا فی الواقع ہر ایک مصرع اس کا فصاحت و بلاغت میں بے نظیر ہے اور ہر ایک شعر حسن و خوبی میں مثل بدرِ منیر۔ جو سخندان منصف مزاج عاشق پیشہ ہیں۔ وہی اس کی طرز بخوبی پہچانتے ہیں۔ مقابل اس کے نظم کس سے ہو سکے۔ بلکہ کوئی ان رمزوں کو پا تو سکے؟ قاصر ہے، زبان اس کی توصیف میں، ہر کہ و مہ مشغول ہے۔ اس کی تعریف میں . . . سنہ ۱۲۱۷ مطابق ۱۸۰۲ء کے، حکم سے صاحب خداوندِ نعمت . . . . جان گل کرائسٹ صاحب بہادر دام حشمتہٗ کے، عاصی میر بہادر علی حسینی نے شروع قصّہ سے موافق محاورۂ خاص کے نثر میں لکھا ہے۔ پہلے اس سے یہ خاکسار اس کہانی کو خاص و عام کی بول چال کے مطابق

Marfat.com

بطرزِ سہل واسطے صاحبانِ نوآموز کے تحریر کر چکا تھا۔ اب جی میں یوں آئی کہ اس داستانِ شیریں کو (کہ فی الحقیقت قصۂ شیریں تر ہے) اس روِیہ سے نثر کروں کہ ہر ایک زبان داں و شاعر اس کو سُن کر عش عش کرے اور اس ہیچمداں کی ایک یادگاری اِس دُنیا میں رہے"

نثرِ بے نظیر کا نمونہ حسبِ ذیل درج کیا جاتا ہے ۔حسینی نے جا بجا میر حسن کے اشعار نقل کئے ہیں۔ جن سے اِس نثر کا لطف دوبالا ہو گیا ہے:۔

"جب گیارہ برس خیریت سے گذر رے ، بارھواں برس آیا۔ الحمدُ للہ! جس دن کی آرزو تھی سو کریم نے ساتھ خوشی کے دکھایا۔ شادی محل میں چاروں طرف مچ گئی۔ مبارکبادی کی صدا پھر بلند ہوئی۔ نظم

پڑی جب گرہ بارھویں سال کی   کھُلی گلجھڑی غم کے جنجال کی

چار گھڑی دن رہے عرض بیگی کو بادشاہ نے ارشاد کیا۔ کہ صبح سواری مبارک جلوس سے تیار ہو کہ میں شہزادے کو لے کر سوار ہوں گا۔ تا رعیت اور سپاہ اس کا دیدار دیکھ کر شاد ہو۔ اور بستی ان کے دل کی بھی آباد۔ تم نقیبوں کو تقید کرو۔ گھر گھر یہ حکم پہنچا دیں اور ہر ایک چھوٹے بڑے کو جتا دیں۔ کہ زرق برق سے نکلے اور تمام اسباب سواری کا بھی نیا اور جگمگاتا ہو۔ خبردار ایک سوار میلا اور ایک گھوڑے کا زین پرانا نظر نہ آوے۔ ایسا نہ کسی کو اس وقت اگر کوئی چیز میسر نہ آوے۔ تو سرکار سے بے تکلف لیوے کہ مابدولت کی مرضی اور خوشی اسی میں ہے۔ نظم

کریں شہر کو مل کے آئینہ بند   سواری کا ہو نور جس سے دوچند

اتنے میں شام پڑی۔ آفتاب والشمس پڑھ کے سجدۂ شکر میں گیا۔ مہتاب سورۂ نور پڑھتا ہوا نکلا۔ حضرت محل میں تشریف لے گئے۔ تمام رات ناچ راگ۔ ہا۔ مارے خوشی کے محل میں کوئی نہ سویا۔ نظم

عجب شب تھی وہ جوں سحر رو سفید   عجب روز تھا مثل روزِ امید

القصہ رات آخر ہوئی۔ چاند نے بالینِ استراحت پر اپنا سر رکھا۔ اور سورج بڑی چمک سے آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا۔ نظم

Marfat.com

کہا شاہ نے اپنے فرزند کو — کہ بابا نہا دھو کے تیار ہو
پلا آتشیں آب پیرِ مغاں — کہ بھولے مجھے گرم و سردِ جہاں
اگر چاہتا ہے مرے دل کو چین — نہ دینا وہ ساغر جو ہو قلتین "

اخلاق ہندی اس کتاب کا ماخذ فارسی کتاب مفرح القلوب ہے۔ جو اصل میں سنسکرت تصنیف ہوپادیشا سے لی گئی ہے۔ تمام قصّے پنڈت بشن سرما کی طرف منسوب ہیں۔ جو اس کتاب میں بیان ہوئے ہیں۔ داستان کی تقریب اس طرح ہے۔ کہ گنگا کنارے مانک پور نام ایک شہر آباد تھا۔ اور وہاں کا راجہ چندرسین نہایت سخی، عادل اور اُولوالعزم تھا۔ مگر اُس کے بیٹے نہایت بدتمیز اور نالائق تھے۔ راجہ اُن کی بیہودہ حرکتیں دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا تھا۔ مگر اُن کو راہ پر لانے کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ آخر ایک روز سرِ دربار اُن کی بے ادبانہ حرکات دیکھ کر اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔ ایک درباری پنڈت بشن سرما نے اُن کی تعلیم کا بیڑا اُٹھایا۔ اور ان کو اپنے ہمراہ گھر لایا۔ یہاں اُن سے وہ تمام سبق آموز اور عبرت انگیز قصّے بیان کئے۔ جو اس کتاب میں درج ہیں۔ ان قصوں کو سُن کر راجہ کے لڑکے علم اور نیکی کی طرف مائل ہو گئے اور راجہ نے خوش ہو کر اُس پنڈت کو بہت سا دان اور خلعت و انعام دیا "

اخلاقِ ہندی چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں دوستی کا ذکر ہے۔ دوسرے میں دوستوں کی جدائی کا۔ تیسرے میں اُن باتوں کا جن سے لڑائی میں کامیابی حاصل ہو اور مخالف کو شکست۔ چوتھے میں ملاپ کی کیفیت خواہ جنگ سے پہلے ہو یا بعد میں۔

یہ کتاب ۱۸۰۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

" ایک پرانا سانپ کہ اس میں چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی تھی ایک جھیل کے کنارے پر آہستہ آہستہ آکر غمگین ہو بیٹھا۔ تب مینڈکوں کے بادشاہ نے اُس سے پوچھا اے سانپ تجھے کیا ہوا ہے۔ جو اتنا دلگیر ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ تجھے پرائی کیا پڑی تو اپنی نبیڑ۔ مینڈک بولا۔ اے سانپ ناخوش کیوں ہوتا ہے۔ اگر کچھ تیری چیز پانی میں گر پڑی ہو تو کہہ دے۔ اپنے لشکر کو حکم دوں۔ کہ بجنسہٖ اُس چیز کو ڈھونڈھ لاوے۔ اُس

Marfat.com

نے کہا۔اے مینڈک اس شہر میں ایک برہمن کا لڑکا بہت خوبصورت تھا۔اس کو میں نے کاٹا۔ماں باپ نے اُس کے درد سے کھانا پینا سب چھوڑ دیا۔اس کے بھائی بند آئے اور سمجھا بجھا کر کھلایا پلایا۔بہتوں نے نصیحت کی کہ بھائی صبر کیجئے۔سب کی یہی راہ ہے۔چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ شعر

مت پوچھ رفتگاں کو کدھر گئے کہاں نہیں　　شاہانِ نامور دلہنیں جو جوان تھیں

تب برہمن یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا کہ اے دوستو میں اس گاؤں میں نہ رہونگا کس واسطے کہ یہی ایک لڑکا میرا تھا، سو خدا کی راہ ہو گیا۔اب مجھے بستی سے کیا کام بن باسی ہونگا۔تب انہوں نے کہا۔اے بھائی کوئی ڈاڑھی منڈانے اور جامہ پھاڑ کر جنگل میں جا رہنے سے سادھو نہیں ہوتا۔مگر جس کی کرنی اچھی ہو۔سو اے مینڈک میں نے اس وقت خواب دیکھا۔کہ ایک مرد بوڑھا نہایت بزرگ صورت مجھ سے یوں کہتا ہے۔کہ اے سانپ تو نے اس لڑکے بھنے کو ناحق کاٹا کل قیامت کو تیری پیٹھ پر مینڈک سوار ہوں گے۔اور اسی عذاب میں ہمیشہ خدا تجھے گرفتار رکھے گا۔اگر اس عذاب سے اپنا چھٹکارا چاہے۔تو کنارے جھیل کے جہاں مینڈک بہت سے ہوں۔جا کر اُن کے سردار کو اپنی گردن پر سوار کئے لئے پھرا کر۔مینڈک یہ بات سنتے ہی نہایت خوش ہو کر اپنے دل میں کہنے لگا۔کہ خدا نے مجھے مفت یہ گھوڑا دیا۔شاید میرے طالعوں کی مدد سے ایسی سواری ملی۔اسی وقت سانپ کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھا۔اور کہا فلانی جگہ میرا دُشمن ہے۔اگر تو تمہید کر کے مجھے وہاں تک لے چلے۔تو میں اُسے مار دوں۔سانپ نے یہ بات مانی۔سب مینڈکوں کو اپنے جلو میں لئے رکھ کے چلا۔جب اُس تالاب کو چھوڑ کر آگے بڑھے۔سانپ نے جانا کہ اب یہ بھاگ کر اس تالاب تک نہیں پہنچ سکیں گے کبھی بہانہ زمین پر اپنے کو گرا دیا۔مینڈکوں کے سردار نے پوچھا۔تو کیوں گر پڑا۔اُس نے کہا کہ تیری فوج کو دیکھ کر مجھے بھوک لگی ہے۔وہ بولا کہ میرے لشکر سے دو چار مینڈکوں کو کھا لے۔سانپ نے کہا۔اے بادشاہ لشکر کم ہونے سے تجھ کو بُرا لگے گا۔وہ بولا تیرے کھانے سے میری فوج کم نہ ہوگی۔سانپ ہر روز دو تین مینڈک کھانے لگا۔تھوڑے دنوں میں سب کو نگل گیا۔اکیلا بادشاہ

Marfat.com

رہا۔ سانپ نے پوچھا اسے بادشاہ آج میں کیا کھاؤں۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ مینڈک نے
کہا۔ اے سانپ کسی جھیل کے کنارے چل کر اپنا پیٹ بھر لے۔ تب اس نے کہا تمہارے
لشکر نے میرے پیٹ میں چھاؤنی کی ہے۔ بادشاہ کا لشکر سے جدا رہنا خوب نہیں۔ اپنی
فوج کے ساتھ آپ بھی چھاؤنی میں داخل ہوں تو بہتر ہے تب وہ اپنی موت سمجھ کر چپ رہا
سانپ نے اپنے شہسوار کو زمین پر پٹک کر کوڑے دم کے مارے اور کھا گیا۔ جیسا کہ
کسو شاعر نے کہا ہے۔ فرد

گردنِ بندگی جب خم ہے درِ خوباں پہ گوئے سر اپنا فدا کیوں نہ کرے چوگاں پہ

تاریخ آسام یہ کتاب شہاب الدین طالش ابن ولی محمد کی فارسی تاریخ آسام کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں عالمگیر کے سپہ سالار میر جملہ کی اس مہم
آسام کی تفصیلی تاریخ ہے جو ۱۶۶۲ء میں کی گئی تھی۔ واقعات مہم کے ضمن میں آسام کی
قدیم تاریخ اور مختلف حکومتوں کا حال بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ شہاب الدین طالش خود
اس مہم میں شریک تھا۔ لہٰذا جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ وہ اس کے ذاتی علم اور مشاہدہ
پر مبنی ہے۔ اور قابلِ اعتبار ہے۔ اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہو کر ۱۸۴۵ء میں
شائع ہوا تھا۔ یہ اردو ترجمہ اب بالکل نایاب ہے۔ اور منشی کریم الدین کی تحریر کے
مطابق ۱۸۰۵ء میں تمام ہوا تھا۔ اصل فارسی تاریخ کا ایک نسخہ کتب خانۂ آصفیہ
حیدر آباد میں موجود ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حسینی کا ترجمہ ناپید ہو گیا۔

رسالہ گلکرائسٹ یہ رسالہ ڈاکٹر گل کرائسٹ کی کتاب "ہندوستان کی صرف و نحو" کا ملخص ہے جو ۱۷۹۶ء میں ڈاکٹر صاحب نے مرتب کی تھی۔
حسینی کا رسالہ ۱۸۱۶ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ اس رسالہ میں دو مقالے ہیں۔ ایک
میں مفردات اور دوسرے میں مرکبات سے بحث کی گئی ہے۔ مفردات کے تحت میں
علم صرف کے تقریباً تمام مسائل آگئے ہیں اور مرکبات میں مرکب تام و ناقص کی جملہ اقسام
کا ذکر کیا گیا ہے۔ اساتذہ کے اشعار مثالوں کے طور پر دئے گئے ہیں۔ تذکیر و تانیث کے
اہم حصہ کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

Marfat.com

طرزِ تحریر اِس دَور کے تقریباً جملہ نثر نگاران نے صفائی اور سادگی کو پیش نظر رکھا ہے خصوصاً اُن صاحبان نے جن کا تعلق فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے تھا۔ پیچیدہ یا گنجلک عبارت نہیں لکھی مقفٰی عبارت البتہ کہیں کہیں نظر آجاتی ہے چونکہ میر بہادر علی حسینی بھی کالج مذکور سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا انہوں نے بھی جو کچھ لکھا سادگی اور صفائی کے ساتھ لکھا حقیقت یہ ہے کہ سادہ عبارت میں دل کشی پیدا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ہر ایک شخص کے بل بوتہ کا نہیں ہے میر امّن کی زبان میں وہ گھلاوٹ درُستگی ہے کہ دوسری جگہ اُس کا پتہ نہیں چلتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس دَور کے تمام لکھنے والوں میں وہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ حسینی کے یہاں سلاست ضرور ہے۔ لیکن محاورہ اور روزمرہ کی چاشنی کے بغیر تمام عبارت بے لطف معلوم ہوتی ہے کہیں کہیں اشعار نقل کرتے ہیں تو ایسے معمولی اور غلط کہ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کو فنِ سخن سے قطعاً لگاؤ نہیں تھا۔ اگرچہ خود حسینی تخلص کرتے تھے۔ مگر یہ حضرت صرف تخلص ہی کے گنہگار معلوم ہوتے ہیں۔

*

میر امّن دہلوی

آپ کا اصلی نام میر امان ہے اور امّن تخلص ہے، اگرچہ کہیں کہیں اشعار میں اپنا تخلص لطف بھی ظاہر کیا ہے۔ بڑے نامور اور خاندانی شخص اور [illegible] میں فنِ شعر میں کسی سے اصلاح نہیں لی۔ اپنی طبیعت کی موزونی سے آپ ہی اپنے شاعر بن گئے [illegible] لیکن، میر امّن خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ شاعری میرا پیشہ نہیں ہے۔ میں کسی شاعر کا بھائی میری اردو ٹکسالی اردو ہے، کیونکہ میں دلّی (شاہجہاں آباد) کا روڑا ہوں اور یہیں کا پروردہ یافتہ ہوں۔ آپ نے اپنے بزرگوں کا حال حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اور کچھ باتیں اپنے متعلق بھی کہہ گئے ہیں:۔

Marfat.com

"پہلے اپنا حال یہ عاصی میر امن دلی والا بیان کرتا ہے۔ کہ میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ
کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں پشت بہ پشت جانفشانی بجا لاتے رہے۔ اور
وہ بھی پرورش کی نظر سے قدر دانی جتنی چاہئے۔ فرماتے رہے۔ جاگیر منصب اور خدمات
کی عنایت سے مالا مال اور نہال کر دیا، اور خانہ زاد موروثی اور منصب دار قدیمی
زبانِ مبارک سے فرمایا چنانچہ یہ لقب بادشاہی دفتر میں داخل ہوا۔ جب ایسے گھر
کی کہ سارے گھر اُس کے سبب سے آباد تھے۔ یہ نوبت پہنچی، ظاہر ہے، عیاں راچہ بیاں
تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کر لیا اور احمد شاہ درانی نے گھر بار تاراج کیا۔
ایسی تباہی اُٹھا کر ایسے شہر سے کہ جنم بھوم میرا ہے اور آنول نال وہیں گڑا ہے، جلا وطن
ہوا اور ایسا جہاز کہ جس کا ناخدا، خدا تھا غارت ہوا، میں بیکسی کے سمندر میں غوطے
کھانے لگا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے کئی برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا کچھ
بنی کچھ بگڑی، آخر وہاں سے بھی پاؤں اُکھڑے۔ روزگار نے موافقت نہ کی۔ عیال و
اطفال کو چھوڑ کر تن تنہا کشتی پر سوار ہوا۔ اشرف البلاد کلکتہ میں آب و دانہ کے زور
سے آ پہنچا۔ چندے بیکاری میں گزری۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر اپنے چھوٹے
بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے لیے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہا جب
وہاں اپنا نباہ نہ دیکھا، تب منشی میر بہادر علی کے وسیلہ سے حضور جان گلکرائسٹ صاحب
بہادر سے رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جوانمرد کا دامن ہاتھ لگا ہے، چاہئے
کہ دن کچھ بھلے آویں، نہیں تو یہی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا
ہوں اور گھر میں دس آدمی بڑے، چھوٹے پرورش پا کر دعا اُس قدردان کو کرتے ہیں
خدا قبول کرے۔"

آپ نے چار درویش کا قصہ اردو میں ترجمہ کیا۔ اور باغ و بہار نام رکھا۔ یہ
ترجمہ اس قدر مقبول ہوا ہے کہ صدہا مرتبہ مختلف مطبعوں میں چھپ چکا ہے۔ اور اب
تک چھپے جاتا ہے۔ اُس زمانہ کے مذاق کے لحاظ سے یہ قصہ نہایت دلچسپ ہے
اور سب کو مرغوب ہے۔ اس کی زبان نہایت صاف، شُستہ اور بامحاورہ ہے

Marfat.com

اور دوچار جگہ سے قطع نظر کرکے تمام کتاب آجکل کے روزمرہ کے موافق ہے۔ اس کی اُردو مستند ہے۔ باغ و بہار کی تالیف ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء میں شروع ہوئی اور ۱۲۱۷ھ میں ختم ہوئی۔ اور یہ اس کتاب کا تاریخی نام ہے۔ ان کی نثر کو میر تقی میر کی نظم کے ہم پلہ مانا گیا ہے، سر سید نے بھی آثار الصنادید میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

آپ نے باغ و بہار کے علاوہ اخلاق محسنی کا بھی اُردو میں آزاد ترجمہ کیا۔ جو ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔ لیکن کمیاب ہے اور گنج خوبی کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۰۲ء میں لکھی گئی تھی۔ میر امن نے باغ و بہار کے ترجمہ کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ:

یہ قصہ چہار درویش ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا۔ کہ حضرت نظام الدین اولیا زری بخش جو اُن کے پیر تھے اور درگاہ اُن کی دہلی میں قلعہ سے تین کوس لال دروازہ کے باہر، مٹیا دروازہ کے آگے، لال بنگلہ کے پاس ہے۔ ان کی طبیعت ماندی ہوئی، تب مرشد کامل کا دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمارداری میں حاضر رہتے۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی تب انہوں نے غسل صحت کے دن یہ دعا دی۔ کہ جو کوئی اس قصہ کو سنے گا۔ خدا کے فضل سے تندرست رہے گا۔ جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا۔ اب خداوند نعمت صاحب مروت، نجیبوں کے قدردان جان گلکرسٹ صاحب نے کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے، جب تلک گنگا جمنا بہے، لطف سے فرمایا۔ کہ اس قصہ کو ٹھیٹھ اُردو زبان میں جو ہندوستان کے لوگ ہندو مسلمان عورت، مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورہ سے لکھنا شروع کیا۔ جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔"

کن لوگوں کی زبان مستند ہے؟ آپ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ:۔

"جو شخص دلّی کا روڑا ہو کر رہا۔ اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گذریں اور اس نے دربار اُمرا کے دیکھے، اور میلے ٹھیلے، عُرس، چھڑیاں، سیر و تماشا اور کوچہ گردی اُس شہر کی کی ہوگی۔ اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ

Marfat.com

میں رکھا ہوگا - اُس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے ۔"

افسوس تقریباً ساٹھ سال کے بعد مرزا غالب اپنے ایک خط میں اہلِ دہلی کی زبان واتی کے متعلق میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :-

"اے میر مہدی! تجھے شرم نہیں آتی میاں یہ اہلِ دہلی کی زبان ہے، ارے اب اہلِ دہلی ہندو ہیں، اہلِ حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی یا گورے ہیں، ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا، ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔ ۔ ۔ اللہ اللہ دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حُسنِ اعتقاد - ارے بندۂ خدا، اردو بازار نہ رہا - اردو کہاں، دلی کہاں، واللہ اب شہر نہیں ہے، کیمپ ہے، چھاؤنی ہے، نہ قلعہ، نہ شہر، نہ بازار، نہ نہر۔ ۔ ۔ "

اِس سے زیادہ افسوس آجکل کی ہوا کو دیکھ کر ہوتا ہے کہ ہندو گردی نے دلّی میں خاک اڑا دی ہے۔ وہی دلّی اور لکھنؤ جہاں کی زبان ٹکسالی تھی - پامالِ خرام بربریت ہے - ع "خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے"

باغ و بہار، کو میر امن نے خود امیر خسرو کے قصۂ چہار درویش سے منسوب کیا ہے۔ لیکن رسالۂ اردو بابتہ جولائی ۱۹۳۰ء میں جو مضمون اس عنوان کے زیر بحث اڈیٹر کے قلم سے نکلا ہے اُس میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ امیر خسرو کی کوئی تصنیف قصۂ چہار درویش امیر خسرو کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن نہ تو ان کی تصانیف میں کہیں اس کا ذکر ہے۔ اور نہ اس زمانے (قصے میں) کہیں اس کا پتہ لگتا ہے۔ کتاب کے شروع میں جو منظوم حمد ہے اُس کے مقطع میں "صفی" تخلص ہے۔

"صفی را نیز بار منت بال ہما مفگن
زمشکیں طرۂ بخت سیاہش چتر شاہی

خسرو جیسے زبردست اور پُرگو شاعر سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی دوسرے غیر معروف شاعر کی نظم حمد میں نقل کرتے۔ یہ اُن کی طبیعت سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یہ شبہ اور قوی ہوتا ہے کہ یہ قصہ امیر خسرو کا لکھا ہوا نہیں ہے یہ ممکن ہے

Marfat.com

انہوں نے حضرت سلطان الاولیا کو بیماری کے زمانے میں یہ قصہ سنائے ہوں، انہوں نے دعا دی ہو۔ اور اس سے یہ اُن کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ میر امّن کے آخری فقرے سے بھی کہ جب سے یہ قصہ فارسی میں مروّج ہوا۔ یہی مترشح ہوتا ہے۔ اور صاف صاف نہیں معلوم ہوتا کہ یہ فارسی قصہ جو تحریر میں آیا، امیر خسرو کی تصنیف ہے"

اڈیٹر صاحب کی رائے میں یہ قصہ فارسی کتاب کا ترجمہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ماخذ بجائے فارسی کے اردو کی کتاب "نوطرزِ مرصّع" ہے جس کے مؤلف میر محمد عطا حسین خاں متخلص بہ تحسین ہیں "حقیقت یہ ہے کہ اصل فارسی کتاب کا ترجمہ نوطرزِ مرصّع ہے نہ باغ و بہار۔ دونوں نے فارسی قصے کو اپنی اپنی زبان میں بیان کیا ہے لیکن میر امّن نے جہاں نوطرزِ مرصّع اور فارسی قصے میں اختلاف دیکھا ہے۔ وہاں نوطرزِ مرصّع کی پیروی کی ہے۔ ہم ذیل میں تینوں کتابوں کی عبارت ایک مقام سے بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ اُس سے ہمارے قول کی تصدیق ہو جائے گی"

بادشاہ آزاد بخت قبور کی زیارت کے لیے رات کو جایا کرتا تھا۔ ایک روز چاروں درویشوں سے اُس کی مُٹھ بھیڑ ہو گئی۔ اس واقعہ کو تینوں کتابوں میں اس طرح درج کیا گیا ہے:۔

قصہٴ چہار درویش "تا درمیان قبرستان نظرش بر چار طاقے افتاد کہ روشنیٔ چراغ درو می نمود۔ بادشاہ با خود گفت کہ البتہ درآں مکان غریبے از وطن آوارہ یا بیکسے ستم رسیدہ، یا بیچارہ از حادثات فلکی بجاں آمدہ، یا درویشے از خلق کنارہ گرفتہ یا صاحب دلے بہ ارواح اہلِ قبور کسے یافتہ خواہد بود والا درچنیں مکان بسر بردن کار دیگرے نیست۔

نوطرزِ مرصّع اس عرصہ میں فرخندہ سیر کے تئیں صورت بفاصلہ فرسنگ کے ایک چراغ نظر آیا لیکن باوصف استبداد بادِ صرصر کے زنہار شعلہ چراغ کے تئیں سرِ مو حرکت نہ تھی بادشاہ نے اپنا خیال کیا کہ طلسم شیشہ ہمانی کا ہوگا یعنی اگر پھٹکری کو گرد فتیلہ چراغ کے بھر رکھیے تو کیسی ہی ہوا چلے چراغ گل نہ ہوگا۔

باغ و بہار ایک بارگی بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے دل میں اپنے

خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی از حکمت نہیں یا یہ طلسم ہے کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتی کے آس پاس چھڑک دیجیے۔ تو کیسی ہی ہوا چلے چراغ گل نہ ہوگا۔"

فارسی اور اردو عبارتیں خاصا اختلاف ہے لیکن نوطرز مرصع اور باغ و بہار کی عبارتیں ملتی جلتی ہیں خصوصاً بعض جگہ ایک ہی مضمون ادا کرتی ہیں اور آخر کے تین فقرے تو ایسے مشابہ ہیں کہ گویا ایک نے دوسرے کی کتاب سامنے رکھ کر لکھے ہیں غرض یہی بات ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک پائی جاتی ہے۔ چونکہ تینوں کتابوں کی جا بجا عبارتیں نقل کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ اس لئے صرف ایک ہی مثال پر اکتفا کیا گیا ہے۔

باغ و بہار سے ذیل کی عبارت بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے:۔

سیر دوسرے درویش کی

"جب دوسرے درویش کے کہنے کی باری آئی۔ وہ دو زانو ہو بیٹھا اور بولا

اے یارو اس فقیر کا کچھ ماجرا سنو — میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا سنو
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم — ہوگا ہمارا درد نپٹ لا دوا سنو

اے دلق پوشو! یہ عاجز بادشاہ زادہ ملک فارس کا ہے، ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اصفہان نصف جہان مشہور ہے۔ ہفت اقلیم میں اس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے اور وہ ساتوں کواکب میں نیر اعظم ہے۔ آب و ہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع اور صاحب سلیقہ ہوتے ہیں میرے قبلہ گاہ نے جو بادشاہ اس ملک کے تھے لڑکپن سے قاعدے اور قانون سلطنت کے مرتب کرنے کے واسطے بڑے بڑے دانا استاد، ہر ایک علم و کسب کے چنکر، میری اتالیقی کے واسطے مقرر کئے تھے۔ تا تعلیم کامل ہر ایک نوع کی پاکر قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفتگو معقول نشست و برخاست پسندیدہ۔ اور جو کچھ بادشاہوں کو لائق و درکار ہے سب حاصل کیا۔ اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصے ہر ایک ملک کے اور احوال و لوازم بادشاہوں اور نام آوروں کا سنا کروں۔ ایک روز ایک مصاحب نے کہ خوب تواریخ داں اور

Marfat.com

جہاں دیدہ تھا مذکور کیا کہ اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں لیکن اکثر وصف ایسے ہیں کہ ان کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک نیکی زبانوں پر چلا جاویگا۔ میں نے کہا۔ اگر تھوڑا سا احوال اُس کا مفصّل بیان کرو۔ تو میں بھی سنوں۔ اور اُس پر عمل کروں۔ تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے بیان کرنے لگا۔

قصہ حاتم طائی کا

حاتم طائی . . . ایک بادشاہ عرب کا نوفل نام تھا۔ اُس کو حاتم کے ساتھ بسبب نام آوری کے دشمنی کمال ہوئی بہت سی فوج دشمن جمع کر کے لڑائی کی خاطر چلا آیا۔ حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا۔ یہ سمجھا کہ اگر میں بھی جنگ کی تیاری کروں۔ تو خدا کے بندے مارے جائیں گے۔ اور بڑی خونریزی ہوگی۔ اس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا۔ یہ سوچ کر تن تنہا اپنی جان لے کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا۔ جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی۔ حاتم کا سب اسباب ضبط کیا اور منادی کرا دی کہ جو کوئی حاتم کو پکڑ لائے پانسو اشرفی انعام پائے۔ یہ سن کر سب کو لالچ آیا۔ اور جستجو حاتم طائی کی کرنے لگے ایک روز ایک بڑھیا اور اُس کا بوڑھا، دو تین بچے ساتھ لیے ہوئے لکڑیاں توڑنے کے لئے اس غار میں جہاں حاتم پوشیدہ تھا پہنچے اور لکڑیاں چننے لگے بڑھیا بولی کہ اگر ہمارے دن بھلے آتے۔ تو حاتم کو کہیں دیکھ پاتے اور اُس کو نوفل پاس لے جاتے، وہ پانسو اشرفیاں دیتا تو آرام سے کھاتے۔ اور دکھ دھندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا کیا بڑ بڑ کرتی ہے۔ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پہ دھر کر بازار میں بیچیں، تب روٹی میسر آئے . . . لے اپنا کام کر، حاتم ہمارے ہاتھ کاہے کو آنے لگا۔ کہ بادشاہ سے اتنے روپے دلا دیگا۔ عورت ٹھنڈا سانس بھر کر چپ ہو رہی، ان دونوں کی باتیں حاتم نے سنیں اور مردمی اور مروّت سے بعید جانا کہ آپ کو چھپائے اور جان کو بچائے اور ان بیچاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔ سچ ہے جس آدمی میں رحم نہیں وہ انسان نہیں قصائی ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کر و بیاں

غرض کہ حاتم نے قبول نہ کیا۔ کہ اپنے کانوں سے سنکر چپکا ہو رہے۔ وہیں باہر آکر بوڑھے سے کہا۔ کہ اے عزیز حاتم میں ہی ہوں۔ مجھ کو نوفل پاس لے چل۔ وہ مجھ کو دیکھ کر جو کچھ روپیہ دینے کا اقرار کیا ہے تجھے دے گا۔ بڈھے نے کہا سچ ہے۔ اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتہ ہے۔ لیکن نہ معلوم وہ تیرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں۔ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ کہ تجھ سے انسان کو اپنی خاطر جمع کے لئے دشمن کے حوالے کر دوں۔ وہ مال کتنے دن کھاؤں گا۔ اور کتنے دن جیونگا۔ آخر مروں گا۔ تو خدا کو کیا جواب دونگا۔ حاتم نے بہتیری منت کی کہ مجھے لے چل میں خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں۔ کہ میری جان و مال کسی کے کام آئے۔ تو بہتر ہے۔ لیکن وہ بوڑھا کسی طرح حاتم کو لے جانے پر راضی نہ ہوا۔ آخر ناچار ہو کر حاتم نے کہا۔ کہ اگر تو مجھے نہیں لے جاتا تو میں خود ہی بادشاہ پاس جا کر کہتا ہوں۔ کہ اس بوڑھے نے مجھ کو پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔ وہ بوڑھا ہنسکر بولا کہ اگر بھلائی کے بدلے برائی ملے تو یا نصیب اس سوال و جواب میں اور آدمی بھی آگئے۔ انہوں نے معلوم کیا۔ کہ حاتم یہی ہے، حاتم کو نرت پکڑ لیا اور لے چلے، وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب نوفل پاس لے گئے تو اُس نے پوچھا۔ کہ ان کو کون پکڑ لایا ہے۔ ایک بدذات بولا کہ یہ کام سوائے میرے کون کر سکتا ہے؟ یہ فتح ہمارے نام ہے۔ اور ہم نے جھنڈا عرش پر گاڑا ہے ایک اور نسرانی والا ڈینگ مار کر بولا۔ کہ میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر کے جنگل سے پکڑ لایا ہوں، میری محنت پر نظر کیجئے۔ اسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا کہ یہ کام مجھ سے ہوا، وہ بوڑھا چپکا کھڑا سب کی شیخیاں سُن رہا تھا اور حاتم کی خاطر کھڑا رو رہا تھا۔ جب اپنی اپنی مردانگی سب بگھار چکے تو حاتم نے کہا۔ کہ سچ بات یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو سب سے الگ کھڑا ہے مجھے لایا ہے۔ اگر قیافہ سے جاننا چاہتے ہو۔ تو دریافت کر لو۔ اور میرے پکڑے جانے کی خاطر جو قول کیا ہے۔ پورا کرو۔ کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے۔ مرد کو چاہئے کہ جو کہے سو کرے، یوں تو جیبھ حیوان کو

Marfat.com

بھی خدا نے دی ہے۔ پھر انسان اور حیوان میں کیا تفاوت ہے؟ نوفل نے اُس بوڑھے کو پاس بُلا کر پوچھا۔ کہ سچ کہہ، اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ کر لایا ہے؟ اُس نے تمام حال کہہ سنایا اور کہا حاتم میری خاطر آپ ہی چلا آیا ہے۔ نوفل حاتم کی یہ ہمت سُن کر متعجب ہوا۔ کہ دل بے تیری سخاوت، اپنی جان کا خطرہ نہ کیا۔ جتنے لوگ جھوٹے جھوٹے دعوے حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے حکم دیا۔ کہ ان کے پانسو اشرفی کے عوض پانسو جوتیاں ان کے سروں پر لگاؤ۔ کہ ان کا بھیجا نکل پڑے۔ وہیں تڑ تڑ پیزاریں پڑنے لگیں، ایک دم میں اُن کے سر گنجے ہو گئے۔ سچ ہے۔ جھوٹ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی اُس کو نہیں پہنچ سکتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور جھوٹ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت لوگ جھوٹ موٹ بکے جاتے ہیں۔ لیکن آزمائش کی وقت سزا پاتے ہیں غرض ان کو موافق اُن کے انعام دے کر نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا۔ کہ حاتم سے شخص سے فیض پہنچتا ہے۔ اور محتاجوں کی خاطر اپنی جان تک سے دریغ نہیں کرتا اور خدا کی راہ میں سرتاپا حاضر ہے۔ دشمنی کرنی اور اس کا مدعی ہونا، آدمیت اور انسانیت سے بعید ہے۔ تواضع اور تعظیم کر کے پاس بٹھایا۔ اور حاتم کا ملک و املاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا۔ وہیں چھوڑ دیا، نئے سر سے سرداری قبیلہ طے کی اسے دی۔ اور اس بوڑھے کو پانسو اشرفیاں اپنے خزانہ سے دلوادیں، وہ دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے سُنا، جی میں غیرت آئی اور یہ خیال گزرا۔ کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس تھا۔ جس نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا۔ کہ آج تک مشہور ہے میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں۔ اگر اس نعمت سے محروم رہوں۔ تو بڑا افسوس ہے۔ دنیا میں داد و دہش سے بڑا کام نہیں۔ اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دیتا ہے۔ اُس کا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانا بوتا ہے۔ تو

Marfat.com

اُس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے۔ یہ دل میں ٹھان کر میرِ عمارت کو بُلوا کر حکم دیا۔ کہ ا
عالیشان عمارت، جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں۔ باہر
جلد بنوا کر اطلاع دے، تھوڑے عرصہ میں ویسی ہی وسیع عمارت، جیسا ک
چاہتا تھا۔ بن کر تیار ہوئی۔ اور اُس مکان میں ہر روز ہر وقت فجر سے شام تک
اور بیکسوں کو روپیہ اشرفیاں دیتا۔ اور جو کوئی جس چیز کو چاہتا۔ اُسے مالا مال کر
غرض چالیسوں دروازوں سے حاجتمند آتے۔ اور جو چاہتے سو لے جاتے۔ ایک روز
ہے۔ کہ ایک فقیر نے سرائے کے دروازہ پر آکر سوال کیا۔ مَیں نے اُسے ایک اشرفی د
پھر وہی دوسرے دروازہ پر آیا۔ اور دو اشرفیاں مانگیں۔ مَیں نے پہچان کر درگزر ک
دیں، اسی طرح اُس نے ہر ایک دروازہ سے آنا۔ اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شر
کیا۔ اور مَیں بھی جان بوجھ کر انجان ہوا۔ اور اس کے سوال کے موافق دیا۔ آخر چالیس
دروازہ کی راہ سے آکر چالیس اشرفیاں مانگیں، وہ بھی مَیں نے دلوا دیں، اتنا کچھ لے کر
درویش پھر پہلے دروازہ سے گھُس آیا۔ اور سوال کیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔ او
اے لالچی تو کیسا فقیر ہے۔ کہ فقر کے تینوں حرفوں سے بالکل واقف نہیں۔ فقیر کا عم
پر چاہئے۔ فقیر بولا، بھلا داتا تمہیں بتاؤ۔ مَیں نے کہا، ف سے فاقہ، ق سے قناعت
سے ریاضت نکلتی ہے۔ جس میں یہ باتیں نہیں وہ فقیر نہیں، اتنا جو تجھے ملا ہے۔ ا
کھا پی کر آئیو۔ اور جو مانگے گا لے جائیو۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے لئے ہے۔ نہ جمع
کے لئے ۔ اے حریص چالیس دروازوں سے تو نے چالیس اشرفیاں تک لیں۔ ا
حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیر کیسطرح کتنی اشرفیاں ہوئیں اور اس پر بھی حرص تجھے پھر
دروازے سے لے آئی۔ اتنا مال جمع کر کے کیا کرے گا۔ . . اب حیا و شرم کر اور صبر
کو کام فرما۔ . . فقیر میری باتوں کو سُن کر خفا اور بد دماغ ہوا۔ اور جتنا مجھ سے لے کر
کیا تھا۔ زمین پر ڈال دیا۔ اور بولا بس بابا اتنا گرم مت ہو، اپنی کائنات رکھ چھوڑ اور
سخاوت کا نام نہ لیجیو۔ . . سخی کے بھی تین حرف ہیں۔ اُن پر عمل کرو۔ تب سخی کہلاؤ
. . . س سے سمائی اور خ سے خوفِ الٰہی اور ی، سے یاد رکھنا اپنی موت کو"

Marfat.com

طرزِ تحریر — اس میں شک نہیں کہ میر امّن نے نوطرزِ مرصّع کو پیشِ نظر رکھ کر باغ و بہار کا قصہ لکھا ہے۔ لیکن دونوں کے طرزِ بیان میں بے حد فرق ہے۔ تحسین کی عبارت رنگین ہے اور تشبیہات اور استعارات سے پُر ہے۔ جو بعض اوقات کانوں کو کھٹکتی ہے۔ میر امّن کی زبان صاف اور شُستہ ہے۔ اور اس قدر مرغوبِ طبع ہے کہ آج ڈیڑھ سو برس کے بعد بھی آج اس قصّے کو پڑھتے چلے جائیے طبیعت نہیں اُکتاتی۔ نوطرزِ مرصّع سے چند سطریں بطورِ نمونہ نقل کی جاتی ہیں :-

"بعد ایک لمحے کے وہ ماہِ شبِ چہار دہم رونقِ افزا حدیقۂ فردوس نما کی ہوکر اوپر مسندِ رلبفت نقرئی کے جلوہ آرا ہوئی، واہ جی واہ، جس وقت وہ قمرطلعت داخلِ باغچہ، جنت کی ہوئی، عطرِ گلاب رخسارۂ زلیخائے شبِ مہتاب کا تقویت بخشِ دماغ تماشائیو زینت آرا بزمِ کامرانی کا ہوگیا۔ اور یوسفِ عکس بیاضِ نگینہ ہائے الماس انجم کا بزمِ مینا رنگ سبزہ زمیں خلد آئین کے زیبِ افزا دیدۂ نورانی کا ہوا۔ ؎

کنے کیا خرام چمن میں کہ اے صبا   لاتی ہے بوئے یار سے بھر بھر کے جھولیاں

نوعروسان شببوگیں اوپر فرشِ چاندنی کے لباسِ نقرہ سے بہار افروز دلفریبی و دلربائی اور ماہ رویان نسترن آگیں اوپر بساطِ چمن کے خلعتِ سیمیں سے رونق افروز خوشنمائی کے تھیں"

برخلاف اس کے میر امّن جو کچھ لکھتے ہیں اپنے وقت کی نہایت فصیح اور سلیس زبان میں اظہارِ خیال کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ ہر موقع کے مناسب اور برجستہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ہر کیفیت اور واردات کا نقشہ نہایت خوبی کے ساتھ کھینچا ہے۔ طوالت اور فضول لفاظی سے کاغذ کو سیاہ نہیں کیا۔ سلوگی کے ساتھ متانت اور لُطفِ بیان کو قائم رکھا ہے۔ اور یہی کمالِ انشاپردازی ہے۔ وہ قدیم فارسی تشبیہوں اور استعارات کو بھی کلام میں لاتے ہیں۔ لیکن اپنے یہاں کے لطیف استعاروں اور تشبیہوں کو فراموش نہیں کرتے وہ اُن کو برابر استعمال کرتے ہیں۔ جن سے کلام کا لُطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر لکھتے ہیں۔ ہمیشہ اقبال اُن کا زیادہ رہے۔ جب تلک گنگا جمنا

Marfat.com

ہے" یہاں گنگا جمنا کے الفاظ کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور چونکہ آنکھوں کی دیکھی چیز ہیں۔ اس لیئے اُن کا پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ برعکس اس کے اگر فارسی کے تتبع میں دجلہ و فرات کہا جاتا۔ تو بالکل بے جوڑ سی بات ہو جاتی۔

میر امن ہر حالت اور موقع کو ایسے الفاظ سے آنکھوں کے سامنے لاتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کو اپنی زبان پر پورا عبور حاصل ہے۔ مثلاً آتشبازی کھانے پینے، بجری سواریوں اور مختلف خدمت کے ملازموں اور مختلف ساز و سامان کو جب وہ بیان کرتے ہیں۔ تو ان کے الفاظ کو پڑھ کر داد دینی پڑتی ہے۔ اور زبان سے بے ساختہ واہ واہ نکل جاتی ہے۔ حفظِ مراتب کا خیال رکھتے ہیں اور موقع محل کے لحاظ سے اُسی قسم کی زبان لکھتے ہیں ایک جگہ فضول خرچی کا نتیجہ اور مفلسی کا نقشہ اس طرح دکھاتے ہیں:۔

"اس درخرچی کے آگے اگر گنج قارون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصہ میں ایکبارگی یہ حالت ہوئی۔ کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے۔ اور چمچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے، کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی۔ تو آنکھیں چرا کر مُنہ پھیر لیتے اور نوکر چاکر خدمتگار بھیلیے، ڈھلیت، خاص بردار، ثابت خانی سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا۔ جو کہے کہ یہ تمہارا کیا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی نہ ٹھہرا۔ اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین تاقے کڑاکے کے کھینچے۔ تاب بھوک کی نہ لا سکا"

آجکل اُن نوکروں کی مختلف خدمات کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ جو اُس زمانہ میں عام ہونگی نہیں معلوم بھیلیے، ڈھلیت، خاص بردار اور ثابت خانی کے سپرد کیا کیا خدمات تھیں ذیل میں ہم ایسے چند الفاظ لکھتے ہیں جو اُس زمانہ کی زبان کی خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں اور اگر آج بھی اُن میں سے بعض الفاظ اختیار کر لیئے جائیں تو بہتر ہو:۔

"جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے" گھر سینا اچھا محاورہ ہے

"جتنے آدمی وہاں کے ہزاری بزاری نظر پڑے" یعنی خاص و عام، امیر و غریب۔

Marfat.com

"مُنہ پر روہٹ آئی" یعنی رونق

"بت کہاؤ" بات چیت

"گھوڑے کو ٹنگیانا" ایڑ دینا۔

"تیسرا دردیش کوٹ باندہ بیٹھا" یہ نشست کی خاص صورت ہے۔

"جب پر چھا ہوا" بھیڑ چھٹ گئی

بعض تبدیلیاں جو آجکل صرف و نحو کے اعتبار سے ہماری زبان میں ہو گئی ہیں۔ وہ بھی قابلِ غور ہیں:۔

"دو کشتیاں امانتِ حضور میں اُس پری کے گزرانیاں" - "یہ باتیں ہوتیاں تھیں" "گھوڑے کی باگیں ڈال دیاں" "شاید تمہاری محنت پر توجہ کر کے تمہوں کو بخش دے" - وغیرہ وغیرہ

میر امن کی دوسری کتاب گنج خوبی سے عبارتِ ذیل بطورِ نمونہ پیشکش ناظرین ہے:۔

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے جب اپنی زندگی کی امانت اجل کے فرشتہ کو سونپی اور اسباب اپنی ہستی کا اس سرائے فانی سے منزل باقی میں پہنچایا کسو شخص نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہو مرنے کے بعد تم پر کیا کیا واردات گزری اور اب کیا حال ہے۔ جواب دیا۔ کہ ایک مدت تئیں عذاب کے عقاب کے پنجے میں اور سختی کے شاہین کے چنگل میں گرفتار تھا ایک بارگی کریم کے کرم سے اس حالت سے چھٹکارا ہوا اور سارے گناہ معاف ہو گئے۔ سائل نے پھر سوال کیا کہ اس کا کیا سبب اور باعث ہے، کچھ تمہیں معلوم ہو تو بیان کرو۔ کہ کس کے وسیلے سے نجات پائی۔ بولے کہ ایک میدان میں مسافر خانہ بنایا تھا۔ شاید کوئی غریب راہ چلتا جیٹھ کے دنوں دوپہر کی دھوپ میں تونسا ہوا اس کے سایہ میں آن کر بیٹھا۔ اُس نے کوئی دم آرام پایا جب ٹھنڈی ہوا اور راہ کی ماندگی سے بری ہوا خوش ہو کر نہایت عاجزی سے بدل دعا دی کہ لے بار الٰہا! اس مکان کی بنا کرنے والے کے گناہ بخش اور اس کی روح کو فردوس کی ہچانوں میں جگہ دے۔ وہیں اس کی دعا کا تیر قبولیت کے نشانہ پر درست بیٹھا۔ میری آورش ہوئی۔ اور جہنم کے گڑھے سے نکال کر بہشت کے غرفہ میں رہنے کا حکم ہوا۔ بیت ؎

ہر چند کہ سب کاموں میں میں غور کروں ہوں نیکی ہی بھلی سب سے ہے اور باقی ہے سب ہیچ

Marfat.com

مولوی شیخ حفیظ الدین احمد

حفیظ الدین نام اور احمد تخلص تھا۔ آپ شاعر تو کیا زیادہ سے زیادہ موزوں گو ہونگے۔ کوئی شعر ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ مولوی کریم الدین مؤلف طبقات الشعرائے ہند نے آپ کا تخلص احمد لکھا ہے۔ لیکن ایک شعر بھی بطور نمونہ نقل نہیں کیا۔ لہذا ہم تخلص تسلیم کئے لیتے ہیں لیکن اُن کے سخن گو ہونے میں ہم کو شک ہے۔

مولوی حفیظ الدین کے جدِ امجد عرب سے ترکِ وطن کر کے دکن میں سکونت پذیر ہوئے دو تین پشتوں کے بعد اُن کے پردادا شیخ حسن دکن کو چھوڑ کر بنگالہ میں جا رہے۔ ان کا خاندان کئی پشت تک فقر و قناعت کی زندگی بسر کرتا رہا۔ بعض بزرگ صاحبِ رشد و ہدایت بھی ہوئے۔ ان کے والد شیخ ہلال الدین محمد ابن شیخ محمد ذاکر صدیقی نے ملازمت اختیار کی۔ اور کلکتہ کے مدرسہ میں جو وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل نے قائم کیا تھا۔ مدرس ہوئے۔ وہ عربی فارسی کے اچھے عالم تھے۔ حفیظ الدین نے اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں رہ کر اسی مدرسہ میں عربی فارسی کی تکمیل کی اور بیس سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر فورٹ ولیم کالج میں عربی فارسی کے اُستاد مقرر ہو گئے۔ ہم نے اپنی کتاب کی پہلی طباعت میں رسالہ اردو کے بیان کے مطابق ان کو دہلوی لکھ دیا تھا۔ لیکن ارباب نثرِ اردو کے مؤلف کی تحقیق سے ثابت ہوا۔ کہ وہ دہلوی نہیں تھے۔ وہ صرف دہلی کے ریزیڈنٹ کے منشی مقرر ہو گئے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ ۱۸۱۵ء میں دہلی میں تھے۔

ڈاکٹر گلکرائسٹ نے درس و تدریس کے علاوہ ترجمہ کا کام بھی ان سے لیا چنانچہ انہوں نے عیارِ دانش کا اردو ترجمہ "خرد افروز" کے نام سے ۱۸۰۳ء میں تمام کر کے ڈاکٹر صاحب کے ملاحظہ میں پیش کیا۔ اِس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

"ایک دن قوانینِ ریختہ کے معلم اول . . . . . مدرس ہندی گلکرائسٹ صاحب بہادر دام دولتہ نے فرمایا کہ ترجمہ عیارِ دانش کا جو فی الحقیقت دانش کی کسوٹی اور آئینِ سلطنت کا دستورالعمل ہے کر۔ حقیر نے اُن کا حکم بجا لاکر ترجمہ کرنے پر کمر باندھی۔ خدا کے فضل سے حسنِ انصرام کو پہنچا اور نام اس کا "خرد افروز" رکھا"

اصل کتاب سنسکرت میں ہے، اس کا ترجمہ عربی میں کلیلہ دمنہ کے نام سے مشہور ہے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ انوار سہیلی کے نام سے شہرت پذیر ہوا ہے۔ جو ملا حسین واعظ نے کیا ہے علامہ ابو الفضل نے غالباً سنسکرت سے ترجمہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیارِ دانش بلحاظ قصہ بھی انوار سہیلی سے مختلف ہے۔ اردو میں شیخ حفیظ الدین نے خرد افروز کے نام سے ترجمہ کیا۔ لیکن اب یہ کتاب نایاب ہے۔ صرف کتب خانۂ آصفیہ میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ شاید فقیر محمد خاں گویا کے ترجمہ کے مقابلہ میں جو انہوں نے بستانِ حکمت کے نام سے کیا ہے، یہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا۔ اربابِ نثر اردو کے مؤلف نے لکھا ہے کہ "خرد افروز میں مترجم نے کیفیت کے عنوان سے ایک طویل پیش نامہ دیا ہے۔ جس میں حمد و نعت کے بعد، اپنا حال، ترجمہ کرنے کا سبب اور پھر اصل تصنیف کی کیفیت بالتفصیل بیان کی ہے۔ اس کے کل سولہ باب ہیں پہلے دو باب اصل پہلوی کے مترجم برزجمہر کے اضافے ہیں۔ جن کو انوار سہیلی کے مؤلف نے حذف کر دیا۔ مگر ابو الفضل نے بحال رکھا۔ ہر باب کے آخر میں باب کا خلاصہ دیا ہے نفسِ مضمون اور ماحصل پر بصیرت افروز نظر ڈالی ہے۔"

کتاب کا نمونہ حسبِ ذیل :-

"برہمن نے کہا نقل ہے۔ کہ روم کی سرحد میں ایک بادشاہ عالی ہمت، بزرگ منش تھا۔ اُس کے دو بیٹے حسین و خوشخو تھے۔ جب بادشاہ نے عالم بقا کے کوچ کا نقارہ بجایا، بڑا بھائی دولت بادشاہی بہ جبر لے کر چھوٹے بڑے سبھوں کے دل کو ہاتھ میں لایا اور بادشاہ کے تختِ سلطنت پر بیٹھا اور خزانہ کا منہ کھول دیا۔ چھوٹے بھائی نے اس ڈر سے کہ مبادا مجھ پر کچھ آفت لاوے۔ وطن چھوڑ کر سفر اختیار کیا اور اکیلا راہ

Marfat.com

دُور دراز کو چلا - اتفاقاً ایک جوان نازنین، خوبصورت کہ جس نے زمانہ کی گردش سے سفر کیا تھا - اُس کے ہمراہ ہوا۔ شاہزادے نے جو اس کے چہرے سے راست بازی دریافت کی۔ اس کی رفاقت سے خوش ہوا - دوسری منزل میں ایک دانا سوداگر بچہ ہوشیار - کہ جس نے گھر بار تج کر سفر کیا تھا ان کو ملا تیسری منزل میں ایک زور آور دہقان بچہ جو کسی باغبان دانا کے نطفہ سے تھا - ان کا رفیق ہوا۔ تمام اذیت سفر کی راحت سے بدل ہوئی - چاروں دوست ایک دل، خوشی سے منزل طے کرتے - اور ایک دوسرے کو دیکھ کر فارغ بال و آسودہ حال رہتے تھے - دور دراز منزل کو طے کرکے شہر نسطور میں پہنچے اور شہر کے ایک کنارے اچھی جگہ اترے کسی کے پاس کچھ خرچ کو نہ رہا تھا - ان یاروں میں سے ایک نے کہا - اب وہ وقت ہے - کہ ہر کوئی اپنا اپنا ہنر دکھلائے اور زورِ بازو سے کچھ بہم پہنچاوے - تو چین سے چند روز اس شہر میں رہیں - بادشاہ زادے نے کہا سب کام خدا کی تقدیر پر موقوف ہیں - آدمی کی کوشش سے سرانجام نہیں ہو سکتے جو لوگ دانا ہیں - اس کی تلاش میں نہیں دوڑتے ہیں - خوبصورت جوان نے کہا حُسن دولت کے حاصل کرنے میں بڑا ایک وسیلہ ہے - جہاں اس کی نمود ہو سو دولت تابع ہوگی - سوداگر بچہ نے بھی حال اپنا ظاہر کرکے کہا - کہ حسن کی پونجی معاملہ کے بازار میں ایک نقد بے بہا ہے اور تھوڑے عرصہ میں اس سے کچھ منفعت نہیں ہوتی ہے رائے صواب و تدبیر درست اور کاروانی و معاملہ فہمی کا فائدہ سب چیزوں سے زیادہ ہے جو یہ سامان اس کو اختیار کرے - جلد اپنے مطلب کو پہنچے - دہقان بچے نے کہا - کہ معاملہ فہمی و کاروانی سب وقت کام نہیں آتی ہے - اکثر میں نے دانا کو حیران اور نادان کو کامیاب دیکھا ہے - بہت سے کسب اور کوششیں ہیں جو آدمی کو کامیاب و مقصد ور بناتی ہیں اور ہنر و حرفہ عقلمند کے سامان و دولت کا وسیلہ ہوتا ہے - جب پھر نوبت شہزادے کی پہنچی - یاروں نے التماس کیا - کہ کچھ اور اس باب میں فرمائیے اُس نے جواب دیا - کہ میں اسی بات پر ہوں - جو میں نے آگے کہی تھی - اور تم جو کہتے ہو کہ صورت کے وسیلہ اور دانش و کسب کے سبب سے دولت ہاتھ لگتی ہے سو میں اس کا

Marfat.com

منکر نہیں۔ پر غرض میری یہ ہے۔ کہ یہ سب کام قضا و قدر کے سلسلہ سے متعلق ہیں حکم الٰہی کے تابع رہا چاہیئے اور اپنے کاموں کو تقدیر کے حوالے کیجئے۔ اور خواہش الٰہی کے منتظر رہیئے۔ جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہماری روزی کے اسباب بھی کر دئے ہیں"

طرزِ نگارش شیخ حفیظ الدین کا طرزِ نگارش بھی اپنے دیگر ہمعصروں کی طرح صاف اور سادہ ہے۔ چونکہ مضمون بھی سنجیدہ ہے اس لئے عبارت میں متانت پائی جاتی ہے۔ زبان اور روزمرہ کی پابندی کی گئی ہے۔ شاعرانہ نزاکتیں اور تکلفاتِ لایعنی جو اُس وقت فارسی زبان کی نثر میں بکثرت موجود تھے۔ اُن سے احتراز کیا گیا ہے۔ جو صاحبان فورٹ ولیم کالج سے متعلق تھے۔ اُن سب کو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہدایت تھی کہ عبارت صاف اور شستہ لکھیں۔ اس کو تشبیہات اور استعارات سے بوجھل نہ بنائیں۔ چنانچہ ان سب بزرگوں نے ان امور کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے یہ ان کی اپنی استعداد تھی۔ کہ کوئی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوا۔ اور کوئی اپنی کوشش کے باوجود ایسی صفائی نہ پیدا کر سکا۔ جیسی کہ توقع کی جاتی تھی۔ بہر حال مولوی حفیظ الدین ہماری رائے میں صاف اور سنجیدہ عبارت لکھنے میں ضرور کامیاب اصحاب میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

میر شیر علی افسوس

آپ، میر مظفر خاں کے بیٹے تھے۔ جو میر قاسم نواب بنگالہ کے داروغۂ توپخانہ تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے۔ میر مظفر خاں کا اصلی وطن نارنول صوبۂ آگرہ تھا۔ مگر چونکہ وہ خود اور اُن کے بھائی سید غلام علی خاں نواب عمدۃ الملک امیر خاں کی رفاقت میں اوقات بسر کرتے رہے۔ اس لئے دہلی ہی میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ اور میر شیر علی دہلی ہی میں پیدا ہوئے۔ سید غلام علی خاں صاحب اقتدار تھے

Marfat.com

اورعارضی طور پر عمدۃ الملک کی وفات کے بعد الہ آباد کے صوبہ بھی رہے ۔بھائی کی وفات بعد سید مظفر خاں ترک ملازمت کرکے بارہ۱۲ برس خانہ نشیں رہے ۔انجام کار نواب بقاء الل خاں نے انہیں بلاکر نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں تین سو روپے کا ملازم کر دیا ۔اُس میں میر شیر علی کی عمر گیارہ برس کی تھی اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ پہنچے ۔دہاں کی صحبتوں نے بچپنے ہی میں شعر کا شوق پیدا کر دیا ۔میر حیدر علی حیران دہلوی کو اپنا کلام دکھانے لگے ،عربی اور علم حکمت کی تحصیل علما نہ تھی ۔

آپ کے والد لکھنؤ پہنچکر کئی برس بعد حسب الطلب نواب میر جعفر خاں مرشد آباد جاکر توپ خانہ کی داروغگی کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے ۔چنانچہ جب شجاع الدولہ اور میر قاسم سرکار انگلشیہ کے مقابل صف آرا ہوئے ۔تو یہ بھی اُن کے ہمرکاب تھے میر جعفر کی وفات کے بعد ملازمت ترک کرکے دکن چلے گئے اور وہیں انتقال کیا ۔میر افسوس خود ابتدا میں نواب سالار جنگ اور ان کے لڑکے نوازش علی خاں کے پاس گیارہ برس تک رہے ۔پھر مرزا جواں بخت ولی عہد نے جو اُن دنوں میں لکھنؤ رونق افروز تھے کلام سُنکر ازراہ قدر دانی طلب فرمایا ۔اور اپنے مصاحبوں میں داخل کرلیا ۔جب صاحب عالم کچھ عرصہ کے بعد دہلی جانے لگے تو یہ ہمراہ نہ جا سکے ۔اور نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں نائب آصف الدولہ کے پاس چلے آئے

چند سال بعد نواب موصوف الصدر نے لارڈ ولزلی گورنر جنرل سے ان کی سفارش کی چنانچہ حسب الارشاد گورنر جنرل کلکتہ گئے اور ڈاکٹر گل کرائسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کے مدرسہ میں اُردو کتابوں کی تصنیف اور تالیف کا سررشتہ آپ کے سپرد ہوا ۔دو سو روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا ۔۱۸۰۹ء میں اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے ۔آپ سے دو کتابیں باغ اُردو جو گلستاں کا ترجمہ ہے اور آرائش محفل جس میں ہندوستان کے تاریخی حالات درج ہیں ۔یادگار ہیں ۔آخرالذکر کتاب کا ماخذ سجان رائے کی کتاب خلاصۃ التواریخ ہے ۔۱۸۰۰ء میں آپ کلکتہ پہنچے تھے ۔اور آپ نے ۱۸۰۲ء میں سعدی کی گلستاں کا ترجمہ کیا تھا ۔

Marfat.com

آجکل دونوں کتابیں نایاب ہیں۔ راقم نے خواجہ غلام الثقلین مرحوم کے کتب خانہ میں گلستاں کا ترجمہ (قلمی) دیکھا تھا۔ افسوس ہے وہ بھی دستیاب نہ ہوا۔ جہاں تک خیال ہے افسوس نے فارسی اشعار کا ترجمہ بھی اردو اشعار میں کیا ہے۔ یہ نایاب اور قابل قدر نسخہ اگر طبع ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔ اتفاق سے خواجہ صاحب نے اپنے رسالہ عصر جدید بر ۱۹۰۰ء میں خود اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور اس کا دیباچہ نقل کیا ہے۔ لہذا عصر جدید سے دیباچہ نقل کرتا ہوں۔ اور دیباچے سے پہلے دو حکایتوں کا ترجمہ بھی جو رسالۂ مذکور میں درج ہے بطور نمونہ پیش کرتا ہوں:-

باب دوم (حکایت گلستاں)

یکے از بزرگاں پارسائے را گفت چہ گوئی در حقِ فلاں عابد کہ دیگراں در حقِ او بطعنہ سخن ہا گفتہ اند۔ گفت برظاہرش عیب نمی بینم و در باطنش عیب نمی دانم۔ ہمی بروئے طعنہ چگونہ کنم ~

ہر کسے را کہ پارسا بینی
پارسا دان و نیک مرد انگار
ورندانی کہ در نہانش چیست
محتسب را درونِ خانہ چہ کار

ترجمہ شیر علی افسوس

ایک بزرگ نے کسی پرہیزگار سے پوچھا کہ فلانے عابد کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں کہ اکثر اشخاص اس کے حق میں طعنہ آمیز باتیں کہتے ہیں۔ کہا اس نے کہ بظاہر اس میں کچھ عیب نہیں دیکھتا۔ اور باطن سے آگاہ اللہ ہے ~

جس کو ظاہر میں متقی دیکھے
اس کے تقویٰ کا تو نہ کر انکار
کھوج مت کر کسی کے باطن کا
محتسب را درونِ خانہ چہ کار

باب دوم (حکایت ہشتم)

بزرگ را در محفلے ہمی ستودند و در اوصافِ جمیلش مبالغہ می نمودند۔ سر برآورد و گفت من آنم کہ من دانم۔ شعر

ایک بزرگ کے تئیں کسی مجلس میں اکثر شخص سراہتے تھے اور اس کے وصفوں کی خوبی میں مبالغہ نہایت کرتے تھے اس نے سر اٹھایا اور فرمایا۔ اے عزیزاں میں جیسا کہ ہوں اپنے تئیں پہچانتا ہوں۔

Marfat.com

کیفیتَ اذیً یا مَن تعی محاسنی
علیٰ نیتی ھٰذا ولم تدرِ باطنی

قطعہ

شخصم بچشم عالمیاں خوب منظر است
در خبثِ باطنم سرِ خجلت نہادہ پیش
طاؤس را بنقش و نگارے کہ ہست خلق
تحسیں کنند و او خجل از پائے زشتِ خویش

دیکھ ظاہر مدح کی، اس میں تمہارا کیا گیا
حالِ باطن کا مرے، مطلق نہیں تم پر کھلا

قطعہ

ظاہر لگے ہے خوب مرا جسم خلق کو
باطن وے بخبس جو ہے، ہوں اُس سے منفعل
نقش و نگار مور کے، سب ہیں سراہتے
زشتی سے اپنے پاؤں کی، لیکن وہ ہے خجل"

پہلا دیباچہ تعریف میں لارڈ صاحب کی اور احوال مترجم کا، اور بعضے عذروں میں کتاب کے

نہالِ حمد پہلے اُس میں بو تو
رہے سرسبز جو نت باغ اُردو
لگا پھر نعت کا اے دوست پودا
کہ تا محشر رہے یہ باغ پھولا
پھر اُس کے بعد نخلِ منقبت کو
لگا رونق جو اُس کی بیشتر ہو

تازگی گلستانِ سخن کی، حمد باغبانِ حقیقی کی ہے کہ اُس نے بوستان عالم کو طرح طرح کے درختوں سے آرائش دی اور رنگ برنگ کے پھولوں سے زینت بخشی اور اُس کے ابرِ رحمت کی بارش سے ہر ایک گل تر و تازہ، نسیمِ فیض سے اُس کے ہر ایک درخت ہرا بھرا۔ ہر گل کی زبان وا ہے اُس کے ذکر میں، جو غنچہ ہے سر بجیب ہے۔ اُسی کے فکر میں قمری اُسی کے طوقِ بندگی میں اسیر، تدرو اُسی کے بندِ عشق سے پابہ زنجیر، شربتِ شوق سے اُسی کے گلہائے چمن سیراب گلستاں ہیں اور اُسی کی گرمیِ محبت سے ہر ایک خارِ خشک بر لب ہے بیابان میں، فاختہ خاکستری لباس سے اُس کی طلب میں کوکو کناں، چنار اُسی کے سوزِ عشق سے گلشنِ دہر میں سوزاں ہے

Marfat.com

جو ابرِ کرم اُس کا برسے ذرا — تو ہر خارِ صحرا ہو گلبرگ سا

بعد اس حمد و نعت کے عاصی شیر علی ابن سید علی مظفر خاں بن میر غلام مصطفیٰ مرحوم و مغفور متخلص بہ افسوسؔ کہتا ہے۔ اصل اس فقیر کی ملک قاف ہے اور قوم سادات لیکن آبا و اجداد جو ہندستان میں آئے۔ اور توطن انھوں نے اپنا قصبۂ نارنول میں کیا۔ اس سبب سے نارنولی مشہور ہوئے۔ مگر جد پدر اس کے، عہد میں بادشاہ محمد شاہ فردوس آرامگاہ کے شاہجہاں آباد میں وارد ہوئے۔ اور رفاقت نواب عمدۃ الملک امیر خاں جنت مکان کی اختیار کی۔ چنانچہ کمال شہرت اُن کو اُس سرکار میں ہوئی۔ تب اُنھوں نے استقامت اور سکونت شہر مذکور میں کی اور اُس کا مولد نیا شہر ہے۔ بعد برہم ہونے سلطنت کے اور وفات نواب صاحب مغفور کے، ایک مدتِ مدید والد مرحوم خانہ نشین رہے آخر دلی چھوڑا اور روزگار بنگالے کے صوبہ داروں کا کیا۔ اُن دنوں میں فقیر کا سن گیارہ برس کا تھا۔ گلستاں پڑھتا تھا۔ اور سیر دیوان دلی کی اکثر کرتا۔ طبیعت موزوں اُن ایام میں بھی تھی۔ چنانچہ کئی شعر اوقات مذکورہ میں بوضعِ قدما کہے تھے، یہ مطلع بھی اُنہی میں سے ہے۔ بیت

ارے پیارے تیرے اُس حسنِ نگیں کا خدا حافظ — تری اُس زلف پرچیں کا محمد مصطفیٰ حافظ

قصۂ کوتاہ۔ والدِ ماجد نواب جعفر علی خان بہادر مرحوم کے واقعہ تلک بھی عظیم آباد میں تھے۔ بعد اس سانحے کے لکھنؤ میں آئے۔ اور حقیر اُن سے دو برس پہلے یہاں آچکا تھا۔ آخر وہ تو حیدرآباد تشریف لے گئے۔ اور بعد چند روز کے وہیں بفضلِ الٰہی بہشت نصیب ہوئے۔ لیکن میں نے بود و باش اپنی یہیں ٹھہرائی۔ اور ابتدائے جوانی سے سرکار میں نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کے پرورش پائی۔ بلکہ جب تک مرشد زادۂ آفاق صاحبِ عالم جہاندار شاہ جنت آرامگاہ رونق افزائے لکھنؤ کے رہے۔ اُسی سرکار میں بعہدۂ مصاحبت سرفراز تھا۔ اُن دنوں بھی فکرِ سخن تھی۔ لیکن تحصیلِ عربیہ میں نہایت مصروف تھا۔ مشقِ سخن اس خام طبع کی اہلِ سخن کے نزدیک پختگی کو پہنچ چکی تھی۔ اور دیوان بھی مرتب ہو چکا تھا۔ چنانچہ کلام اس ہیچمداں کا مرشد

Marfat.com

زادۂ آفاق کو نہایت پسند آیا اور خواصانِ حضور میں بعہدۂ شاعری سرفراز فرمایا۔ بسبب اُن کی قدر دانی کے پھر بسا اوقات بندہ فکرِ سخن ہی میں رہتا تھا۔ غرض جب انہوں نے رحلت فرمائی۔ تب میں نے شعر و سخن ترک کیا۔ بلکہ مشاعرے کی صحبت میں آنا جانا بھی چھوڑ دیا۔ مگر درس و تدریس سے سروکار تھا۔ اور سب کاموں سے بیکار۔ خرچ روزمرہ نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں بہادر کی بدولت جو کچھ کہ مقدور تھا پہنچے جاتا تھا۔ اور تکلیف نوکری کی کچھ نہ تھی۔ غرض اس بزرگ کے اخلاق اور خوبیوں کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ خدا اُس کو جزائے خیر دیوے اور جنت الماویٰ میں درجۂ اعلیٰ عطا کرے کہ ستائیسویں تاریخ روز جمعہ کہ وہی سترھویں ماہ اکتوبر کی تھی۔ سن ہجری بارہ سے پندرہ ۱۲۱۵ تھی اور سنہ ۱۸۰۱ء کہ صاحب جلیل القدر کرنل اسکاٹ بہادر نے مجھے بلوا بھیجا۔ اور کلام میرا سُنا۔ پھر الطافِ نوازش سے فرمایا کہ تو سرکار کمپنی دام دولتہم کے ملازموں میں اسی تاریخ سے سرفراز ہوا۔ بدل جمعی عام کلکتہ کو روانہ ہو کے صاحبِ عالی شان دام ظلہم زبان اُردو کا محاورہ اور صحت دریافت کیا چاہتے ہیں۔ بنا بر اس کے تجھے طلب کیا ہے۔ یہ ہیچمداں اگرچہ لیاقت موافق اساتذۂ سابق کے نہ رکھتا تھا۔ اور اس فن سے بھی دل برداشتہ تھا قدر دان جو اُس بزرگ کو دیکھا اور صاحبوں کو جوہر شناس سمجھا۔ فی الواقع قدر دان اہلِ فن اور عزت بخش صاحبانِ سخن ان سے بہتر کوئی نہیں اور ان کی سرکار مجمع علماء و طلبا ہے۔ عازم اُس ملک کا ہوا۔ اور آب و دانہ یہاں لے آیا۔ غرض صاحبانِ ذوی الاحترام کی قدر دانی جیسی سُنی تھی اُس سے دوچند دیکھی۔ واقعی ملک میں اُنہی کے سبب اس ہیچمداں کی اس قدر عزت ہوئی اور اُس کے کلام نے اس قدر رونق پکڑی ورنہ یہ کس قطار میں اور اُس کا کلام کس شمار میں۔ لیکن تعلق میرا جو مدرسۂ ہندی سے ہوا، بنا بر اس کے بسا اوقات خدمت میں صاحبِ عالی طبیعت والا فطنت مدرس ہندی مسٹر جان گلکرائسٹ صاحب دام ثروتہ کے کہ جامع قوانین اس زبان کے ہیں حاضر ہونے لگا۔ ایک دن صاحبِ موصوف نے مہربانی سے فرمایا کہ گلستان سعدی شیرازی کا زبانِ اُردو میں ترجمہ کرو۔ میں نے ڈھیلان کیا۔ کہ عبارت اُس کی بظاہر صاف و بباطن پیچدار ہے۔ علاوہ اس کے عبارت کا اختلاف

Marfat.com

بے شمار ہے اور رتبہ اپنی قوتِ تالیف کا اور شیخ مرحوم کی تصنیف کا جو خیال کیا۔ تو کسی طرح کی نسبت نہ پائی۔ مصرع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ارادہ کیا کہ اس سے پہلو تہی کرے۔ اور سرِ عجز آگے دھروں۔ پھر دل میں سوچ آیا۔ کہ مبادا حاشیۂ خیال میں اُن کے گزرے کہ اس نے ہمارا کہنا نہ مانا اور اس بات کو سہل جانا تب قصد کیا کہ ایک حکایت طولانی کہ نظم و نثر اُس میں کثرت سے ہو اُسے ترجمہ کردوں۔ اگر بخوبی سرانجام ہوئی اور اہلِ معانی کی پسند پڑی تو فبہا۔ والّا صاحب ممدوح سے اِس امر کی معافی چاہوں گا۔ چنانچہ قاضی ہمدان کی حکایت کا ترجمہ کیا اور وہ علما، عقلاء و شعرا کہ یہاں تھے۔ اُن کے پسند پڑا۔ تب اِس ضعیف نے کمرِ ہمت بقوت باندھی اور سعی بلیغ کی۔ بارے فضلِ ایزدی اور لطفِ سرمدی سے تمام کتاب زبانِ اردو میں لکھی اور وہ مقبول خاص و عام ہوئی۔ نام اُس کا باغِ اُردو رکھا۔ چنانچہ اُس کی شروع کی تاریخ بھی اسی میں سے نکلتی ہے۔ قطعہ

میں تاریخ اُس کی جو چاہا مع نام   کہوں کھول دل جب بآئینِ نکو

کہ اس میں ہاتفِ غیبی یہ بولا   ہے آغازِ اُردی باغِ اردو

(میری رائے میں دوسرا مصرع کہوں دل کھول با آئینِ نیکو" اور چوتھا مصرع کہ ہے آغاز اُردی باغِ اُردو" پڑھنا چاہئے۔ تاکہ ایک بحر میں قطعہ ہو جائے۔ آغاز اُردی سے ۱۲۲۴ھ تاریخ اختتام اور باغِ اردو سے تاریخ آغاز یعنی ۱۲۱۴ھ نکلتی ہے) تنہا

لیکن فی الحقیقت یہ کتاب جب مقبول ہوئی۔ جو حضور میں امیر والاتدبیر معادلِ بے نظیر، پشت پناہِ کہتر و مہتر، غریب پرور، قدر افزائے علما و شعرا، راحت رسانِ سینہ ریشاں، چارہ سازِ بیچارگاں و درویشاں، بانیٔ مدرسۂ علم و فضل، ماحیٔ بنیادِ ظلم و جہل۔

مثنوی

حمایت اگر اُس کی پشہ بھی پائے   تو ہاتھی کو ہرگز نہ خاطر میں لائے

جو ابرِ کرم اُس کا برسائے زر   تو ہر ایک گدا لیویں دامن کو بھر

Marfat.com

بیاں کیا کروں دانش و عقل کو　　فلاطون بھی اُس سے تعلیم ہو
سخاوت شجاعت کرامت کرم　　عیاں اُس میں ہیں سب یوجہ اتم

زبدۂ نوئینان عالی شان، مشیرِ خاص شاہِ کیوان بارگاہِ انگلستان مارکوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے قبول ہوئی۔ بیت

پسند آئی اُس کو جو اُس کی بہار
رہے تازگی اُس کی لیل و نہار

اگرچہ اس باغ کے گل اور پھول بے مقدار ہیں اور کمتر از خار لیکن توقع اُس ابرِ کرم سے یہ ہے کہ متوجہ اس پر ہووے اور اپنے تفضلات کی بارش سے شاداب کرے کہ مینھ ہر جگہ کو برستا ہے۔ گل و خار اُس کے فیض سے کوئی محروم نہیں رہتا۔ شعر

کرم سے ہوں تیرے یہ اُمیدوار　　نظر مہر کی اُس پہ ہو ایک بار

یہ کئی سطریں عذروں میں ہیں۔ ارباب فطنت و صاحبانِ طبیعت پر ظاہر ہووے۔ کہ فقیر نے اُس کی نظم و نثر کا مطلب مع عربی موافق اپنے مقدور کے نہیں چھوڑا۔ مگر زیادہ کمی کہیں کہیں ہے۔ اور حسنِ نظم و نثر میں اختلافِ نسخ دیکھا ہے یا اختلافِ معانی، بعضے جا تو ہر ایک کا ترجمہ کیا ہے۔ اور بعضے مقام میں جس کی ترجیح اپنے نزدیک ٹھہری ہے اُس کا کیا ہے اور مرجوع کو ترک کسی مقام میں ہو بہو کرنے میں آیا ہے کہ محاورے سے اند کے تفاوت ہو گیا ہے، پر اکثر رعایت محاورے ہی کی منظور رہی ہے۔ سبب اِس کا اہلِ سخن اور صاحبانِ فہم پر اند کے تامل میں کھلجائے۔ اور چند موضع میں لفظ تو کہ فارسی ہے یا بائے خطاب جیسے گفتی سفتی میں ہے۔ معروف کیا گیا۔ اگرچہ صاحبانِ اردو گفتگو میں بیچ اول موضعوں کے اُس کو نہیں بولتے۔ بلکہ تعظیماً لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بنا براس کے کہ کتاب ملمعا شعار میں ہے۔ چنانچہ اکثر کلام شعراء کا قصائد مدح میں اسی پر شاہد ہے یہ ہیچداں نہیں کہتا کہ کلام میں میرے کہیں غلطی نہیں ہے۔ یا کوئی اس کتاب کے مطالب ریختے کی زبان میں بیان نہ کر سکے گا۔ لاکن اتنا البتہ کہ یہ خالی مطالب سے نہیں ہے اور جو کوئی ایسا ارادہ کرے گا۔ تو قدر اس بے مقدار کی جانے گا۔ اب اُمید اہلِ نظر سے یہ

Marfat.com

ہے۔ اگر کہیں کہیں قبائح اس میں دیکھیں تو اُن کو دامن کرم سے چھپا دیں اور زبان پر نہ لاویں۔ کہ انسان کا کلام ممکن نہیں جو بے عیب ہو۔ خصوص مجھ سے ناقص کا۔ کہ اپنے کمال کو بھی نقصان جانتا ہوں۔ اور جس کا معقول ہو مانتا ہوں۔ غرض دشمنوں کی آنکھوں میں یہ خار ہے اور دوستوں کی نظروں میں گلزار۔ مثنوی

بقا نقش کاغذ کو ہے سالہا — اور انساں کے نقشہ کو ہر دم فنا
یہ ہے طالبوں سے مجھے التجا — کریں میرے حق میں وہ اتنی دُعا
رہے گا سدا گل میں یہ بوستاں — ثبات اپنا لیکن ہمیشہ کہاں
مصنف مؤلف کو کب ہے قیام — نشاں اُن کا رہتا ہے بس اک کلام
بعشرت کروں باغ دنیا کی سیر — ہو آخر مری عاقبت بھی بخیر

شکر ہے لا انتہا اللہ کا
ختم کس خوبی سے دیباچہ ہوا

آرائش محفل

ترجمہ یا تالیف اس نام کی ایک کتاب میر شیر علی افسوس کے ہمعصر سید حیدر بخش حیدری نے بھی لکھی ہے لیکن وہ قصہ کہانی کی کتاب ہے اور یہ کتاب دراصل خلاصۃ التواریخ مصنفہ منشی المناشی سجان رائے بھنڈاری بٹالوی کا ملخص ہے اور کہیں کہیں مترجم نے اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا ہے۔ اگرچہ مسٹر ڈبلو۔ ناسولیز کے نزدیک اصل فارسی کتاب کا شمار مستند تواریخ میں نہیں ہے اور اس کا یہ ترجمہ قصہ کہانی کی کتاب سمجھا جاتا ہے اور زبان کی عمدگی کے سوا اسمیں کوئی خوبی نہیں ہے تاہم سچ بات یہ ہے کہ میر شیر علی نے حتی المقدور اصل کتاب کی خوبیاں برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے اور ہرگز اپنی طرف سے تاریخ کی غلط یا بےبنیاد نہیں کی تاریخ جو فارسی زبان میں ہے۔ ہنوز قابل قدر ہے۔ اُس میں جابجا تحقیق و جستجو کے نظارے پائے جاتے ہیں۔ لیکن بعض امور جو

Marfat.com

خود مصنف کے قلم سے نکلے ہیں اور ترین قیاس و عقل نہیں ہیں اُن کا ترجمہ جوں کا توں کر دینا اصل کتاب کے تتبع کی مجبوری بیان کرنے کے بعد اپنی برأت کا اظہار غالباً مسٹر لیز کو ناگوار ہے۔ وہ یقیناً اس الزام کو جو اصل مصنف پر عائد ہوتا ہے۔ مترجم کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنے دیباچہ میں جو انگریزی زبان میں ہے اور یکم مارچ ۱۸۶۲ء کو لکھ کر کتاب کے ساتھ چھپوایا ہے۔ اس بات کا بھی مضحکہ اڑایا ہے کہ میر شیر علی افسوس نے اپنے آپ کو اس کتاب کا موئف ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ اُس نے خود نہ کوئی تحقیق و تدقیق کی ہے۔ اور نہ دیگر کتب تواریخ سے اُس نے کوئی مدون کی ہے۔ بلکہ وہ اس کتاب کا صرف مترجم ہے اور اس کے ساتھ ہی دیگر ہندوستانی مصنفوں اور مؤلفوں کو بھی لے ڈالا ہے اُن کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

. . . اکثر لوگوں کا مقصد بد دیانتی پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ اصل مصنف کو مترجم کی ذات میں گم کر دیا کرتے ہیں۔ شیر علی افسوس بھی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اُس نے آرائش محفل کو ایک تالیف کے طور پر پیش کیا ہے چنانچہ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے۔

ہندی زبان میں ہندو راجگانِ دہلی جو ڈھسرٹ سے لے کر پتھورا تک کی تاریخ جو خلاصۃ الہند اور دیگر مستند کتبِ تاریخ سے تالیف کی گئی "

(یہ عبارت انگریزی دیباچہ مذکور سے ترجمہ کی گئی ہے۔ ہمارے پاس جو نسخہ کتاب مذکور کا ہے اُس کا سرورق غائب ہے۔ نہیں معلوم یہ عبارت یا اُس کے ہم معنی الفاظ اس اڈیشن میں بھی باقی رکھے گئے تھے یا نہیں۔ ہم نے ایک اور نسخہ بھی بہم پہنچایا اور غالباً اس سے بھی پرانا ہے۔ لیکن اس کا بھی سرورق غائب ہے۔)

بہر حال مؤلف یا مترجم نے اپنے اس کارنامے کو ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے صاحب عالیشان عادل زماں مسٹر ہارنگٹن بہادر دام دولتہٗ نے ترجمہ کرنا خلاصۃ التواریخ کا تجویز کیا۔ بلکہ فرمایا کہ صاحبانِ کونسل کا بھی حکم یہی ہے۔ فقیر نے اس امر کو مقتضائے حال کے جو موافق دیکھا۔ بہ رغبت تمام اُس کے مطالب کو زبانِ اردو میں لکھنا شروع کیا

Marfat.com

بطور تالیف۔ . . . خلاصتہ التواریخ کا ترجمہ نہیں کیا۔ ہاں مضمون اس کا اس زبان
میں لکھا ہے۔ اور کمی زیادتی کا بھی جہاں موقع دیکھا ہے۔ وہاں کی ہے لیکن صوبے اور سرکاروں
کی حالت میں اکثر اور تعلقوں کے احوال میں کمتر سبب اس کا تغیر و تبدل ہے۔ خواہ آبادی کی
کثرت سے ہو۔ خواہ ویرانی و خرابی کے باعث اور بعضے شہر قصبہ کا اُسی نہج پر۔ رہنے دیا،
یہاں تک کہ صیغے بھی عبارت میں حال ہی کے لکھے۔ ہر چند اس عہد میں وہ اس رنگ
نہیں۔ بلکہ کہیں سے کہیں تفاوت ہو گیا ہے۔ مگر آمدنی ہر ایک صوبے کی جو عالمگیر کی
سلطنت میں تھی۔ وہی لکھی۔ کیونکہ مطابق اس دور کے دریافت کر کے لکھنا محال تھا
بعضے صوفیہ کی کرامت و خرق عادت اور اُن کی درگاہوں کے احوال و تصرفات جو
ثبت کئے فقط کتاب مذکور کی مطابقت کے لئے بلکہ اسی لحاظ سے ہنود کے فقیر اور
عابد کے بھی اوصاف و احوال کو خلافِ عقل و عقیدہ نہ سمجھ کے۔ لکھنے میں آئے"
اس تحریر کے بعد یہ گتھی تو مزور سلجھ جاتی ہے۔ کہ شیر علی افسوس اپنی کتاب کو کیوں
تالیف قرار دیتا ہے۔ اور ترجمہ نہیں کہتا۔ ظاہر ہے کہ تلخیص کو ترجمہ نہیں کہا جا سکتا۔
علاوہ ازیں بعض مقامات پر افسوس نے اصل کتاب سے اختلاف کیا ہے اور دیگر کتب
کا حوالہ دیا ہے۔ نیز مؤلف نے جا بجا موقع اور محل کے لحاظ سے اپنے اشعار لکھے ہیں۔
جن کی تعداد سیکڑوں تک پہونچتی ہے۔ لہٰذا ہم آرائش محفل کو خلاصتہ التواریخ کا ترجمہ
صحیح معنی میں نہیں کہہ سکتے اور افسوس کے ہم زبان ہو کر یہی کہیں گے کہ خلاصتہ التواریخ
کے مطالب کو زبان اردو میں لکھا ہے۔ مگر بطور تالیف"
مسٹر لیز کی رائے میں زجو پروفیسر ڈوسن کی تقلید میں سجان رلئے کو سبحان رائے
اور مصنف کے وطن بٹالہ کو پٹیالہ پڑھتے اور لکھتے ہیں) صاحب سیر المتقدمین والمتاخرین
نے ہندو راجاؤں کے حالات لفظ بلفظ اسی کتاب سے لئے ہیں اور غریب سجان رائے
کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ان کی رائے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب اور شیر علی افسوس
دونوں سازش کر گئے ہیں کہ سجان رائے کو اُس کی علمی کد و کاوش سے محروم کر دیں۔ اور
اس کی تحقیق کو اپنی تحقیق کے نام سے شائع کریں۔ ہمیں سیر المتقدمین والمتاخرین سے

Marfat.com

توکوئی تعلق نہیں۔ اور اُس کی لوٹ کھسوٹ کے متعلق کچھ لکھنا ہمارے دائرۂ عمل سے باہر ہے لیکن میر شیر علی افسوس کی نسبت جو مسٹر لیبر کو شکایت ہے۔ وہ بالکل بیجا اور خلاف واقعہ ہے۔ ہرگز افسوس نے منشی سبحان رائے کے کارنامہ پہ پردہ نہیں ڈالا اپنے دیباچہ میں ذکر کرنے کے علاوہ متن میں بھی چند مقامات پر خلاصۃ التواریخ کا حوالہ دیا ہے۔ البتہ نہیں معلوم کاتب کی غلطی سے یا مؤلف کی بے احتیاطی سے کہیں کہیں خلاصۃ التواریخ کی بجائے خلاصۃ الہند چھپا ہے۔ کیا مسٹر لیبر یہ پسند کرتے ہیں کہ ہر صفحہ پر "از خلاصۃ التواریخ، از خلاصۃ التواریخ" لکھا جائے۔ تاکہ منشی سبحان رائے کا نام مترجم کی ذات میں گم نہ ہو۔ ورنہ اُس پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ افسوس ہے۔ کہ ہمارے زمانہ میں بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے۔ اور ایک دو جگہ پر حوالہ دینا کافی نہیں سمجھا جاتا۔

واقعہ یہ ہے کہ میر شیر علی افسوس نے خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ الفاظ کی پابندی کے ساتھ نہیں کیا بعض عام مطالب مثلاً حمد وغیرہ خود اپنی طرف سے لکھے ہیں۔ اصل کتاب سے ترجمہ نہیں کئے یا بعض حالات الفاظ کے تغیر کے ساتھ لکھ دئے ہیں۔ لیکن مطلب وہی باقی رکھا ہے اور بعض جگہ اختلاف بھی کیا ہے اور دیگر کتب کا حوالہ دیا ہے بعض جگہ اصل کتاب کے کو حذف کر دیا ہے اور اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً خلاصۃ التواریخ میں حمد اس طرح درج ہے:

"نقاش نگار خانۂ کائنات و مصور کارگاہِ ممکنات چوں اقتضائے آں کرد کہ صور پیرائے عجائب ابداع و چہرہ آرائے غرائب اختراع گردد بوحدت ارادی اربعہ عناصر را باوجود تعاندِ فطری و تخالفِ طبعی باہم امتزاج و اختلاط دادہ بہ رنگ آمیزی ارادتِ کبریا و صنع انگیزی کلکِ قضا انواع نقوشِ غریبہ و اشکالِ عجیبہ بر مرقعِ تکوین نگاشتہ و اشباہ متنوعہ و تماثیلِ مختلفہ را بایں رنگ کون نقش بست . . . . . الخ"

آرائشِ محفل میں حمد کو اس طرح ادا کیا ہے:۔

"حمد کرتا ہوں میں اس خالق کی جس نے ماہیات کو مرتبہ تقرر

کے بعد خلعت وجود کا بخشا اور حقیقتِ انسانی کو زیورِ عقل سے آراستہ کیا۔ شکر کرتا ہوں۔ ایسے منعم کا جس نے نعمتیں انواع و اقسام کی عنایت کیں اور قوتیں مختلفہ ہر ایک عضو کے مناسب جسم واحد میں بخشیں جن کے باعث ہر ذی روح نے اپنے دوست دشمن کو پہچانا اور نیش و نوش کا تفاوت جانا کہ اس سے بچایا اور اس سے لطف اٹھایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

حمد کے بعد صاحب خلاصۃ التواریخ نے نعت نہیں لکھی، اور صاحب آرائشِ محفل نے نعت اور منقبت بھی درج کی ہے۔ پھر اپنا حال لکھاہے۔ کہ یہ کتاب کیوں تالیف کی ہے اور خلاصۃ التواریخ تصنیف کرنے میں جن کتابوں سے مصنف نے مدد لی تھی، اس کا ذکر بالکل اڑادیاہے۔ مملکتِ ہندوستان کی تعریف میں صاحب خلاصۃ التواریخ لکھتا ہے:-

"ہندوستان ملکیست وسیع وولایتی است۔ بس فراخ کہ ولایتِ دیگر بعشرِ عشیرِ آں نہ رسد باوجود وسعت وفسحت ہمہ جا آباد و در ہر جانب ہر ضلع امصار بلاد و قصبات و قریات و رباطات و قلعہ جات مشتمل بر مساجد معابد و خوانق و صوامع و سائر عمارات دل کشا و باغات فرحت افزا و شجرات دلکش و زراعات سبز و خوش و جویبار رواں و انہار جریاں است کہ در ممالک دیگر ایں نوع آبادی و معموری کمتر نشاں می دہند و در مسالک مشارع متعارفہ بہ روئے ہر نہر و ناٖلہ قنطرہ استوار و بر دریا کشتی ہا طیار"

آرائشِ محفل میں اسی مطلب کو یوں تحریر کیاہے:-

جب سے یہ مرکز خالی حیوانات کی آرامگاہ ہوا۔ سیکڑوں، ہزاروں لاکھوں شہر قصبے بسے اور بستے جاتے ہیں۔ کوئی ادنی کوئی اعلیٰ لیکن ہندوستان کی سرزمین کا عالم نرالاہے۔ کوئی ولایت اس کی وسعت کو نہیں پہنچتی اور کسی مملکت کی آبادی اس کو نہیں لگتی۔ یہاں کی ہر ایک بستی میں گھما گھم جا بجا ایک نئی طرح کا عالم ہر شہر و قصبے میں ستھری پاکیزہ پختہ متعدد

Marfat.com

سرائیں مسافر کے واسطے ہر موسم کے اوڑھنے بچھونے اور انواع و اقسام کی غذائیں اکثر بستیوں میں مسجدیں خانقاہیں مدرسے، باغات غریبوں، بیکسوں مسافروں کے لئے متعدد مکانات قلعے بڑے بڑے مضبوط وسعت میں ایسے کہ سیکڑوں گاؤں آبس بسیں اور رفعت میں اس قدر کہ بادل ان کے نیچے برسیں ندی نالے، تالاب، کوئیں لطیف و پاکیزہ ہزارہا پانی ان میں میٹھا اور ٹھنڈا ستھرا بھرا ہوا بڑے بڑے دریاؤں میں کشتیاں، نواڑے بجرے وغیرہ بے شمار شاہراہ کی ندی نالوں پر بیشتر مقاموں میں پل بندھے ہوئے تیار..."

آگے چل کر جہاں صرف واقعات درج ہیں۔ وہاں اصل اور تالیف یا ترجمہ میں بہت کم فرق ہے۔ مثلاً:۔

"قصبہ پانی پت از شہر ہائے متقدمین است دراں شہر مزار شیخ شرف ابو علی قلندر واقع شدہ شیخ بچہل سالگی در دہلی آمدہ بزیارت خواجہ قطب الدین محمد بختیار سعادت اندوخت و بست سال علوم صوری آموخت۔ چوں جذبۂ الٰہی در رسید و آئینہ باطن روشن گردید ہمگی دانش نامہا را در آبِ جمنا انداختہ مسافرت اختیار کرد و در روم رفتہ شمس الدین تبریزی و مولائے رومی کہ مثنوی معنوی از دست و دیگر اولیائے آں دیار را دریافتہ بہرہ وافر اندوخت و بعد سیر ممالک مراجعت نمودہ بپانی پت عزلت گزید و ہماں جا رحلت بہ عالم جاودانی فرمود و بسا خارقِ عادات دیشاں یادگار و مزار مظہر انوار زیارت گاہ اہلِ روزگار است"

"پانی پت ایک قدیم قصبہ ہے شیخ شرف بو علی قلندر وہیں پیدا ہوا اور چالیس برس کا ہو کے دہلی میں آیا۔ پھر خواجہ قطب الدین کی خدمت میں مشرف ہوا لیکن بیس برس تلک علوم ظاہری کی تحصیل میں رہا جب نور ربانی کی تجلی اُس کے آئینۂ باطن میں ہوئی ساری کتابیں جمنا میں ڈبوئیں اور مسافرت اختیار کی۔ جس وقت روم میں پہنچا شمس تبریزی

Marfat.com

مولوی روم سے استفادہ اُٹھایا۔ سوائے ان کے بھی وہاں کے اکثر اولیا سے بہت سا فائدہ پایا۔ ان تمام سیر و تفریح کے بعد اپنے وطن کو پھرا جب وہاں پہنچا، کنج عزلت میں بیٹھا۔ یہانتک کہ جہان سے اُٹھ گیا۔ اُس کے بھی کشف و کرامات کا ایک عالم گواہ ہے اور مزار ایک جہان کی زیارت گاہ"

اصل کتاب کن کن کتابوں کی مدد سے مرتب کی گئی

منشی سجان رائے نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں حسب ذیل کتب کا حوالہ دیا ہے:۔

(۱) رزم نامہ۔ یہ مہابھارت کا فارسی ترجمہ ہے جو نقیب خاں کی نگرانی میں ملا عبد القادر بدایونی اور شیخ محمد سلطان تھانیسری نے کیا ہے اور شیخ ابوالفضل نے اُس پر ایک مقدمہ لکھا ہے۔

(۲) رامائن۔ یہ بھی فارسی ترجمہ ہے اور مذکورہ بالا اشخاص ہی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔

(۳) ہری بنس یعنی سری کشن وغیرہ کے حالات زندگی مترجمہ ملا شیری بقول مسٹر لیز لیکن مولانائے تبریزی بقول اصل مصنف۔

(۴) سری مت بھاگوت جوگ نشٹ جس کو شاہزادہ دارا شکوہ کے حکم سے شیخ محمد اور دیگر علماء نے ترجمہ کیا۔

(۵) گل افشاں جو سنگھاسن بیستی کا ترجمہ ہے۔

(۶) پدماوت جو راجہ رتن سین والیئے چتور کے حالات پر مشتمل ہے۔ جس نے سلطان علاؤالدین شاہ دہلی سے اپنی بیوی پدماوت کی بنا پر جنگ کی تھی۔

(۷) راجہ ولی کا فارسی ترجمہ جس کو ساہو رام نے کیا تھا۔ اور مصنف اس کا بدیاد ہر ہے

(۸) راج ترنگنی مصنفہ پنڈت رگھناتھ مترجمہ مولانا عماد الدین

مسٹر لیز کی رائے میں منشی سجان رائے نے علاوہ ان کتابوں کے اور کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے اور محض نقل پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ داد تحقیق دی ہے۔ لیکن مصنف نے کسی اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔

Marfat.com

ہمارے نزدیک مصنف نے اپنی کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حصۂ اول میں جغرافیہ ہند ہے یعنی ہندوستان کی عام حالت سے بحث ہے۔ اس ملک کی پیداوار، موسم، پھل پھول، جانور، باشندوں کی علمیت، فقرا اور مشائخ کے حالات، فوجی طبقوں اور یہاں کی عورتوں کی توصیف درج ہے۔ دوسرے حصہ میں ملک کے مختلف حصص، آگرہ اور دہلی کے دارالسلطنتوں، الہ آباد، اودھ، بہار، بنگال، اڑلیسہ، اورنگ آباد، برار خاندیس، مالوہ، اجمیر گجرات، ٹھٹھہ، ملتان، لاہور، کشمیر اور کابل کے صوبجات کا ذکر ہے تیسرے حصہ میں ہندوستان کے راجاؤں کا احوال راجہ جدھشٹر سے لیکر راجہ پرتھی راج تک جس کو عام طور پر پتھورا کہتے ہیں لکھا ہے۔ میر شیر علی افسوس نے ان تینوں حصوں کا ترجمہ کیا ہے، جو اصل فارسی کتاب کے ۱۵۹ صفحات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ چوتھا حصہ جو کتاب کی جان ہے اور جس میں مسلمان فاتحین و سلاطین کا ذکر کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ افسوس نے اُس کا ترجمہ نہیں کیا۔ اور کسی دوسرے وقت کے لئے اُٹھا رکھا، یہانتک کہ وہ وقت نہیں آیا۔ اور خود مؤلف یا مترجم کا وقت معہود آپہنچا۔ اس حصہ میں سلطان ناصرالدین سبکتگین سے عالمگیر اورنگ زیب تک سب کے حالات درج ہیں۔ اور صفحہ ۱۶۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۴۴۰ پر ختم ہوئے ہیں۔

چوتھے حصہ کی ترتیب و تدوین میں مصنف نے حسب ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے:۔

(۱) تاریخ سلطان محمود غزنوی از عنصری (۲) تاریخ سلطان شہاب الدین غوری، (۳) تاریخ سلطان علاؤالدین خلجی (۴) تاریخ فیروز شاہی از ضیاءالدین (۵) تاریخ افاغنہ از حسین خاں افغان (۶) ظفر نامہ از مولانا شرف الدین یزدی (۷) تیمور نامہ (نظم) از ہاتفی (۸) تاریخ بابری ترکی مترجمہ عبدالرحیم خاں خانخاناں (۹) اکبر نامہ از علامی شیخ ابوالفضل (۱۰) تاریخ اکبر شاہی از شیخ عطابک قزوینی (۱۱) طبقات اکبری از خواجہ نظام الدین احمد اکبر شاہی (۱۲) اقبال نامۂ جہانگیری از معتمد خاں عرف محمد شریف (۱۳) جہانگیر نامہ از حضرت جہانگیر بادشاہ غازی (۱۴) تاریخ شاہجہانی از وارث خاں (۱۵) تاریخ عالمگیری از میر محمد کاظم،

Marfat.com

(۱۶) تاریخ کشمیری (جو کشمیری سے فارسی میں ترجمہ ہوئی) از شاہ محمد شاہ آبادی (۱۷) اکبر نامہ از شیخ الہند و منشی مرتضیٰ خاں (۱۸) تاریخ بہادر شاہی (۱۹) تاریخ سلاطین (۲۰) دیگر تواریخ ہند۔

اسلوبِ بیان

افسوس کا اسلوبِ بیان نہایت دلکش اور شگفتہ ہے عبارت بعض بعض جگہ مقفیٰ و مسجع ہے۔ مسٹر لیز کی رائے میں ابتدائی حصہ کتاب بلحاظ زبان نہایت شگفتہ اور نفیس ہے اور آخری حصہ کتاب سادہ ہے یعنی مقفیٰ نہیں ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ شیر علی نے واقعات کے بیان میں تو سادگی سے کام لیا ہے اور عام حالت کے ذکر میں مقفیٰ اور مسجع انداز تحریر اختیار کیا ہے۔ اگر افسوس ہر جگہ رنگین اور مقفیٰ عبارت لکھتا تو واقعات کے اظہار میں بیحد دقت ہوتی اور تسلسل قائم نہ رہتا۔ برعکس اس کے عام حالت کا بیان اپنی طبیعت کے اقتضاء کے مطابق مرصع عبارت میں کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ابتدا میں موسموں کا حال، بہار کی تعریف پھولوں کی توصیف وغیرہ درج ہے اور یہ حالات شگفتہ عبارت میں خواہ مخواہ پیش کئے جا سکتے ہیں اور آخر میں تاریخی واقعات ہیں جن کا ذکر سلیس اور سادہ عبارت میں بوجہ احسن ہو سکتا ہے اس لئے مسٹر لیز کو یہ خیال ہوا۔ کہ ابتدائی حصہ کتاب شگفتہ اور دلچسپ ہے اور آخری حصہ ایسا نہیں ہے۔ حالانکہ میر شیر علی کو جہاں کہیں مقفیٰ عبارت لکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس سے ہرگز گریز نہیں کیا گیا۔ اور اس امر میں ابتدائی یا آخری حصہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ اب ہم مثال کے طور پر چند عبارتیں نقل کرتے ہیں۔ جس سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو گی۔

صفحہ ۵۴ "یہاں کے حسین بھی حسن میں بے نظیر اور چمک میں ماہ منیر ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا۔ کہ خوباں سے کوئی ملک خالی ہے۔ لیکن اس سرزمین کے معشوقوں کی چال ہی نرالی ہے۔ تراش اور خراش آن و ادا ناز و انداز سجاوٹ لگاوٹ بناوٹ بانکپن پہن جو یہاں ہے۔ سو کسی اور ملک میں کہاں"

صفحہ ۲۷۶ "امور مملکت بخوبی جاری ہوئے، ظالم سرکش ظلم و سرکشی سے عاری ہوئے۔ ہر ایک نے موافق اپنے حوصلے کے مجلس نشاط ترتیب دی۔ شراب عیش متصل

Marfat.com

چلنے لگی۔ شہر میں کوئی گھر نہ تھا جہاں مبارک سلامت نہ تھی۔ پیر و جوان کا غنچۂ خاطر وا ہوا بلکہ غنچۂ تصویر بھی کھل گیا۔ باشندے شہر کے ایک لخت شاد ہوئے۔ ملک نئے سر سے آباد ہوئے۔ نغمہ پردازوں کی صدا سے گنبدِ فلک گونج اٹھا اور سازوں کے نوا سے فرش سے لے عرش تلک بھر گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

اس کتاب میں کل تین سو صفحات ہیں اور لوہے کے چھاپہ کی چھپی ہوئی ہے صفحہ ۶، ۷ کو آخری حصہ کتاب ہی کہا جا سکتا ہے پس دونوں نمونوں کے دیکھنے کے بعد ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔ کہ افسوس کی عبارت از اول تا آخر یکساں ہے۔ البتہ واقعات کے بیان میں ضرور پھیکا پن ہے اور اس میں اول و آخر کی کچھ قید نہیں ہے۔ واقعات کو مقفیٰ عبارت میں بیان کرنا ذرا مشکل کام بھی ہے۔

صفحہ ۴۸ ، " چنانچہ مہاجن ایسے امین اگر کوئی شخص ہزاروں روپے اپنے مخفی کسی صراف کے پاس بطریق امانت بدون شہادت رکھوائے۔ پھر جس وقت مانگے وہ بے عذر بلا توقف اسی وقت حوالے کرے اور جو کوئی خوفِ راہ کے سبب یا کسی اور باعث اس اقرار پر اپنے روپے اُس کو سونپے کہ میں فلانے شہر میں لونگا یا میرے عیال وہاں ہیں۔ اُن کو پہنچیں تب بھی وہ ایک قلیل نفع پر اُن کو لے کہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر ہندی خط سے بدون لفافہ و مہر اپنے اُس گماشتہ کے نام پر جس کی دکان اُس ملک میں ہے کچھ لکھ دیتا ہے "

صفحہ ۲۰۹ ، " لیکن ایک مدت سے کابل و کشمیر میں شاہ درانی کا عمل ہے اور لاہور میں سکھوں کا۔ چنانچہ بالفعل کہ سن بارہ سے بائیس ہجری میں صوبۂ مذکور کا حاکم رنجیت سنگھ ہے اور سن بارہ سو اٹھارہ ہجری سے صوبۂ اکبر آباد و شاہجہان آباد میں بموجب مرضی ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ صاحبان عالیشان نے عمل کر لیا۔ سابق اس سے مہاراجہ دولت رام سندھیا بہادر کا تھا۔ چنانچہ جرنیل لیک بہادر دام اقبالہٗ نے اُس کے سردارانِ فوج کی لڑائیاں ماریں۔ بلکہ قلعے بھی اُن سے چھین لئے۔ اور اسی سن سے صوبۂ اڑیسہ بھی موالیان کمپنی بہادر دام ظلہم کے قبضے میں آیا۔ آگے اس کے

Marfat.com

رگھوجی بھونسلے کا اُس میں عمل تھا۔ وہاں کا بندوبست کرنیل ہاکٹ بہادر نے کیا"

اس عبارت سے جہاں سادگی بیان ہویدا ہے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ اصل کتاب میں یہ مضمون درج نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ واقعتہً درج ہے۔ کیونکہ یہ واقعات اصل کتاب کی تحریر کے بہت دنوں بعد وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اور میر شیر علی افسوس نے اپنی تحقیق کے بعد ان واقعات کا اضافہ کیا ہے۔

اگرچہ یہ کتاب ۱۲۱۹ھ میں شروع ہو کر ۱۲۲۰ھ میں اختتام کو پہنچی یعنی ۱۸۰۴ء میں اس کی ابتدا ہوئی اور ۱۸۰۵ء میں یہ ختم ہوئی جس کو اب تقریباً ایک سو اکتیس برس ہو گئے ہیں لیکن طرز بیان آج بھی دلکش و مرغوب ہے۔ یہ سچ ہے کہ زبان کی صفائی اور سادگی اس عہد کے نثر نگاروں میں میر امن دہلوی کا حصہ ہے۔ لیکن میر شیر علی افسوس کی تحریر بھی کچھ کم قابل تعریف نہیں ہے۔ اس زمانہ کی فارسی تحریریں سر بسر رنگین ہوتی تھیں سادہ عبارت کو وہ لوگ "عاری" کہتے تھے یعنی جس میں زیب و زینت نہ ہو۔ بہ الفاظ دیگر اُن کے نزدیک سادہ عبارت میں اظہار خیال کے یہ معنی تھے کہ زبان اس کے اظہار میں قاصر و عاری ہے۔ چونکہ گرد و پیش کے حالات کا اثر طبائع پر ہونا ناگزیر ہے۔ اس لئے میر شیر علی افسوس نے فارسی کے تتبع میں رنگین عبارت لکھی مگر اُس کو تشبیہ و استعارات سے فارسی کی طرح اتنا گرانبار نہیں کیا۔ کہ معانی اُن کی بھول بھلیاں میں غائب ہو جائیں اور جہاں کہیں سادہ عبارت لکھی ہے وہ بھی صاف اور واضح ہے۔ ہم میر امن دہلوی کی "باغ و بہار" سے عبارت ذیل نقل کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد میر شیر علی افسوس کی سادہ عبارت، "آرائشِ محفل" سے نقل کریں گے تاکہ ناظرین پر ظاہر ہو جائے۔ کہ میر امن کی عبارت کس قدر میٹھی اور سلجھی ہوئی ہے۔ اور اُس کے مقابلہ میں میر شیر علی کی عبارت گو اس قدر شیریں نہیں ہے تاہم صاف ہے۔ البتہ کہیں کہیں ثقیل عربی الفاظ بھی آجاتے ہیں۔

از باغ و بہار :-

میں نے کہا۔ فرماؤ تو وہ کونسی تدبیر ہے۔ کہنے لگی اگر تو سعی اور محنت کرے تو ہو سکے۔ میں نے کہا میں فرمانبردار ہوں۔ اگر حکم کرو تو جلتی آگ

میں کود پڑوں اور سیڑھی پاؤں تو تمہاری خاطر آسمان پر چلا جاؤں، جو کچھ فرماؤ سو بجا لاؤں۔ ملکہ نے کہا۔ تو بڑے بت کے بت خانہ میں جا اور جس جگہ جوتیاں اتارتے ہیں، وہاں ایک سیاہ ٹاٹ پڑا رہتا ہے۔ اس ملک کی رسم ہے کہ جو کوئی مفلس اور محتاج ہو جاتا ہے۔ اُس جگہ وہ ٹاٹ اوڑھ کر بیٹھتا ہے، یہاں کے لوگ جو زیارت کو جاتے ہیں۔ موافق اپنے مقدور کے اُسے دیتے ہیں . . . . "

از آرائشِ محفل :۔

قصہ کوتاہ کورکھیت کا میدان کہ اب وہ تھانیسر کر کے مشہور ہے ہندوؤں کے نزدیک قدیم تیرتھ اور بڑا معبد ہے۔ بلکہ علما ان کے کہتے ہیں کہ برہما اسی جگہ محض خدا کی قدرت سے بے واسطہ گل نیلوفر سے پیدا ہوا اور خالقِ حقیقی کے حکم سے اس عالم کون و فساد کو اُس نے خلق کیا بنا براس کے اس گروہ کا اعتقاد یہ ہے کہ جو کوئی بشر اپنی جان اس مکان میں دیوے۔ وہ اس جہان میں دوبارہ نہ جنم لیوے۔ اور عاقبت میں بہشت کے بیچ عمدہ تریں مکان پاوے۔ انہوں نے بھی یہی سمجھ کر رزمگاہ وہیں چالیس کوس کے عرصے تک مقرر کی۔ پھر طرفین سے سوار و پیادے کے غول کے غول اور رتھ کے ٹھٹ پرے کے پرے نمودار ہوئے۔ گرد و غبار اس قدر اڑا کہ زمین و آسمان نظر آنے سے رہ گیا۔ کوسِ حربی کی آواز بلند ہوئی اور طبل جنگی کی صدا پیہم آنے لگی نقیب پکارنے لگے اور کڑکھیت للکارنے۔ سورما دنت ہتھیار سجنے لگے۔ اور مارو ہر طرف بجنے لگے۔ بوق صور دم کی صدا سے رعد تھرا اٹھا اور بہادروں کے نعرے سن کر جلادِ فلک کانپ گیا"

اگرچہ باغ و بہار بھی ایک فارسی قصے کا ترجمہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اب یہ ظاہر ہو گیا ہے، کہ "باغ و بہار" دراصل نو طرزِ مرصع، اردو سے مرتب کی گئی ہے۔ اور فارسی قصہ کو کسی قدر

Marfat.com

تغیر و تبدل کیساتھ لکھا گیا ہے۔ لہٰذا میرا من کو وہ دشواری پیش نہیں آئی۔ جو میرافسوس کو . . . . . درپیش تھی۔ کیونکہ خلاصۃ التواریخ کے مضمون کو جوں کا توں اُردو میں لانا پڑا اور حسب منشا اس میں تغیر و تبدل ممکن نہ تھا۔ دوسرے فارسی کتاب کو پیشِ نظر رکھ کر سادہ عبارت لکھنے میں بھی دقّت کا سامنا ہوا ہوگا۔ آسانی اسی امر کی مقتضی ہوئی کہ وہی الفاظ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ رکھ دئیے جائیں۔ چنانچہ اس مقام کی فارسی عبارت حسب ذیل ہے :۔

از خلاصۃ التواریخ :۔

"کورکھیت کہ اکنوں بہ تھانیسر شہرت دارد و شریف ترین اماکن و بزرگ ترین معابد واقع شدہ و بقول دانشمندانِ ہند برہما کہ ذریعہ آفرینش جہانیاں اوست بہ بدائع قدرت صانع بے الت دراں امکنہ شریفہ از گل نیلوفر بہ عالم وجود آمد یا لقائی ربانی ہماں جا عالمیاں را بعرصہ شہود آوردہ انتظام آماتے عالم تکوین وایجاد و نظام پیرائے سلسلہ کون و فساد گردیدہ و اعتقاد آں جماعت آنکہ ہر کس از اہلِ نفوس دراں محل قالب عنصری تہی کند از آمدن دوبارہ در دنیا کہ عبارت از تناسخ بودہ باشد نجات یابد و در عقبیٰ بہشت بریں نصیب او شود۔ لہٰذا آں مکان فیض نشان را برائے کارزار مقرر کرد۔ عرصہ پیکار اہلِ دہشت کہ وہ مقرر گردید و از طرفین افواج چوں دریائے مواج ازلی ہم رسید و بسانِ عساکر ملخ بیروں از حدِّ قیاس منوار می گردید۔ از کثرت گرد و غبار چہرۂ زمین و آسمان ناپید او از بسیاری جوش و خروش بوق زلزلہ انداز و غلغلہ نائے زہرا گداز و آواز دہل قیامت ساز لرزہ در زمین و زماں انداخت و ہوی ہائے لشکر و شور و غوغائے لشکریاں گوش فلک کر ساخت"

وہ الفاظ و محاورات جو آجکل استعمال نہیں ہوتے

ذیل میں وہ خاص الفاظ و محاورات لکھے جاتے ہیں۔ جو آجکل استعمال نہیں ہوتے۔ اور آرائش محفل

Marfat.com

یں جا بجا پائے جاتے ہیں۔ یادگاری بجائے یادگار۔ بہتایت بجائے بہتات ہوتیں ہیں بجائے ہوتی ہیں۔ جاگہہ بجائے جگہ۔ کمتی بجائے کمی یا کم۔ دریاؤ بجائے دریا۔ رنڈیاں بجائے عورتیں۔ بیر بیر بجائے بار بار۔ ڈہڈہی بجائے رنگین و خوشنما۔ نپٹ بجائے بیحد

پچھی	بجائے	شوخ	باڈ	بجائے	ہوا
ہتھیائی پرآوے	″	غضبناک ہو شرارت کرے	اوجھڑیں	″	حملے
ناؤں	″	نام	رکھیا	″	حفاظت
بے مانند	″	بے مثل	ہیں	″	ہی
اسلوب دار	″	با اسلوب	سُبھتا	″	آرام فرصت
پہاڑے	″	پہاڑی	رُپہری	″	رُپہلی
چوکھار	″	عمدہ	جگمگا	″	روشن
بندی دانوں	″	قیدیوں	بُت باہری	″	حدِ امکان سے باہر
چمک تمک	″	چمک دمک	آہر جاہر	″	آمد و رفت
الماس کی ٹلمیں	″	الماس کے ٹکڑے	دیرپائی	″	مضبوطی
رجالے	″	نگینے	جھمکڑے	″	ناز و انداز
جھتوں	″	باریک	النگ	″	دیوار
جاتیاں ہیں	″	جاتی ہیں	گُندہ	″	عمدہ
کنچنیاں	″	رنڈیاں، طوائف	اتی	″	اتنی
چنندہ	″	منتخب، یہ بھی پنجابی	کوہرا	″	کہرا یا کہر
		نقطہ رہائش کی طرح	باسن	″	برتن
		بنایا گیا ہے	نون	″	نمک
پہناوا	″	لباس	لپڑی	″	چھوٹی پگڑی
گڑہوار	″	گاڑھا بمقابلہ مہین	باندہ	″	پشتہ
ات گت	″	ان گت	پرتکیش	″	پرتگیز

Marfat.com

شمیانے بجائے شامیانہ کہوسے بجائے کھوسٹ

راہ پیٹ اوبھٹ " راہ نہایت دشوار گزار ڈائنیں " جادوگرنیاں

پلشت " ناپاک ندان " آخر کار

پہاڑ کے دامنے " پہاڑ کے دامن محکمی " مضبوطی

انوٹھی " انوکھی کواکھدایا " کنواں کھُدوایا

لڑکائی " بچپن سرت " ہوش

نون کا ڈلا " نمک کا ڈلا زیادی " زیادتی

کلگی " کلغی ہہلکے " جائے ہلاکت

نصیبوں میں بدا تھا " نصیبوں میں ہونیوالا تھا۔ شُدنی امر تھا اینچا کھینچ " کھینچا تانی

سابوت " ثابت

بھیچک سا رہ گیا " حیران سا رہ گیا بوجا جاتا ہے " معلوم ہوتا ہے

اپچرائیں " پریاں۔ خوبصورت عورتیں چھیری " لڑکی

منجھولی " چھوٹی بہلی۔ اب بھی کہتے ہیں۔ گینی " بہت چھوٹی بہلی

نام اُس کا بہی باجتا ہے " اُس کے بہی نام سے مشہور ہے۔ عرصہ " میدان۔ ہم لوگ

عرصہ معنی مدت استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ عرصہ معنی میدان ہی صحیح ہے اور معنی مدت غلط ہے لیکن زند لکھنوی نے معنی مدت استعمال کیا ہے۔ لہذا اب دونوں معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ تربوزے کی ریندیاں بجائے چھوٹے چھوٹے خربوزے۔ چرخ۔ کسی جانور کا نام ہے

صفحہ ۱۵۶ پشور بجائے پشاور۔ آب حیات میں آزاد نے سودا کی زبان سے یہ نقطیوں ادا کیا ہے "پشور کی ڈومنیاں"۔ لیکن دوسری جگہ افسوس نے پشاور بھی لکھا ہے۔

کتنی دیر کے بعد بجائے بہت دیر کے بعد۔ بیٹھکے بنا بنا رہتے تھے بجائے بیٹھک بنا کر رہتے تھے۔ اہل لکھنو اب بھی بیٹھکے بجائے بیٹھک استعمال کرتے ہیں۔

خاطر میں نہیں لاتیاں ہیں بجائے خاطر میں نہیں لاتیں۔ اڑتلے سے بجائے باعث (اور انتخاص ان کے کوہسار دشوار گزار کے اڑتلے سے بادشاہی امرا کے آگے سر نہیں جھکاتے)

Marfat.com

کابل جو ایک بادشاہ کے قبضے میں آگئی تھی۔ تو پنجاب بہت آباد ہوئی تھی۔ اب کابل اور پنجاب دونوں کو مذکر لکھا جاتا ہے۔

ثانیاً حال دلی کر مشہور ہوا بجائے ثانیاً اب دلی کے نام سے مشہور ہے۔

جگر یلان فیل تن کا تڑک گیا۔ اب تڑخ گیا ہونا چاہئے۔

بڑا دوڑاک اڑان سنگ بجائے بہت دوڑنے والا اور اُڑنے والا۔

سرچنگ۔ دہول۔ غالب فرماتے ہیں ؎

دہول دھپہ اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

احوال اُس کا یوں کرے۔ یہ محاورہ اب بھی دکن میں استعمال ہوتا ہے۔ شمالی ہند میں "احوال اُس کا یوں ہے" کہنا کافی ہے۔

چیولی بوٹے دار اور ساڑھی یہاں کی مشہور ہے معلوم نہیں یہ چیولی کیا لفظ ہے ممکن ہے چھینٹ کے معنوں میں استعمال ہوا ہو۔

ہُماً = بنگلہ زبان میں جوار بھاٹے کا نام ہما ہے۔ ڈہڈہا = یہ باغ ہمیشہ ڈہڈہا اور ہرا بھرا رہتا ہے۔ ڈہڈہا سے یہ مطلب ہے کہ پھولوں سے رنگین رہتا ہے۔

ان کاریگروں چھٹ۔ سوائے ان کاریگروں کے۔ وصلیہ۔ مشق و مہارت کے لئے جو زربفت کا کپڑا ابتدی بنتے ہیں۔ اُس کو "وصلیہ" لکھا ہے۔

وہ الفاظ و محاورات جو اختیار کرنیکے لائق ہیں

کتاب خانہ دہر۔ ہم لوگ کتاب خانہ کی بجائے کتب خانہ استعمال کرتے تھے لیکن کچھ عرصہ سے موجودہ فارسی کی تقلید میں کتاب خانہ استعمال کرنے لگے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ یہ لفظ پرانا ہے۔ آجکل کا نہیں ہے۔

آم مورانے ہیں۔ مولوی وحید الدین سلیم کو ناز تھا کہ برفانا میں نے ایجاد کیا ہے یہ میر شبیر علی کی ایجاد کہئے کہ وہ بجائے آم میں مور آتا ہے۔ آم مورانے ہیں لکھتے ہیں۔ یہ لفظ قابلِ رواج ہے۔

مینہ ڈڑیڑے سے برستا ہے۔ یہ لفظ بھی قابلِ رواج ہے۔

Marfat.com

چھوٹے ہاتھی کو کمینڈھیا اور بڑے کو کنجل کہتے ہیں - دونوں لفظ اچھے ہیں - جا کا کام تا ہی کو چھاجے - ہندی مثل ہے - اور قابل استعمال ہے

سُبھیتا - مناسب یا آرام دہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے - اچھا لفظ ہے کیونکہ مختصر ہے -

باقی پور - بانکی پور پٹنہ کو لکھا ہے - ممکن ہے اصل نام باقی پور ہو - اور بعد ازاں بانکی پور ہو گیا ہو -

طوطے کی تعریف میں امرت بہیلا اور کجلا لکھا ہے کہ جو کوئی اُس کو پالے اور پڑھائے تو جلد بولے اور مجزبی پڑھے -

دہی وہاں کا چکا اور نہایت خوش مزہ بہت تحفہ - چکا اچھا لفظ ہے - قابل رواج دینے کے ہے -

لباس پنبئی - روئی کا کپڑا - مؤلف نے ایک جگہ روئی دار کپڑا بھی لکھا ہے -

مسلوب العقل - فاتر العقل - اچھا لفظ ہے -

بالاپوش - لحاف - یہ بھی خوب لفظ ہے -

میر آخور - داروغہ اصطبل - یہ لفظ مختصر اور وسیع ہے -

محوط - چہار دیواری یا احاطہ compound کے معنی میں استعمال ہوا ہے

ولندیزہ - اہل ہالینڈ یعنی Dutch کو کہتے ہیں - اب بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے -

کاواک - فراخ قابلِ رواج ہے -

قدغن کیا - سخت حکم دیا - اچھا لفظ ہے اور قابلِ استعمال -

گزندے - نقصان پہنچانے والے جانور - قابلِ استعمال ہے - ہزاروں درندے گزندے وہاں اپنا گھر بناتے ہیں -

تحت الشعاع - خوب ترکیب ہے - جب ماہ تحت الشعاع سے نکلتا ہے -

Marfat.com

ریگ شوئی۔ خاک چھاننے کے معنی میں بہت خوب لفظ ہے (اگر نیار ئیے ریگ شوئی وہاں بیٹھ کر کریں۔ اپنی مٹھیاں سونے سے بھریں)

بِلم۔ غرض ۔اب بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن کم (گرمیوں میں وہاں سے ڈھول اور نقارے کی آواز آتی ہے اور بِلم اُس کی جانی نہیں جاتی)

(افغانوں کی لُٹس۔افغانوں کی لوٹ۔ مولانا حالیؔ نے یہ لفظ خوب استعمال کیا ہے فرماتے ہیں ؎

نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں
یہ گلچینی ہے یا لٹس ہے گلچیں یا ہے قزاقی

تیرِ شست جستہ اور کارِ دست رفتہ کا چارہ نہیں ہے تیرِ شست جستہ اور کارِ دست رفتہ اچھے الفاظ ہیں اور دونوں قابلِ رواج ہیں۔

کوسِ حبی اور طبلِ جنگی دونوں اچھے الفاظ ہیں

عرابہ سوار۔ اسپ سوار

تلورئے۔ تلوار چلانے والے اچھا لفظ ہے۔

گھونگھٹ کھاملی تتر بتر ہونے لگی۔ اچھا لفظ ہے اور قابلِ استعمال ہے۔

علم خلع بدن۔ وہ علم جس سے قصہ کہانیوں میں اکثر ساحر اپنا قالب چھوڑ کر جانور یا دوسرے مردہ آدمی کے قالب میں آجاتے تھے۔ خوب لفظ ایجاد کیا ہے۔

گاڑھ کیوقت تیرا شریک ہوگا۔ مصیبت کے وقت تیرا شریک ہوگا۔

اور طرح بہ طرح کے بخور کرتے ہیں یعنی لوبان وغیرہ جلاتے ہیں۔

بدبو مرکب توصیفی ضرور ہے۔ مگر اب بدبودار استعمال کرتے ہیں۔ اور اس طرح نہیں بولتے "لیکن کوچے اس کے نہایت تنگ و تاریک و بدبو"

وہ حالات جو قرین قیاس و عقل نہیں ہیں

ولایتِ آشام (آسام) کے متعلق صفحہ ۱۲۴ پر تحریر ہے

"قصہ کوتاہ جب راجہ اُس دیار کا مرتا ہے۔ بعضے بعضے مرد رنڈی اس کے خواص و

Marfat.com

خدمتی کو زندہ مع قدرے تجمّل واسباب بلکہ لباس وطعام بھی اُس کے ساتھ سرداب میں دفن کر دیتے ہیں اور کتنے گھی کے چراغ بھی جلا کر اُس مقام میں دھر دیتے ہیں

صفحہ ۱۵۶، ڈائنیں بھی ٹھٹھے کی مشہور ہیں۔ کہ لڑکوں کے کلیجے منتر کے زور سے تُرت لے جاتی ہیں۔ اور ان کی ماؤں کے دلوں میں داغ دے جاتی ہیں۔ صوبۂ کابل کے تحت میں تومان غوربند کی نسبت تحریر ہے صفحہ ۲۰۰

"سوائے اس کے ایک ریگ زار ہے۔ نام اس کا خواجۂ ریگ رواں۔ گرمیوں میں وہاں سے ڈھول اور نقارے کی آواز آتی ہے۔ اور علم اُس کی جانی نہیں جاتی۔ صفحہ ۲۰۵، نگرہ کانگڑہ ایک قلعہ ہے . . . بعضے اپنی حاجت روائی کے لئے زبان کاٹ ڈالتے ہیں کسی کی تو کوئی ساعت کے بعد جوں کی توں ہو جاتی ہے اور کسی کی دو تین دن کے پیچھے۔ عجیب تر اس سے یہ ہے کہ بعضے اشخاص اپنے سر تن سے جُدا کر دیتے ہیں۔ اور رفیق ان کے اُٹھا کر دھڑ پر دھر دیتے ہیں۔ رام کی دیا سے بدستور لگ جاتے ہیں اور وے پھر کر جی اُٹھتے ہیں"

الغرض اس قسم کے دُور از کار بیانات بہت سے اس کتاب میں موجود ہیں۔ مثالاً چند پیش کئے گئے۔ ایک تاریخ کی کتاب میں اس قسم کے حالات جن کو عقل سلیم کبھی باور نہیں کر سکتی حذف کر دینے چاہئیں۔ لیکن خلاصۃ التواریخ میں بھی یہ حالات بجنسہٖ درج ہیں اور افسوس نے اصل مصنّف کی پیروی میں اس قسم کے حالات لکھے ہیں ہم صرف آخری اُردو اقتباس کی اصل فارسی عبارت ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

صفحہ ۷، "شگفت تر آنکہ بعضے بخواہش روائی زبان ببرند برخے را در چند ساعت و بعضے را بعد دو سہ روز زبان درست شود۔ و طرفہ تر آنکہ دراں مکان بعضے سر از تن جدا کنند و رفیقاں باز سر بہ تن او گزارند بحکمت الٰہی از سرِ نو زندگی یابند"

وہ مثالیں جہاں افسوس نے خلاصۃ التواریخ سے اختلاف کیا ہے

"سرکار بنگلا سمندر کے کنارے" کے تحت میں صفحہ ۱۳۲ پر درج ہے۔

Marfat.com

اور خلاصۃ التواریخ میں یہ لکھتا ہے کہ شروع ماہ ہلالی سے چودھویں تک وہاں کے دریا سے موجیں پہاڑ کی برابر ہر روز اُٹھتی ہیں اور پندرھویں سے بتدریج گھٹتی ہیں لیکن تاریخ بنگلہ سے یہ بات دریافت نہیں ہوتی"

آگے چل کر لکھتا ہے صفحہ ۱۳۳

اور ریاض السلاطین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ سابق میں وہاں عمل کوچ بہار کے راجاؤں کا تھا۔ لباس وہاں زن و مرد کا فقط ایک لنگی اور لہجہ گفتگو کا کوچ بہار کے باشندوں سے ملتا ہوا"

صفحہ ۱۹۹ صوبہ کشمیر کے متعلق لکھتا ہے:

"طول اس صوبہ کا قیر سے لے کر کشن گنگ تک ایک سو بیس کوس اور عرض اسی کوس، لیکن آئینِ اکبری میں پچیس کوس لکھا ہے"

بعض حالات سے ذخیرۂ معلومات میں اضافہ

صفحہ ۱۱۶ "شہر کلکتہ زمانۂ سابق میں ایک گاؤں تھا۔ وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ کالی نام یہاں ایک بت ہے۔ اور بنگلہ زبان میں کُتا صاحب کو کہتے ہیں۔ اس سبب سے نام اس کا کالی کتا ٹھہرا۔ پھر رفتہ رفتہ زبانوں کے تغیرات سے ہی گر گئی۔ کلکتہ رہ گیا . . . پُرانا قلعہ اسی کو کہتے ہیں"

صفحہ ۱۳۷، صوبہ مبارک بنیاد اورنگ آباد۔

بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگلے زمانہ میں اس شہر کو دھارا نگر کہتے تھے بعد اس کے نام اس کا دیوگیر ہوا۔ جب سلطان محمد فخرالدین جوناں دہلی کے بادشاہ نے تمام دکھن چھین لیا۔ نام اس کا دولت آباد رکھا۔ اور قلعے کو دارالسلطنت بنایا۔ بعد سلطان موصوف تمام دکھن دلی کے سلاطین کے قبضے سے نکل گیا۔ جب تین سو برس گزرے۔ شاہجہان نے قلعہ مذکور پر پھر قبضہ کیا اور عالمگیر کو صوبۂ مسطور کی صوبہ داری عنایت کی۔ شاہزادے نے قریب اس کے ایک شہر بسایا اور اورنگ آباد نام رکھا۔ رنگ ڈھنگ اس کی آبادی کا دیکھ کر آنکھیں حظ اُٹھاتی ہیں۔ کشادگی سے اس کی دل بستہ ایک

Marfat.com

لخت کھل جائیں - ہوا اس کی بادِ بہاری کی طرح خوش آیند، عمارات وہاں کی ہر ایک صاحب طبع کی پسند - پانی میں وہاں کے شرابِ انگوری کا اثر - ہر فصل اُس مقام میں مانند ربیع تازہ و تر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

صفحہ ۱۳۸، "صوبہ برار"

"ملک مذکور میں چودھری کو دیس مکھ - قانون گو کو دیس پانڈ - مقدم کو پٹیل پٹواری کو کل کرنی کہتے ہیں"

صفحہ ۱۴۸، "صوبۂ گجرات کے تحت میں تحریر ہے۔

"اور تیر و کمان بھی زمانۂ سابق میں وہاں قابلِ تعریف بنتا تھا چنانچہ صاحبِ خلاصہ و مصنفِ آئینِ اکبری دونوں معترف ہیں لیکن ایک مدت سے کمان لاہور کی اس دیار میں مشہور ہے - اور اس سے اُترکر فرید آباد و دکھوے کی"

صفحہ ۹۸، "صوبۂ اودھ کا ذکر کرتے ہوئے لکھنؤ کی نسبت تحریر کیا ہے۔

شعرا بھی جتنے اُس شہر میں ہیں کیا فارسی گو کیا ریختہ گو کہیں نہیں - وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد برہم ہونے شاہجہان آباد کے اکثر غریب امیر میرزایانِ ہندوستان سے نواب صفدر جنگ و شجاع الدولہ بہادر کے عہد میں آکر اس شہر میں بسکونت دائمی ساکن ہوئے پس شہر تو عبارت اشخاص سے ہے یہی دلی ہو گیا اور باشندے بھی اس کے بسبب کثرتِ صحبت و تتبع زبان تلفظ صحیح کرنے لگے - یہاں تک کہ جن کی طبع موزوں تھی شاعر ہو گئے باوجود اس کے بھی لہجے میں تفاوت بہت رہ گیا - لیکن محاورے میں کم کہ زبان داں ہی اس کو سمجھے اور اسی کی طبیعت اُس پر لگے"

صاحب خلاصۃ التواریخ نے لکھنؤ کا حال دو سطروں میں لکھا ہے اور افسوس نے سات صفحوں میں درج کیا ہے - متذکرہ بالا عبارت خود افسوس کی ہے - ترجمہ نہیں ہے

صفحہ ۲۰۶، "صوبۂ کابل کے تحت میں رقم کیا ہے

"اور افغان اپنے تئیں بنی اسرائیل کی اولاد کہتے ہیں - ان کے جد بزرگ کا نام افغان تھا - اُسی کے تین بیٹے ایک کا نام سَرَبن دوسرے کا غرغشت تیسرے کا بٹنی - ان تین

Marfat.com

کی اولاد بکثرت ہوئی اور ہر ایک اپنے جدّ و آبا کے نام سے مشہور ہوا۔ اکوس تریمنی۔ بریچ میانہ۔ خرسین۔ شیرانی۔ اور مر۔ کاسی۔ جمند۔ خویشگی۔ کتانی۔ محمد زئی۔ یوسف زئی خلیل مہمند۔ داؤد زئی۔ ککیانی۔ برکلانی اپنے نسب کا سلسلہ سرین کو پہونچاتے ہیں۔ اور سورانی۔ جیلم۔ ورک زئی۔ آفریدی۔ جکتانی۔ بنگی۔ کرانی۔ کاکڑی۔ عبدالرحمانی۔ عُریانی تامرن۔ غرغشت کو اور شیرزار۔ خضر خیل۔ غلزئی۔ لودی۔ نیازی۔ لوہانی۔ سوری سرّانی اکوزئی بٹن کو۔ اور قومیں انہیں کی اولاد ہیں"

بخوف طوالت زیادہ مثالیں نہیں دی گئیں۔ ورنہ یہ کتاب پڑھنے کے قابل ہے اور قارئین کرام اپنی معلومات میں اس کے مطالعہ سے بہت کچھ اضافہ کر سکتے ہیں۔

اب ہم افسوس کے چند اشعار جو پھولوں کی تعریف میں ہیں۔ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:-

ہے اس مملکت کی عجب گل زمیں ، کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں
دلِ بستہ دیکھ اُن کو ہو باغ باغ جو سونگھے تو بھر جائے بو سے دماغ
گندھے بن گندھے گر وہ محفل میں آئیں تو مجلس کا عالم چمن کا بنائیں
کروں وصف کیا موگرے کا بیاں کہ اک اک کلی اس کی ہے عطرداں
معطر ہے شدت سے بیلے کی باس یہ آتی نہیں حیف عاشق کو راس
جو سوتے میں آجائے اُس کی لپٹ پھڑک جاوے دل نیند جاوے اُچٹ
ہے کرنے کی اس مرتبہ مست بو جو سونگھے اُسے ٹک سیہ مست ہو
مدن بان کی! وہ کھلی ہر کلی پر بھاتی ہے عشاق کی بے کلی
خوش آیند ہے نکہت رائے بیل رہے بزم میں اس کی نت ریل پیل
چنبیلی کی بو ہے نزاکت بھری سچکتی ہوئی سونگھے اُس کو پری
یہ ہیں خوشنما جا بجا جوہی کے پھول کہ دیکھ ان کو بس سرت جاتی ہے بھول
صفائی کا عالم کہوں ان کی کیا کہ پائے نظریاں پھسل ہی پڑا
بہت مونیا کی پیاری ہے بو ہر ایک گل سے اس کی نیاری ہے بو۔

Marfat.com

انوکھی نہ ہو کیونکہ اُس کی کلی

فسائیت اس کی ہے بو میں بھری

اور بھی بہت سے اشعار لکھے ہیں۔ اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ ہندوستان کے ہر پھول کی جداگانہ تعریف کی ہے۔

سیّد انشاء اللہ خاں انشاء

سید، انشاء اللہ خاں حکیم ماشاء اللہ خاں کے بیٹے تھے۔ ان کے بزرگ ہندوستان میں نجف اشرف سے آئے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خطۂ کشمیر کے سادات صحیح النسب سے ہیں۔ وہاں کسی زمانہ میں سمرقند سے آئے تھے۔ پھر دِلّی میں آکر سکونت اختیار کی۔ رفتہ رفتہ امرائے شاہی میں داخل ہوئے۔ اور بعض اُن میں طبل و نقارہ سے بلند آوازہ ہوئے۔ میر ماشاء اللہ خاں دربارِ شاہی میں طبیب تھے۔ اور زمرۂ اُمرا میں داخل تھے۔ ان کے خاندان کی خوبیوں اور گھر کے چال چلن کو دِلّی اور لکھنؤ کے شرفا سب مانتے تھے۔ سلطنتِ مغلیہ کے ضعف کی وجہ سے میر ماشاء اللہ خاں کو مرشد آباد جانا پڑا۔ وہاں بھی اعزاز و اکرام سے رہے اور سید انشا وہیں پیدا ہوئے۔

تعلیم اور شاعری جس طرح اگلے وقتوں میں خاندانی امیرزادوں کی تعلیم ہوتی تھی اسی طرح سید انشا کو بھی علوم مروجہ سے ماہر کیا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید انشا نہایت طبّاع اور عالی دماغ آدمی تھے۔ ان کی طبیعت ایک ہوئی تھی۔ کہ ہر ایک کی صورت پکڑ سکتی تھی۔ باوجود اس کے شوخی[1] اس قدر کہ سیماب کی طرح ایک جا قرار نہ تھا۔ حالانکہ طبابت پیشہ آبائی تھا۔ اُسے چھوڑ کر شاعری کی طرف توجہ کی۔

[1] لڑکپن میں طالب علمی کرتے تھے۔ مگر ساتھ ہی گانے کا شوق تھا۔ کافیہ حفظ کرتے تھے اور ستار پر بجاتے تھے کہ الکلمۃ کلمۃ لفظ۔ وضع ممعنی مفرد۔ دِر دِر مفرد دِر۔ یہ حالات آبِ حیات سے ماخوذ ہیں۔ تنہا

Marfat.com

اور مرشد آباد سے دلی میں آئے۔ اس وقت دلی کا دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ اور اس کے سجادہ نشین شاہ عالم بادشاہ تھے۔ سید انشا اہل دربار میں داخل ہوئے۔ اور یہ عالم ہوا کہ شاہ عالم کو ایک دم ان کی جدائی ناگوار ہو گئی۔ کچھ عرصہ تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے آخر دلی سے دل اُچاٹ ہوا۔ اور آصف الدولہ کی سخاوتوں نے انہیں لکھنؤ کھینچ بُلایا۔ جاتے ہی علم و فضل کے زہد اور کمال کے شور سے توپخانے لگا دیے کہ تمام مشاعرے گونج اٹھے۔ چند مرزا سلیمان شکوہ کی خدمت میں رہے جو شاہ عالم کے بیٹے تھے۔ اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ آخر علامہ تفضل حسین خاں کی وساطت سے نواب سعادت علی خاں کے مصاحبِ خاص ہو گئے۔ جو اُس وقت اودھ کے مختارِ کُل تھے۔ یہاں بھی ملازمت ہوتے ہی سید انشا ایسے شیر و شکر ہو گئے۔ کہ پھر نواب کو اُن کے سوا کسی کی بات میں مزا نہ آتا تھا۔ سید انشا کے سپرد کوئی خاص خدمت نہ تھی۔ مگر دربار داری کے ساتھ ہر دم کی مصاحبت تھی۔ اس زمانہ میں انہوں نے عامۂ خلائق خصوصاً اہلِ کمال اور اہل خاندان کی کاربرآری سے نیکی اور نیک نامی کی دولت کمائی۔ ہزاروں کو مراتبِ اعلیٰ پہ پہنچا دیا۔ مگر آپ شاعر ہی رہے۔ آخر اسی مصاحبت سے ہنسی ہنسی میں مخالفت پیدا ہو گئی۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ چہکتا ہوا بلبل اپنے گھر کے پنجرے میں بند کیا گیا۔ اور وہاں سے اس گمنامی کے ساتھ پیوند زمین ہوا۔ کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ بسنت سنگھ نشاط کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۳۳ھ میں فوت ہوئے

خبرِ انتقالِ میر انشا	دلِ غمدیدہ تا نشاطِ شنفت
سالِ تاریخِ او زجانِ اجل ۳	عُرفی وقت بود انشا گفت

۳ + ۱۲۳۰ = ۱۲۳۳ھ

تصانیف تصانیف جو سید انشا سے یادگار ہیں۔ حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ کلیاتِ انشا، جس میں کلام ذیل شامل ہے:۔

(۱) اُردو کا دیوان (۲) دیوانِ ریختی (۳) قصائد (جس میں ایک قصیدہ منقبت بے نقط و اشعارِ تہ کی وغیرہ بھی درج ہیں۔ . . . . . . (۴) دیوانِ فارسی (۵) مثنوی

Marfat.com

شیر و برنج فارسی (۶) مثنوی بے نقط (لوح سُرخی بھی بے نقط و موزوں) (۷) مثنوی شکار نامہ (۸) مثنویات در ہجو زنبور، کھٹمل، پشہ، مگس (۹) مثنوی شکایت زمانہ (۱۰) مثنوی فیل (۱۱) مثنوی در ہجو گیا پچند ساہوکار (۱۲) اشعار متفرقہ و رباعیات و قطعات و تاریخ ہائے متفرقہ (۱۳) چیستانیں اور پہیلیاں، مخمس وغیرہ (۱۴) دیوان اُردو بے نقط مع رباعیات و نثر بے نقط (۱۵) شرح مائۃ عامل نظم فارسی (۱۶) مثنوی مرغ نامہ۔

۲ - ایک داستان جو نثر اُردو میں ایسی لکھی ہے کہ ایک لفظ بھی عربی فارسی کا نہیں آنے دیا۔ باوجود اس کے اُردو کے رتبہ سے کلام نہیں گرا۔ ہاں وہی چوچلے اور وہی چہلیں اس میں بھی چلی جاتی ہیں۔ جو اُن کے کلام کا خاصہ ہے۔ حقیقتاً ظرافت اُن کی طبیعتِ ثانیہ ہو گئی ہے۔ یہ کتاب مقدار میں پچاس صفحہ کی ہو گی۔ عبارتِ ذیل نمونہ کے طور پر درج کی جاتی ہے:-

"اب یہاں سے کہنے والا یوں کہتا ہے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان چڑھی، کوئی کہانی ایسی کہئے۔ جس میں ہندی چھٹ اور کسی بولی کی پُٹ نہ ملے۔ باہر کی بولی اور گنواری کچھ اُس کے بیچ میں نہ ہو۔ تب میرا جی پھول کر کلی کے رُوپ کھلے۔ اپنے ملنے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے، پرانے دُھرانے ٹھاگ بڑے ڈھاگ یہ کھڑاگ لائے سر ہلا کر منہ تھتا کر، ناک بھوں چڑھا کر، گلا پھُلا کر، لال لال آنکھیں پتھرا کر کہنے لگے "یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی، ہندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکا پن بھی نہ ٹھس جائے" جیسے بھلے مانس اچھوں سے اچھے لوگ آپس میں بولتے چالتے ہیں، جوں کا توں وہی سب ڈول رہے اور چھاؤں کسی کی نہ پڑے۔ یہ نہیں ہونے کا۔ میں نے اُن کی ٹھنڈی سانس کی پھانس کا ٹھوکا کھا کر جھنجھلا کر کہا۔ میں کچھ ایسا بڑ بولا نہیں جو رائی کو پربت کر دکھاؤں اور جھوٹ سچ بول کر انگلیاں نچاؤں اور بے سُری بے ٹھکانے کی اُلجھی سُلجھی تانیں لئے جاؤں۔ مجھ سے نہ ہو سکتا تو بھلا منہ سے کیوں نکالتا۔ جس ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا۔ اب اس کہانی کا کہنے والا یہاں آپ کو جتاتا ہے اور جیسا کچھ اُسے لوگ پکارتے ہیں۔ کہہ سناتا ہے اپنا ہاتھ منہ پر پھیر کر مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوں۔ اور آپ کو جتاتا ہوں، جو میرے داتا نے چاہا

تو وہ تاؤ بھاؤ اور راؤ چاؤ اور کود پھاند کر اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں۔ آپ کے دھیان کا گھوڑا جو بجلی سے بھی بہت چنچل اچپلاہٹ میں ہے دیکھتے ہی ہرن کے روپ اپنی چوکڑی بھول جائے پر چونکا!۔

گھوڑے پر اپنے چڑھ کے آتا ہوں میں ۔۔۔ کرتب جو جو ہیں سب دکھاتا ہوں میں
اس چاہنے والے نے جو چاہا تو ابھی ۔۔۔ کہتا جو کچھ ہوں کر دکھاتا ہوں میں

عبارت متذکرہ بالا سے سید انشا کا کمال ظاہر ہے، آج کوئی شخص ایسا ایک صفحہ بھی شاید نہ لکھ سکے اور سید انشا نے جب قلم اٹھایا۔ تو اس زمانہ میں تمام عادات و اطوار اور زبان پر فارسی احاطہ کئے ہوئے تھی، دفتری زبان فارسی تھی، خط وکتابت فارسی میں ہوتی تھی، طلاب فارسی پڑھتے تھے، اردو نثر کا تو کوئی نام بھی نہ لیتا تھا۔

۳۔ دریائے لطافت۔ اس میں اردو صرف و نحو، منطق، عروض و قافیہ، معانی و بیان وغیرہ کا ذکر ہے۔ پہلا حصہ یعنی اردو صرف و نحو تو سید انشاء اللہ کی تصنیف ہے اور دوسرا حصہ یعنی منطق، عروض و قافیہ و معانی و بیان مرزا محمد حسن قتیل کا تالیف کیا ہوا ہے کتاب کی جان پہلا ہی حصہ ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے۔ جو ایک ہندی اہل زبان نے اردو صرف و نحو پر لکھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عجیب جامع و بے مثل کتاب ہے بقول مولوی عبدالحق "جو لوگ اردو زبان کا محققانہ مطالعہ کرنا چاہتے ہیں یا اس کی صرف و نحو یا لغت پر کوئی محققانہ تالیف کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہے"۔

سید انشا نے عربی فارسی زبان کا تتبع چھوڑ کر اردو زبان کی ہیئت و اصلیت پر غور کیا اور اس کے قواعد وضع کئے۔ اگرچہ اپنے اظہار خیال کے لئے فارسی کا ذریعہ اختیار کیا ہے لیکن یہ تصنیف بوجہ اصل مضمون فارسی نہیں کہلائی جا سکتی۔ سید انشا نے یہ کتاب لکھ کر اردو زبان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اور جبکہ ان کے زمانہ میں ان کے ہمعصر فضول قصہ کہانیوں کی تصنیف میں مشغول تھے۔ سید صاحب کا ایک کام کی بات پر قلم اٹھانا اور بھی قابل شکریہ اور لائق فخر ہے

Marfat.com

الفاظ کی فصاحت و غیر فصاحت پر سید انشا کی رائے

سید انشاء کے اعلیٰ دماغ اور ذوقِ زباں کا صحیح اندازہ اُن کی اُس رائے سے ہوتا ہے، جو اُنہوں نے الفاظ کی فصاحت اور صحت و غیر صحت کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کی ہے:-

"ہر لفظ جو اردو میں مشہور ہو گیا، عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی از روئے اصل غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اُردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے۔ اور اگر خلافِ اصل مستعمل ہے۔ تو بھی صحیح ہے، اُس کی صحت و غلطی اُردو کے استعمال پر موقوف ہے، کیونکہ جو کچھ خلافِ اُردو ہے غلط ہے، گو اصل میں صحیح ہو اور جو کچھ موافقِ اُردو ہے صحیح ہے، گو اصل میں صحت نہ رکھتا ہو۔"

مثال کے طور پر سید موصوف نے بہت سے عربی الفاظ کو جو اُردو میں کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں یہ صحیح بتلایا ہے، مثلاً برقا اُردو کا صحیح لفظ ہے۔ اگرچہ خلافِ اصل ہے۔ یا غدر اگرچہ اصل میں بسکون دال ہے۔ لیکن بفتحِ دال اُردو کا صحیح لفظ ہے۔

۲ دریائے لطافت کے پہلے باب میں حروفِ ابجد کا ذکر ہے۔ اور ان کی تعداد کے تعین میں بھی سید انشا نے جدت طرازی کی ہے۔ اس تقسیم کے بعد انہوں نے اُن حروف کو لیا ہے۔ جو کسی خاص حرف سے مل کر ایک آواز پیدا کرتے ہیں، مثلاً تیرہ حرف ایسے ہیں۔ جو ہا کے ساتھ مل کر ایک آواز پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے بھاگنا۔ پھندا وغیرہ یہ حرف اب کہیں اُردو قاعدوں میں بڑھائے گئے ہیں۔ حالانکہ سید انشا مدتوں پہلے لکھ چکے ہیں۔

سترہ حروف ایسے ظاہر کئے ہیں۔ جو نون کے ساتھ مل کر ایک آواز پیدا کرتے ہیں مثلاً پنڈول۔ رنگیلا۔ ہنسنا وغیرہ، اب تک ان حروف کو اُردو قاعدوں میں نہیں دکھلایا گیا۔

اسی طرح بعض حروف ایسے ہیں جو ی کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کیا۔ (حرفِ استفہام)، دھیان، پیارا وغیرہ، الغرض سید انشا نے اردو حروفِ تہجی

Marfat.com

کی کل تعداد پچاسی بتائی ہے۔

دوسرے باب میں دہلی کے محلوں کی زبان کے متعلق بہت دلچسپ بحث کی ہے اور یہ دکھلایا ہے کہ کس کس محلہ کی زبان غیر فصیح ہے۔ اور ان کی وجوہات بھی دی ہیں مثلاً مغلوں (اہلِ مغل پورہ) سادات بارہہ، پنجابیوں، پُربیوں کی زبان کیسی ہے۔ اور ان کی وجہ سے الفاظ کے تلفظ اور لہجہ اور زبان میں کیا فرق پیدا ہوا ہے۔ یہ سب امور تفصیل اور مثالوں کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں"

تیسرے باب میں بعض فصحا کا ذکر ہے اور بعض ایسے الفاظ کا بیان کیا گیا ہے۔ جو اردو نہیں متروک ہیں اور میر تقی یا مرزا رفیع السودا نے ان کو استعمال کیا ہے۔ اسی باب میں نواب عماد الملک، بھاڑا مل، مرزا صدر الدین صفاہانی اور ملا عبد الفرقان کی نہایت دلچسپ تقریریں ہیں۔ اور بی نورن اور میر غفر غینی کی تقریریں خصوصاً نہایت پُر لطف ہیں۔ اپنی شوخیٔ مزاج کو نہایت عمدہ پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔ میر غفر غینی کی نسبت لکھا ہے۔ کہ وہ لام اور رے کی بجائے غین بولتے تھے۔ نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

اجی بی نوغن یہ بات کیا فغماتی ہو۔ تم تو اپنے چھوغے کی چین ہو پغ کیا کہیں جب سے دغی چھوٹی ہے۔ کچھ جی افسغدہ ہوگیا ہے۔

صاف اردو میں یہ عبارت اس طرح پڑھی جائیگی:۔ اجی بی نورن! یہ بات کیا فرماتی ہو۔ تم تو اپنے جیوڑے کی چین ہو۔ پر کیا کہیں جب سے دلی چھوٹی ہے کچھ جی افسردہ ہوگیا ہے۔

یہ تقریریں ایسی پاک صاف شستہ زبان میں ہیں کہ حیرت ہوتی ہے سید انشأ نے کیسی فصاحت کے قالب میں ان کو ڈھالا ہے، سودا کا آخری زمانہ تھا اور سید انشأ کا عنفوانِ شباب تھا۔ کچھ بہت فرق نہ تھا، تاہم مرزا کے دیوان کا دیباچہ اُس زبان میں ہے۔ جو آجکل سمجھنی دشوار ہے۔ اور سید انشا کے کمال کی یہ ادنیٰ صفت ہے۔ کہ یہ تقریریں ایسی فصیح اور روزمرہ اُردو میں لکھی ہیں۔ کہ آج بھی ان خیالات۔ کو اس سے بہتر اُردو کا جامہ

Marfat.com

نہیں پہنایا جا سکتا۔

باب چہارم میں مصطلحاتِ دہلی اور باب پنجم میں مصطلحاتِ زنانِ دہلی کا ذکر ہے۔ یہ دونوں باب محققینِ زبان و مؤلفینِ لغت کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہیں۔ اس کے بعد اُردو صرف نحو سے بحث کی ہے۔

بہرحال یہ کتاب لکھ کر سید انشاء اللہ خاں نے اُردو زبان پر جیسا کہ ہم پیشتر کہہ چکے ہیں۔ بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اور جب تک اُردو زبان زندہ ہے اس کے مطالعہ اور اس سے استفادہ اور سند لینے کی ضرورت باقی رہے گی۔

اب ہم نواب عماد الملک، بھاڑا مل اور بی نورن اور میر غفر عینی کی پوری تقریریں نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین ہماری رائے پر استصواب وغیر استصواب کا فتویٰ صادر کر سکیں۔

سوال از طرف نواب عماد الملک

اجی لالہ بھاڑا مل! تمہارے احوال پر باللہ کہ ہم سخت متاسف ہوتے ہیں۔ کہ حق تعالےٰ نے اپنی عنایات سے تمہیں ہیاتِ الوف کا مالک کیا اور اوقات تمہاری یہ کہ ہند من الناس جیسی مسلمان کو فرض کیجئے۔ اُس کے برابر ذائقہ صاحب کا لذت آشنا نہیں بڑا تعجب ہے۔ کہ آدمی باوصف تیسّرِ نعمائے الٰہی محروم رہے۔ اور نام اس کا رحمتِ شفقت رکھے۔ ہم لوگ بھی تو اپنے ہاتھ سے بکری سوائے عید قربان کے حلال نہیں کرتے اور یہی اشخاص صاف کر کے گوشت بڑے آدمیوں کے مطابخ میں پہنچاتے ہیں اور بازار میں بیچتے ہیں اگر تم بازار سے لے کر کھاؤ تو کیا مانع ہے؟

جواب از طرف بھاڑا مل،۔

ہمیں پیر و مرشد! ہمارے دھرم ما نہیں، جیو کا مارن بڑا دوکھ ہے ہور کھاؤ نا تو ہور بھی بُرا، ہور یکہا تہاری کی بات ہے تم کھاوند لوگ ہو۔ ہمارے تو جو کوئی چوشی بھی بھولے سے مار گیرہے تو اُسی کے ہاتھ کا پانی پیو نڑا عجب ہے۔ ہمارے بڑے تاؤ سیلارام جی تھے اونے بھولے بسرے تے ایکہا کھنکھوری دبی کے باپ پر پیر رکھ دیا تھا۔ سو دھی کا باپ مرگیا۔ سو باباجی نے دیکھ کر فرمایا۔ میتی کے یکہا یوہ کی کیا۔ اب دس تہار روپئے کس کے گھر آتے کا ڈھوں

Marfat.com

جو اُس کا ڈنڈ اُتار دیں۔ ہور پیشر نے ہماری کھانا و تنڑ پیونڑ واسطے بھی ڈھیرو چیجاں پیدا کری ہیں موہن بھوگ، لوچئی، کچوری، امرتی، میٹھے سُہال۔ کچنال، برے، سنبوسے، پراگڑی، کھرمے، بالو ساہی، گندوڑے، دھوتی مونگ کی دال، دھوتی دھوئی اُرد کی دال، ہور ڈھیر سے ترکاریاں، ہور اچار، ہور نگد کا لڈو، ہور گوند کے پاپڑ جو ہجور بھی نوس فرما دیں۔ تو پھیر کھانوس تنڑکی کو بھی بھول جاویں۔ بلکوں بھولے بسرے بھی کھاؤنے میں نہ آوے۔

صاف اُردو میں عبارت متذکرۂ بالا کو اس طرح پڑھ سکتے ہیں:۔

ہاں ہاں! پیرو مرشد! ہمارے دھرم میں نہیں۔ جیو کا مارنا بڑا دکھ ہے یعنی گناہ ہے اور کھانا تو اور بھی بُرا اور لکھا (میں نے کہا) تمہاری کیا بات ہے۔ تم خاوند لوگ ہو۔ ہمارے تو جو کوئی چوہی بھی بھولے بسرے سے مار دیتا ہے۔ تو اُس کے ہاتھ کا پانی پینا غضب ہے ہمارے بڑے تاؤ سیلرام جی تھے۔ انہوں نے بھولے بسرے سے لکھا کھنکھجورے پر پیر رکھ دیا تھا۔ سو کھنکھجورا مر گیا۔ سو باباجی نے دیکھ کر فرمایا۔ نپوتی کے (جس کے اولاد نہ ہو یعنی اے دشمنِ عقل تو جلد مارا جائے گا۔ اور تیری ماں بے اولاد ہو جائے گی) لکھا یہ کیا کیا؟ اب دس ہزار روپئے کس کے گھر سے نکالوں جو اُس کا گناہ (عذاب) اتاروں۔ اور پرمیشر نے ہمارے کھانے پینے کے واسطے بھی بہت چیزیں پیدا کی ہیں، موہن بھوگ، لوچئی، کچوری، امرتی، میٹھے سُہال، کچنال، برے، سنبوسے، پراگڑی، خرمے، بالوشاہی، گندوڑے دھوتی مونگ کی دال۔ دھوتی دھوئی اُرد کی دال۔ اور بہت سی ترکاریاں، اور اچار، اور نگد کا لڈو، اور گوند کے پاپڑ جو حضور بھی نوش فرمادیں۔ تو پھر لکھا منش وتنکی کو بھی بھول جاویں۔ بلکہ بھولے بسرے بھی کھانے میں نہ آوے۔

بی نورن جو کوچہ بلاتی بیگم کی کسبی ہے۔ اور میر غفر غینی دیوانی میں جو دلّی سے لکھنؤ چلے آئے ہیں۔ اس طرح گفتگو شروع ہوتی ہے:۔ بی نورن کہتی ہیں:۔

"اجی آؤ میر صاحب! تم تو عید کے چاند ہو گئے۔ دلّی میں آتے تھے۔ دو دو پہر تک بیٹھتے تھے۔ اور ریختے پڑھتے تھے لکھنؤ میں تمہیں کیا ہو گیا۔ کہ کہیں تمہارا اثر آثار معلوم نہ ہوا۔ ایسا نہ کیجیو کہیں آٹھوں میں بھی نہ چلو، تمہیں علی کی قسم آٹھوں میں مقرر چلیو۔"

Marfat.com

میر صاحب (جو اُس زمانہ کے ایک خوش طبع رنگین مزاج شخص تھے۔ کوئی ثقہ، متقی پرہیزگار نہ تھے) جواب میں فرماتے ہیں:۔

"اجی بی نورن! یہ کیا بات فرماتی ہو۔ تم تو اپنے چھوڑے کی چیز ہو۔ پر کیا کہیں جب سے دلی چھوڑی ہے کچھ جی افسردہ ہو گیا ہے اور شعر پڑھنے کو جو کہو تو کچھ لطف اس میں بھی نہیں رہا کہ سنیئے۔ ریختے میں اُستاد میاں ولی ہوئے۔ ان پر توجہ شاہ گلشن صاحب کی تھی۔ پھر میاں آبرو اور میاں ناجی اور میاں حاتم پھر سب سے بہتر مرزا رفیع السودا اور میر تقی صاحب۔ پھر حضرت خواجہ میر درد صاحب برد اللہ مرقدہٗ جو میرے بھی اُستاد تھے۔ وہ لوگ تو سب مر گئے۔ اور اُن کی قدر دانی کرنے والے بھی جاں بحق تسلیم ہوئے۔ اب لکھنؤ کے جیسے چھوکرے ہیں ویسے ہی شاعر ہیں اور دلی میں بھی ایسا ہی کچھ چرچا ہے۔ تخم تاثیر صحبت اثر، سبحان اللہ یہ کون میاں جرأت بڑے شاعر، پوچھو تو تمہارا اراتے ماں کس دن شعر کہتا تھا۔ اور رنگا بہادر کا کونسا کلام ہے اور دوسرے میاں مصحفی کہ مطلق شعور نہیں رکھتے۔ اگر پوچھیے کہ ضرب زید عمراً کی ترکیب تو ذرا بیان کرو تو اپنے شاگردوں کو ہمراہ لے کر لڑنے آتے ہیں اور میاں حسرت کو دیکھو، اپنا عرق بادیان اور شربت انار چھوڑ کے شاعری میں آگے قدم رکھا ہے اور میر انشاء اللہ خاں بچارے میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے آگے پریزاد تھے۔ ہم بھی گھورنے کو جاتے تھے، اب چند روز سے شاعر بن گئے ہیں۔ مرزا مظہر جان جاناں صاحب کے روزمرہ کو نام رکھتے ہیں اور سب سے زیادہ ایک اور سنیئے کہ سعادت یار خاں طہماسپ کا بیٹا انوری ریختہ آپ کو جانتا ہے۔ رنگین تخلص ہے۔ ایک مثنوی کہی ہے۔ اس میں مثنوی کا نام دلپذیر رکھا ہے۔ رنڈیوں کی بولی اس میں باندھی ہے۔ اور حسن پر زہر کھایا ہے۔ ہر چند اس مرحوم کو بھی کچھ شعور نہ تھا بدر منیر کی مثنوی نہیں کہی۔ گویا سامنے اس کا تیل بیچتے ہیں۔ چنانچہ اس کے شعر کہہ کر اپنے سامنے دلی لکھنؤ کے رنڈی سے لے کر ... پڑھتے ہیں سو

چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی

سو اُس بچارے رنگین نے بھی اسی طور پر شعر کہا ہے۔ کوئی پوچھے کہ بھائی تیرا باپ رسالدار مسلم۔ لیکن بچارا برچھی بھالے کا ہلانے والا، تیغے کا چلانے والا تھا، تو ایسا قابل کہاں

سے ہوا - اور شہدپن جو بہت مزاج میں رنڈی بازی سے آگیا ہے - تو ریختہ کے تئیں چھوڑ کر ایک ریختی ایجاد کی ہے - اس واسطے کہ بھلے آدمیوں کی بہو بیٹیاں پڑھ کر مشتاق ہوں، اور اُن کے ساتھ اپنا منہ کالا کرے - بھلا یہ کلام کیا ہے :-

ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کر لو، یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہار

مردہو کر کہتا ہے :- رع ، کہیں ایسا نہ ہو کمبخت میں ماری جاؤں ، .. اور ایک کتاب بنائی ہے اس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے جس میں اوپر والیاں، چیلیں، اوپر والا چاند اَجلی، دھوبن وغیرہ وغیرہ -

یہ بڈھے میر صاحب تازہ اوضاع و اطوار اور نئی رفتار و گفتار پر کیا کیا خیالات رکھتے تھے اور شعرائے عصر کے کلام پر جو تنقید کی ہے - کس قدر ظریفانہ انداز میں اپنے اصلی خیال کو ظاہر کیا ہے - لطف یہ ہے کہ سید انشا نے اس موقع پر اپنے آپ کو اور اپنے دوست رنگین کو بھی نہیں چھوڑا، بلکہ خوب خبر لی ہے

مختلف زبانیں جانتے تھے

سید انشا مختلف زبانیں جانتے تھے، عربی فارسی، ترکی، پنجابی، پشتو، پوربی، مرہٹی ان سب زبانوں میں خوب ماہر تھے اور اُردو کے اہلِ زبان تھے - اُن کے تصرف یا ایجاد اپنی خوش ادائی اور خوشنمائی کے سبب ہر اہلِ زبان سے تحسین و آفریں کا خراج وصول کرتے ہیں، اگر وہ آج ہمارے زمانے میں ہوتے تو ہماری زبان کا طرزِ ادا نہایت عمدگی اور خوبصورتی سے بدلتے، ایک قصیدہ جو جارج سوم کی تہنیتِ جشن میں کہا، اُس میں انگریزی الفاظ کس خوبصورتی سے بٹھائے ہیں - دو چار شعر بطور نمونہ لکھتا ہوں - صاحبانِ ذوقِ سلیم اُن کے کمال کا خود اندازہ کر سکتے ہیں :-

بگیاں پھولوں کی تیار کرائے بوئے سمن کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر کرسیِ ناز پہ جلوہ کی دکھائے گا پھبن

شاخِ نازک سے کوئی ہاتھ میں لیکر اک کینت ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن

نسترن بھی نئی صوت کا دکھادے گا رنگ کوچ پر ناز کی جب پاؤں رکھے گا بن ٹھن

Marfat.com

پتّے ہل ہل کے بجاویں گے فرنگی طنبورہ — لالہ لادے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تارِ رگِ ابرِ بہاری سے کئی — خود نسیمِ سحر آدے گی بجاتی ارگن
اردلی سے جو گراں ڈل ہیں ہونگے سب جمع — آن کر اپنا بگل پھونکے گا جب رکھ درسن
نکہت آدے گی نکل کھول کلی کا کمرا — ساتھ ہو لے گی نزاکت بھی جو ہے اُسکی بہن

گھوڑے کی تعریف کیا خوب کی ہے :-

ہے اس آفت کا سبک سیر کہ راکبؔ اُس کا — حاضری کھاوے جو کلکتہ تو لندن میں ٹفن

حلیہ

ان کا پڑھنا بھی ایک خاص انداز رکھتا تھا جس سے شعر کی شان اور لطفِ کلام دوبالا ہو جاتا تھا۔ سید انشا رنگت کے گورے، بدن کے فربہ، صورت کے جامہ زیب تھے۔ چال ڈھال اور سج دھج یہ تھی۔ کہ ایک طرف آدابِ معقولیت سے سلام کیا۔ ایک طرف مُسکرا دیا۔ ایک طرف منہ چڑا دیا کبھی منقطع مردِ معقول، کبھی دلی کے بانکے، کبھی آدھی ڈاڑھی اُڑا دی۔ کبھی چارابرو کی صفائی بتادی، اس میں شک نہیں۔ کہ تفریح و تضحیک کے اعتبار سے کسی جلسہ میں اُن کا آنا بھانڈ کے آنے سے کم نہ تھا۔ مصحفی نے اُن کی ہجو میں کیا خوب کہا ہے :- ع

"واللہ کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے"

لطائف

ایک دن نواب سعادت علی خاں کیساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور گرمی سے گھبرا کر دستار سر سے رکھ دی تھی۔ منڈا ہوا سر دیکھ کر نواب کی طبیعت میں چہل آئی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک دھول ماری۔ آپ نے جلدی سے ٹوپی سر پر رکھ لی اور کہا سبحان اللہ بچپن میں بزرگ سمجھایا کرتے تھے۔ وہ بات سچ ہے۔ کہ ننگے سر کھانا کھاتے ہیں۔ تو شیطان دھولیں مارا کرتا ہے۔

ایک دن نواب موصوف نے روزہ رکھا اور حکم دیا کہ کوئی آنے نہ پائے۔ سید انشا کو ضروری کام تھا۔ یہ پہنچے، پہرہ دار نے کہا کہ آج حکم نہیں۔ آگے آپ مالک ہیں۔ باوجود انتہائے مرحمت کے یہ بھی مزاج سے ہشیار رہتے تھے۔ تھوڑی دیر تامل کیا۔ آخر کمر کھول دستار سر سے بڑھا قبا اُتار ڈالی۔ اور دوپٹہ عورتوں کی طرح سے اوڑھ کر ایک تازہ انداز کے ساتھ

Marfat.com

سامنے جا کھڑے ہوئے، جوں ہی اُس کی نظر پڑی-آپ انگلی ناک پر دھر کے بولے:-

مَیں ترے صدقے نہ رکھ اے مری پیاری رُزہ بندی رکھ لے گی ترے بدلے ہزاری رُزہ

نواب بے اختیار ہنس پڑے-جو کچھ کہنا سننا تھا-وہ کہا اور ہنستے کھیلتے چلے آئے-

جان بیلی صاحب، ریذیڈنٹ کے ساتھ علی نقی خاں میر منشی بھی آیا کرتے تھے-ان کی عجب لطف کی چوٹیں ہوتی تھیں-ایک دن اثنائے گفتگو میں کسی کی زبان سے نکلا

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

انہوں نے کہا کہ گلستاں کے ہر شعر میں مختلف روایتیں ہیں-اور لطف یہ ہے کہ کوئی کیفیت سے خالی نہیں-چنانچہ ہو سکتا ہے ع

شاید کہ پلنگ نہفیہ باشد

سعادت علی خاں نے سید انشاء کی طرف دیکھا-انہوں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور! میر منشی صاحب بجا فرماتے ہیں، غلام نے بھی ایک نسخہ گلستاں میں یہی دیکھا تھا:-

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

در بیشہ گماں مبر کہ خالی است شاید کہ پلنگ خفیہ باشد

بلکہ وہ نسخہ بہت صحیح اور محشی تھا-اُس میں گفیہ اور نہفیہ کے کچھ معنی بھی لکھے تھے میر منشی صاحب! آپ کو یاد ہیں؟ وہ نہایت شرمندہ ہوئے-جب وہ رخصت ہوتے-تو سید انشاء کہا کرتے میر منشی صاحب کا اللہ بیلی-

ذائق تخلص ایک فلک زدہ شاعر تھا-خدا جانے کس بات پر خفا ہوا-کہ ان کی ہجو کہی خود لا کر سنائی-انہوں نے بہت تعریف کی-بہت اُچھلے، بہت کودے-اور پانچ روپے دیئے-جب وہ چلا تو بولے، ذرا ٹھیرئیے گا، ابھی آپ کا حق باقی ہے-قلم اُٹھا کر یہ قطعہ لکھا اور حوالہ کیا:-

ذائق بے حیا چو ہجوم گفت دل من سوخت سوختہ بہ

صلہ اش پنج روپیہ دادم دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

Marfat.com

انجام اچھا نہ ہوا

لیکن افسوس ہے کہ ایسے مرنجان و مرنج اور لطیفہ گو، و بذلہ سنج شخص کا انجام سعادت علی خاں کے ہاتھوں اچھا نہ ہوا، کوئی ایسی بات بھی نہ تھی۔ جس کی سزا نواب نے سید انشاء کے لئے ایسی سخت تجویز کی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن سر دربار بعض شرفائے خاندانی کی شرافت و نجابت کے تذکرے ہو رہے تھے۔ سعادت علی خاں نے کہا۔ کہ کیوں بھئی ہم بھی نجیب الطرفین ہیں۔ سید انشا بول اٹھے۔ کہ حضور بلکہ انجب۔ انجب نجیب کا اسم تفضیل ہے یعنی نہایت شریف یا سب سے بڑھ کر شریف اور دوسرے معنیٰ اس کے یہ ہیں کہ وہ شخص جو حرم کے پیٹ سے ہو۔ چنانچہ عرب کہتا ہے۔ "وَلَدُ الجارِیَةِ اَلجُنُبُ" اتفاق یہ ہوا۔ کہ سعادت علی خاں حرم کے شکم سے تھے۔ [1] انہوں نے انجب کے معنیٰ یہی لئے چنانچہ وہ چپ اور تمام دربار دم ہو گیا۔ اگرچہ سید انشا نے پھر اور باتیں بنا بنا کے بات کو مٹانا چاہا مگر کمانِ تقدیر سے تیر نکل چکا تھا۔ وہ کھٹک دل سے نہ نکلی۔ اور نواب اس فکر میں رہنے لگے۔ کہ کوئی بہانہ ان کی سخت گیری کے لئے ہاتھ آئے، ایک دن سید انشا نے بہت ہی گرم لطیفہ سنایا۔ سعادت علی خاں نے کہا۔ کہ انشا جب کہتا ہے، ایسی بات کہتا ہے۔ کہ نہ دیکھی ہو نہ سنی ہو۔ یہ موچھوں پہ تاؤ دیکر بولے کہ حضور کے اقبال سے قیامت تک ایسی ہی کہے جاؤں گا۔ کہ نہ دیکھی ہو نہ سُنی ہو۔ نواب تو تاک میں تھے۔ چیں بجبیں ہو کر بولے۔ کہ بھلا زیادہ نہیں، فقط دو لطیفے روز سنا دیا کیجئے، مگر شرط یہی ہے کہ نہ دیکھے ہوں نہ سُنے ہوں، نہیں تو خیر نہ ہوگی سید انشا سمجھ گئے۔ کہ یہ انداز کچھ اور ہیں، خیر اس دن سے دو لطیفے روز تو انہوں نے سنانے شروع کر دیئے۔ مگر چند روز میں یہ عالم ہو گیا۔ کہ دربار کو جانے لگتے تو جو پاس بیٹھا ہوتا۔ اُسی سے کہتے کہ کوئی نقل، کوئی چٹکلا یاد ہو تو بتاؤ۔ تاکہ نواب کو سناؤں، اسی اثنا میں ایک دن ایسا ہوا۔ کہ سعادت علی خاں نے انہیں بلا بھیجا۔ یہ کسی اور امیر کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ چوبدار نے آکر عرض کی کہ گھر نہیں ملے۔ خفا ہو کر حکم دیا۔ کہ ہمارے سوا کسی اور کے ہاں نہ جایا کرو۔ اس قیدِ بے زنجیر نے انہیں بہت دق کیا۔ تازہ مصیبت یہ ہوئی کہ تعالی اللہ خاں

---

[1] یہ بھی نواب کی حماقت تھی جب حرم کے شکم سے تھا۔ تو لوگوں سے کیوں نجیب الطرفین کہلانے کا اشتیاق تھا؟ تنہا

نوجوان بیٹا مر گیا۔ اس صدمے سے حواس میں فرق آگیا، یہاں تک کہ ایک دن سعادت علی خاں کی سواری اُن کے مکان کی طرف سے نکلی۔ کچھ غم و غصہ، کچھ دل بے قابو۔ غرض سرِ راہ کھڑے ہو کر سخت و سست کہا۔ اب جنون میں کیا کسر رہی۔ سعادت علی نے جاکر تنخواہ بند کر دی۔ اگر نواب اس طریقہ سے بدلہ نہ لیتا۔ تو شاید یہ بات کسی کو معلوم بھی نہ ہوتی۔ کہ سید انشا نے اُسے انجب کہا تھا۔ اور وہ حرم کے شکم سے تھا، باکمال اصحاب کے ساتھ اس بے رُخی اور سختی سے پیش آنا، ہمیشہ باعثِ ننگ و شرم رہا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کو فردوسی نے ہجو لکھ کر بدنام کیا۔ کیونکہ سلطان نے شاہنامہ کی تصنیف کا معاوضہ بجائے ساٹھ ہزار اشرفیوں کے ساٹھ ہزار روپیہ دینا چاہا۔ سعادت علی خاں کو سید انشا کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر ہمیشہ کے لئے دنیائے شعراء میں تنگ نظری اور کم مائگی کی جگہ دی گئی۔ واقعی فردوسی کا شعر سعادت علی خاں کے مصداق ہے

پرستار زادہ نیاید بکار اگرچہ بود زادۂ شہریار

آخر اسی کا بھائی آصف الدولہ اپنی سخاوت اور حلم و بربادی کی وجہ سے مشہورِ آفاق ہے اور مجبوراً یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ خاندانی سید زادی کے بطن سے تھا۔ جن کی تمام خاندان بڑی عظمت کرتا تھا۔ اور جن کا نام دلہن بیگم صاحبہ تھا۔ اور یہ حضرت آخر انجب ہی تھے۔ ع

اصل بد از خطا خطا نہ کند

۱؎ یہ ایک قصہ مشہور ہو گیا ہے۔ ورنہ دراصل ہمیں شبہ ہے کہ یہ کوئی واقعہ ہے یا نہیں؟ بعض جگہ یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ سلطان محمود کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ کہ فردوسی شاہنامہ لکھ رہا ہے، اسدی طوسی نے بھی پانچ ہزار اشعار شاہنامہ کے لکھے تھے۔ بعد ازاں یہ کام فردوسی کے سپرد کر گیا اور فوت ہو گیا۔ ایسی حالت میں سلطان کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں کیا گیا ممکن ہے کہ شاہنامہ کو ختم کرنے کے بعد خود فردوسی نے غزنت میں پیش کیا ہو اور فی شعر ایک درہم کے حساب سے اُس کو یہ انعام تجویز کیا گیا ہو۔ لیکن اس نے اپنی محنت کا معاوضہ حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیا ہو۔ چنانچہ لین پول نے لکھا ہے۔ کہ یہ معاوضہ بہت زیادہ تھا۔ کیونکہ ملٹن کو صرف پانچ پونڈ فردوسِ گم شدہ کا حقِ تصنیف دیا گیا تھا۔ تنہا

Marfat.com

میر تقی میر نے نواب آصف الدولہ کو ایک غزل سنائی، وہ حوض کے کنارے کھڑے ہوئے مچھلیوں سے کھیل رہے تھے۔ توجہ سے نہ سنی۔ میر صاحب ناراض ہو کر چلے آئے اور نواب کے یہاں جانا چھوڑ دیا۔ چند روز کے بعد ایک دن بازار میں میر صاحب چلے جاتے تھے۔ کہ نواب کی سواری سامنے سے آگئی۔ دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے۔ کہ میر صاحب آپ نے بالکل ہمیں چھوڑ دیا۔ کبھی تشریف بھی نہیں لاتے۔ میر صاحب نے کہا بازار میں باتیں کرنا داب شرفا نہیں، یہ کیا گفتگو کا موقع ہے۔ کہیں سعادت علی خاں سے یہ گفتگو ہوتی۔ تو بیچارے میر صاحب شہر بدر کر دئیے جاتے۔

انشا کی زندگی میں انقلابات

الغرض سید انشاء کا ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ سعادت علی خاں کی ناک کے بال تھے، اپنی کمال لیاقت اور شگفتہ مزاجی کے سبب سے مرجع خلائق تھے۔ دروازے پہ گھوڑے، ہاتھی، پالکی، نالکی کے ہجوم سے رستہ نہ ملتا تھا، دوسرا زمانہ وہ گزرا جبکہ الجنب کا واقعہ ہو چکا تھا، ظاہر درست تھا۔ مگر درخت اقبال کی جڑ کو دیمک لگ گئی تھی اور سید انشا کا اپنے گھر سے باہر جانا بند ہو گیا تھا۔ چنانچہ سید انشا نے اپنے دوست میاں رنگین سے کہا تھا "کیا کروں" ظالم کی قید میں ہوں، سوا دربار کے گھر سے نکلنے کا حکم نہیں"۔ سید انشا کی تیسری حالت یہ ہوئی جبکہ تنخواہ بند ہو گئی۔ کہ ایک مشاعرہ میں میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے گئے۔ سر پہ ایک میلا سا پھینٹا، گھٹنا پاؤں میں، گلے میں پگیوں کا توبڑا۔ ایک ککڑ کا حقہ ہاتھ میں۔ جا کر سلام علیکم کہا اور بیٹھ گئے کسی کسی نے اُن سے مزاج پرسی کی، انہوں نے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈال کر تمباکو نکالا، اور اپنی چلم پر سلفا جما کر کہا۔ کہ بھئی ذراسی آگ ہو۔ تو اس پہ رکھ دینا۔ اسی وقت آوازیں بلند ہوئیں اور گڑگڑی، سٹک، پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے، وہ بے دماغ ہو کر بولے کہ صاحب! ہمیں ہمارے حال پہ رہنے دو۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں۔ سب نے اُن کے حکم کی تعمیل کی۔ دم بھر کے بعد پھر بولے کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا؟ لوگوں نے کہا جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں۔ سب صاحب آجائیں۔ تو شروع ہو۔ وہ بولے کہ صاحب، ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں! یہ کہہ کر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا اور

Marfat.com

غزل[1] پڑھنی شروع کر دی۔ جو اُن کے بالکل حسبِ حال تھی، اور آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہے

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پہ
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

بسانِ نقشِ پائے رہرواں کوئے تمنا میں
نہیں اُٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل، آہ ننگ و نام کیا شے ہے
میاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

وہ تو غزل پڑھ، کاغذ پھینک، سلام علیک کہہ کر چلے گئے۔ مگر زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا اور دیر تک دلوں پر ایک عالم رہا۔ جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

چوتھی حالت کا نقشہ میاں رنگین اس رنگ سے کھینچتے ہیں۔ کہ میں لکھنؤ گیا تو پوچھتا ہوا گھر پہنچا۔ افسوس جس دروازہ پر ہاتھی جھومتے تھے۔ وہاں دیکھا کہ خاک اڑتی ہے۔ اور کتے لوٹتے ہیں۔ ڈیوڑھی پر دستک دی، اندر سے کسی بڑھیا نے پوچھا۔ کہ کون ہے بھائی؟ (وہ انکی بی بی تھیں) میں نے کہا۔ کہ سعادت خاں دلی سے آیا ہے چونکہ سید انشا سے انتہائی درجہ کا اتحاد تھا۔ اُس عفیفہ نے پہچانا، دروازہ پر آ کر بہت روئیں اور کہا۔ کہ بھیا اُن کی تو عجب حالت ہے لو۔ میں ہٹ جاتی ہوں۔ تم اندر آؤ اور دیکھ لو۔ میں اندر گیا۔ دیکھا ایک کونے میں بیٹھے ہیں۔ تن برہنہ ہے۔ دونوں رانوں پہ سر دھرا ہے۔ آگے راکھ کے ڈھیر ہیں۔ ایک ٹوٹا سا حقہ پاس رکھا ہے۔ یا تو وہ شان و شکوہ کے جمگھٹ دیکھے تھے۔ وہ گرمجوشی اور چہلوں کی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ یا یہ حالت دیکھی۔ بے اختیار دل بھر آیا۔ میں بھی وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ اور دیر تک

---

[1] یہ تمام حکایتیں آزاد کی کتاب آبِ حیات سے لی گئی ہیں ورنہ مرآۃ الشعراء میں ہم نے انشا کے حال میں تردید کردی ہے کہ ہرگز انشا کی یہ غزل اس موقع کی تصنیف شدہ نہیں ہے۔ تنہا

Marfat.com

رو دیا۔ جب جی ہلکا ہوا۔ تو میں نے پکارا۔ کہ سید انشا، سید انشاء۔ سر اٹھا کر اُس نے نظرِ حسرت سے دیکھا جو کہتی تھی۔ کہ کیا کروں۔ آنکھوں میں آنسو نہیں۔ میں نے کہا کیا حال ہے؟ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ کہ شکر ہے، پھر اس طرح سر کو گھٹنوں پر رکھ لیا کہ نہ اُٹھایا۔

یہ اُردو نظم و نثر کا باکمال اُستاد اس طرح اپنی زندگی کے آخری ایام گزار کر دنیائے فانی سے عالمِ بقا کو راہی ہوا۔ اور اس کی موت اہلِ بینش کے لئے ایک تازیانۂ عبرت کا کام دیتی ہے ؎

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے　　　حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مولوی شاہ عبدالقادرؒ دہلوی

شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز کے تیسرے صاحبزادے مولوی شاہ عبدالقادرؒ تھے۔ آپ ۱۱۶۶ھ میں شمع افروزِ بزمِ جہاں ہوئے۔ اور اپنے وجود باجود سے عالم کو روشن کر دیا ۲
ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدِ مکرم کے سایۂ عاطفت میں پائی اور علم فقہ و حدیث و تفسیر میں نام پیدا کیا۔ تحصیل علمی سے فراغت پا کر اکبر آبادی مسجد کے حجرے میں تمام عمر بسر کر دی اور دنیا میں بالکل ایک مسافرانہ حالت سے رہے۔ "کُن فی الدنیا کانک غریبٌ او عابرُ سبیلٍ" پر آپ کا عمل رہا۔ حقیقتاً صرف یہی لوگ ایسے نفوس قدسی تھے جو عالم باعمل تھے یوں تو دنیا کو سب سرائے فانی اور چند روزہ اقامت گاہ کہتے ہیں۔ لیکن اپنے عمل اور طرزِ ماندو بود سے اپنے قول کی تائید نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے خلاف وہ طریقۂ زندگی اختیار کرتے ہیں۔ جس سے وہ یہاں ابدالآباد تک رہنے کی فکر میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ عالم، فاضل، متقی، پرہیزگار، مستغنی المزاج اور متوکل تھے۔ دنیا سے نفرت تھی، اور گوشہ نشینی پسند خاطر تھی۔ رات دن ذکرِ خدا میں مشغول رہتے تھے۔ اہل دنیا کی طرف مطلق التفات نہ فرماتے۔ اسی سبب سے تصنیف و تالیف کی طرف بھی چنداں

؎ دنیا میں مسافرانہ طور پر گزران کر۔ یا اس طرح رہو جیسے کوئی راہ رو رہتا ہے۔ تنہا

Marfat.com

توجہ نہ کی۔ قرآن شریف کا با محاورہ ترجمہ اُردو یا موضح القرآن آپ سے یادگار ہے۔ جس پر بلا مبالغہ ہزاروں کتابیں نثار ہیں۔ ترجمہ ظاہر میں سیدھا سادہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُس سے صاحبِ ترجمہ کی بالغ نظری بھی عیاں ہے۔ جواہر کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں، اس کا لطف وہی جانتے ہیں۔ جو ادب اور علمِ تفسیر و حدیث سے بہرۂ وافی رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ ترجمہ کثرت سے رائج ہے اور بہت مقبول ہے۔ ہم نے آپ کے ترجمہ کی بھی دو چار سطریں

شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمہ کے ساتھ مولوی نذیر احمد کے ترجمۃ القرآن کے تحت میں لکھی ہیں۔

ناظرین کو اس ترجمہ کے محاسن کا اندازہ خود مولوی نذیر احمد کی تحریر سے بخوبی ہو جائیگا۔ اور اُن کی رائے اس بارہ میں ایک خاص وقعت رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی خود مترجم القرآن ہیں اور جو خوبیاں اُن کو اپنے ترجمہ کے وقت اس ترجمہ میں نظر آئیں۔ انہوں نے اپنے الفاظ میں اُن کا اظہار کر دیا ہے۔

شاہ عبد القادرؒ کے فیضِ باطن کا یہ حال تھا کہ اُس زمانہ میں ایسا مکاشفِ صحیح اور کوئی نہ تھا۔ سُنا جاتا ہے۔ کہ جو کچھ اُن کی زبان سے نکل جاتا تھا۔ بلا کم و کاست وہی ظہور میں آتا تھا، باوجود اس کے بسبب کثرتِ اخلاق کبھی کسی کے حق میں کچھ ارشاد نہ فرماتے اور نہ کبھی کسی سے یہ کہتے کہ اِدھر بیٹھو یا اُدھر۔ لیکن منجانب اللہ لوگوں کے دلوں میں آپ کا ایسا رُعب چھایا ہوا تھا۔ کہ رؤسائے شہر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو ادب کی وجہ سے دُور دُور خاموش بیٹھتے اور آپ کی تحریک کے بغیر مجالِ سخن نہ رکھتے تھے اور اس پر بھی ایک دو بات سے زیادہ اُن کے مُنہ سے نہ نکلنے پاتی تھی۔ آپ کی کرامات بیشمار ہیں۔ آپ نے ۱۲۳۰ھ میں بعمر ۶۳ سال وفات پائی اور اپنے جدِ امجد شاہ عبد الرحیم کے پائین میں مدفون ہوئے"

مولوی نذیر احمد کی رائے ترجمۃ القرآن پر

مولوی نذیر احمد نے اپنے ترجمۃ القرآن کے ساتھ ایک مبسوط دیباچہ لکھا ہے اُس میں ترجمہ کی ضرورت کو بہت خوبی کے ساتھ دکھلایا ہے۔ جہاں تک شاہ عبد القادرؒ

Marfat.com

اور ان کے ترجمے سے اُس کا تعلق ہے۔ وہ عبارت ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:-

" قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ وہ ہے۔ جو ۱۱۵۰ھ میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے کیا تھا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ بزرگ زمانہ کے حالات پر کیسی وسیع نظر رکھتے تھے۔ کہ ۱۱۵۰ھ میں باپ نے فارسی ترجمہ کی ضرورت معلوم کی۔ پھر سو نہیں دو سو نہیں صرف پچیس برس بعد اُن کے بیٹے شاہ عبدالقادرؒ کو معلوم ہوا کہ عام مسلمان فارسی بھی کم سمجھتے ہیں۔ کہ ۱۲۰۵ھ میں انہوں نے اردو ترجمہ کیا۔ جو موضح القرآن کے نام سے مشہور ہے اور سارے اردو کا بہتر سے بہتر ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ فی الواقع اپنے وقت میں بہتر سے بہتر تھا بھی۔ اس سے کہ ۱۱۵۰ھ میں مولانا شاہ ولی اللہؒ نے فارسی ترجمہ کیا اور ۱۲۰۵ھ میں مولانا شاہ عبدالقادرؒ نے اردو صاف ظاہر ہے۔ کہ ۱۲۰۵ھ ہی میں فارسی کا رواج اتنا کم ہو چکا تھا۔ کہ مولانا شاہ عبدالقادرؒ کو قرآن کا اردو ترجمہ کرنا پڑا۔ تو اب ۱۳۱۴ھ میں فارسی کا کیا حال ہوا ہوگا۔ بے شک عربی کی طرح فارسی معدوم نہیں ہوئی۔ مگر یہ بیچاری بھی مہمان چند روزہ ہے۔ ع :- اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند ۔ گو زمانے کے انقلاب نے مولانا شاہ ولی اللہؒ کے ترجمے کو بیکار سا کر دیا۔ مگر ترجمہ تو حقیقت میں ایسا مستند ہے۔ کہ جو شخص قرآن کے لفظ لفظ میں تیرے وہی اس کی قدر جان سکتا ہے فی الحقیقت قرآن کے مترجم ہونے کے لئے جتنی باتیں درکار ہیں۔ ترجمے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب مولانا شاہ ولی اللہؒ میں علی الوجہ الکمال پائی جاتی تھیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ مولانا کی نظر تفاسیر اور احادیث اور دین کی کتابوں پر ایسی وسیع ہے۔ کہ بس اُنہی کا حصہ تھا۔ اب کوئی ایک عمر صرف کرے تو اُس کو یہ بات نصیب ہو۔ اور وہ بھی شاید ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک آیت بلکہ ہر ایک لفظ کی نسبت مفسرین کے جتنے اقوال ہیں وہ سب اُن کے پیشِ نظر ہیں۔ اور وہ اُن میں جس کسی کو راجح پاتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں جیسے ایک خاندان کے ایک چھوڑ تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے۔ ایک فارسی مولانا شاہ ولی اللہ کا۔ کہنے کو دو دو اردو، ایک شاہ عبدالقادر کا اور ایک شاہ رفیع الدینؒ کا تو اب ہر ایک کو ترجمے کا حوصلہ ہو گیا۔ مگر خاندان شاہ ولی اللہؒ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا

Marfat.com

وہ ہرگز قرآن کا مترجم نہیں۔ بلکہ مولانا شاہ ولی اللہؒ اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ انہی ترجموں میں اس نے کچھ ردّ و بدل، تقدیم و تاخیر کر کے جدید ترجمے کا نام کر دیا۔۔ مولانا شاہ عبدالقادرؒ اور مولانا شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے زبان کے پرانے ہونے کی وجہ سے ایسے اکھڑے اکھڑے نہیں معلوم ہوتے۔ جیسے بے ترتیبی الفاظ کی وجہ سے۔ یہ نہیں کہ ان بزرگوں کو بے ترتیبی الفاظ کا علم نہیں ہوا یا ان کے وقت میں ایسی بے ترتیب اردو فصیح سمجھی جاتی تھی۔ نہیں یہ لوگ بجائے خود اردو کے لئے سند تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ ایک طرف ترتیبِ الفاظ قرآن کا پاس اور دوسری طرف اردو کی فصاحت۔ ان کی دینداری نے اجازت نہ دی۔ کہ ترتیبِ الفاظ قرآن کے مقابلہ میں اردو کی فصاحت کا پاس کریں۔۔

. . . ترجمہ تو ترجمہ کثرت سے عربی پڑھنے نے ان کے مذاقِ اردو پر یہ اثر کیا تھا۔ کہ باوجودیکہ ترجمہ نہیں مگر الفاظ کی بے ترتیبی ان کی اپنی اردو میں بھی ہے۔ . . . ہم مولانا شاہ عبدالقادرؒ کے دیباچہ کی عبارت اس جگہ نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ انہی کا ترجمہ بامحاورہ سمجھا جاتا ہے۔ اور مولانا شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے کے مقابلہ میں وہ ایسا ہی ہے فرماتے ہیں :- الٰہی شکر تیرے احسان کا ادا کروں کس زبان سے کہ ہماری زبان کو گویا کی اپنے نام کر، اور دل کو روشنی دی اپنے کلام کر، اور امت میں کیا اپنے رسولِ مقبول کی جو اشرف الانبیاء اور نبی الرحمۃ جس کی شفاعت سے امیدوار ہیں ہم، کہ پاویں دو جہان کی نعمت۔ الٰہی اس نبی امّت پرور کو اپنی رحمتِ کامل سے درجاتِ اعلیٰ نصیب کر۔ جو حد نہ ہو کسی مخلوق کی اور اپنی عنایت ان پر ہمیشہ افزوں رکھ دنیا اور آخرت میں . . . "

یہ نمونہ ہے مولانا شاہ عبدالقادرؒ کی آزاد طبع زاد اردو کا، اسی پر قیاس کرنا چاہئے ان کے ترجمے کو جس میں چار و ناچار پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اگرچہ ہم دیباچہ کی زبان کو "گویا کی" اور " اپنے نام کر" اور " اپنے کلام کر" کی خوبیوں کو نہ سمجھیں، مگر با ایں ہمہ ترجمہ اپنے وقت میں اور اپنی شان میں بے نظیر تھا۔"

Marfat.com

مولوی اسمٰعیلؒ دہلوی
شہیدِ راہِ خدا

آپ، جامع کمالاتِ صوری و معنوی تھے، نکتہ سنجی، کلام الٰہی اور حدیثِ نبوی کے ماہر تھے، عالمِ معقول و منقول تھے، آپ کو مولانا شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالقادر غفر اللہ لہم کے ساتھ برادر زادگی کی نسبت تھی۔ چونکہ آپ کے والد کا انتقال آپ کی صغر سنی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے شاہ عبدالعزیزؒ نے ان کو اپنے فرزندوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ اور اپنی نواسی بھی ان سے منسوب کی تھی۔ ان کی تعلیم و تربیت میں بھی خاص اہتمام ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ آپ پندرہ سولہ برس کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے تھے۔ آپ نے علم معقول کی بیشتر کتب پر حواشی تحریر کئے۔ اور ایک رسالہ منطق میں لکھا۔ ایک رسالہ قرۃ العین فی اثبات رفع یدین تالیف فرمایا۔ اسی طرح متعدد رسالے آپ سے یادگار ہیں۔ اوائل عمر میں چونکہ فیض باطن کے حصول کا بہت خیال تھا۔ اس لئے جناب میر سید احمد قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اعتقاد بہم پہنچا کر ان سے کسب فیض باطن پر آمادہ ہوئے۔ بعد ازاں پیر کی رفاقت ہی میں مناسک حج ادا کئے۔ اور وہاں سے ہندوستان واپس آکر ہدایت و ارشاد سے خلق اللہ کو راہ راست دکھائی۔ وعظ و نصیحت سے اہل غفلت کے کان کھول دئے اور اعلام سنت و ہدم بنیان شرک و بدعت کا آوازہ سب کے کانوں تک پہنچ گیا۔ بعض لوگوں نے آپ کی مخالفت شروع کی۔ اور درپئے اذیت ہو گئے۔ کیونکہ ان کی طرف سے کچھ لوگ ضعیف العقیدہ ہو چلے تھے۔ لیکن وہ حق اور راہِ راست پر تھے۔ ہدایت و ارشاد سے باز نہ آئے۔ پھر خلق کو یہاں تک اختیار سنت نبوی اور ترک بدعات و احداث کی توفیق ہوئی۔ کہ لوگ وحدانیت کے رنگ میں رنگے گئے۔ مفسدوں کا بازار سرد ہو گیا۔ اور لوگوں نے جان لیا

Marfat.com

کہ یہ لوگ مخالفین، طمع دنیاوی کی غرض سے ہم کو سبز باغ دکھاتے تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے لوگوں کو نماز کی اس درجہ توفیق ہوئی۔ کہ مسجد جامع میں نماز جمعہ کے واسطے ایسی کثرت ہونے لگی۔ جیسی نماز عیدین پر عیدگاہ میں ہوتی ہے، آپ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ اور سہ شنبہ کو مسجد جامع میں وعظ فرماتے تھے۔ بعض بدعتی لوگ آپ کو بھڑکا دیتے تھے تو وعظ میں ایسی زبردست اور مدلل تقریر فرماتے۔ کہ لوگوں کے تمام شکوک رفع ہو جاتے بعد ازاں، آپ نے جہاد کی فضیلت میں تقریریں شروع کر دیں۔ اُن کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کا آئینۂ باطن مصفا اور مجلّیٰ ہو گیا۔ راہ حق میں وہ ایسے سرگرم ہوئے۔ کہ بے اختیار اُن کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی۔ کہ ان کا سر راہِ خدا کی نذر ہو۔ اور ان کا مال و متاع و اعلائے لوائے دینِ محمدی میں صرف ہو۔ چنانچہ اپنے پیر کی طلب پر دہلی سے تشریف لے گئے اور باتفاق ممدوح جہاد پر کمر باندھ کر کوہستان چلے گئے، وہاں سے اطرافِ ہندوستان میں طلبی کے خطوط بھیجے، اس نواح سے لوگ بکثرت روانہ ہو گئے۔ اور کوہستانیوں کے علاوہ صرف ہندوستانی ایک لاکھ سے زائد آپ کی خدمتِ بابرکت میں جمع ہو گئے اور راہِ خدا میں کارِ نمایاں بروئے کار آئے۔ تائیدِ الٰہی سے آپ کا رُعب کفار کے دلوں میں ایسا جاگزیں ہوا۔ کہ تابِ مقابلہ نہ رکھتے تھے اور تمام لشکر فرار ہو جاتے تھے۔ لیکن قلعہ بالاکوٹ کے نواح میں ہمراہ پیرِ طریقت اور اکثر مسلمین غزاۃ شہید راہِ خدا ہوئے۔ جب اس شکست کی خبر دلی میں آئی۔ نوشاہ نصیر نے مسخرانہ انداز میں ایک طولانی قصیدہ کہا۔ جس کے تین شعر نقل کئے جاتے ہیں:۔

کلام اللہ کی صورت ہوا دل اُن کا سیپارہ نہ یاد آئی حدیث اُن کو نہ کوئی نصِ قرآنی
ہرن کی طرح میدانِ وغا میں چوکڑی بھولے اگرچہ تھے دُمِ شملہ سے وہ شیرِ نیستانی

مولوی صاحب کے طرفدار مجاہدوں کا دلی میں لشکر تھا۔ بہت سے بہادروں نے آکر شاہ صاحب کا گھر گھیر لیا۔ مرزا خانی کوتوال شہر تھے۔ وہ سنتے ہی دوڑے اور آکر بچایا۔ شاہ صاحب نے اشعار مذکورہ کو قصیدہ کر دیا۔ اور کوتوال صاحب کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اس میں کا ایک شعر یہ ہے

Marfat.com

نصیرالدین بیچارہ تو رستۂ طوس کا لیتا   نہ ہوتے شحنۂ دہلی اگر یہاں میرزا خانی

آپ کی تصانیف متعدد ہیں۔ جن میں زیادہ تر متداول تقویت الایمان ہے

عبارتِ ذیل تقویت الایمان سے نقل کی جاتی ہے۔ مولوی اسمٰعیلؒ اپنے کلام کی تائید میں قرآنِ پاک اور احادیثِ نبوی کا برابر حوالہ دیتے جاتے ہیں۔ اور اہلِ اسلام کے لئے اس سے زیادہ مدلل اور کوئی تقریر یا تحریر نہیں ہو سکتی۔ جس کی بنیاد کلامِ پاک اور احادیثِ رسولؐ پر ہو۔ طرزِ ادا بھی کس قدر دلچسپ اور با اثر ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریائے ذخار اُمڈا چلا آتا ہے۔ واؤ عطف آجکل کی زبان کے مطابق چند مقامات پر غلط استعمال کیا گیا ہے۔ اور بعض جگہ بے ترتیبی الفاظ اُس زمانہ کی تحریر کا نشان دے رہی ہے:۔

"ہر خاص و عام کو چاہئے کہ اللہ و رسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں اور اسی کو سمجھیں، اور اسی پر چلیں اور اُسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں سو سننا چاہئے کہ ایمان کے دو جز ہیں۔ خدا کو خدا جاننا اور رسول کو رسول سمجھنا۔ اور خدا کو خدا سمجھنا اسی طرح ہوتا ہے۔ کہ اُس کا شریک کسی کو نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اسی طرح ہوتا ہے۔ اس کے سوائے کسی کی راہ نہ پکڑے۔ اس پہلی بات کو توحید کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو شرک، اور دوسری بات کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت۔ سو ہر کسی کو چاہئے کہ توحید اور اتباع کو خوب پکڑے اور شرک و بدعت سے بہت بچے۔ کہ یہ دونوں چیزیں اصل ایمان میں خلل ڈالتی ہیں اور باقی گناہ ان سے پیچھے ہیں کہ وہ عمال میں خلل ڈالتے ہیں اور چاہئے جو کوئی توحید اور اتباع سنت میں پکا کامل ہو۔ اور شرک و بدعت سے بہت دور اور لوگوں کو اُس کی صحبت سے یہ بات حاصل ہوتی ہو۔ اسی کو اپنا پیر و اُستاد سمجھے۔ سو اسی نے کئی آیتیں اور حدیثیں کہ جن میں بیان توحید کا اور اتباع سنت کا ہے۔ اور برائی شرک و بدعت کی اس رسالہ میں جمع کیں اور ان آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ اُس کے حاصل معنی کا بیان زبان ہندی سلیس میں کر دیا تا عوام الناس اور خاص اس سے فائدہ برابر لیویں جس کو اللہ توفیق دے۔ وہ سیدھی راہ پر ہو جاوے اور بتانے والے کو وسیلہ نجات کا ہووے۔ آمین یا الٰہ العالمین اور اس رسالہ کا

Marfat.com

نام تقویت الایمان رکھا۔ اور اس میں دو باب ٹھرائے۔ پہلے باب میں بیان توحید کا اور برائی شرک کی اور دوسرے باب میں اتباع سنت کا اور برائی بدعت کی۔

پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں

اول سُننا چاہئے۔ کہ شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے۔ اور اصل توحید نایاب۔ لیکن اکثر لوگ توحید اور شرک کے معنی نہیں سمجھتے اور ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں، حالانکہ شرک میں گرفتار ہیں۔ سو اول معنی شرک و توحید کے سمجھنا چاہئے، تا برائی اور بھلائی اُن کی قرآن و حدیث سے معلوم ہو۔ سُننا چاہئے۔ کہ اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں کو اور اماموں کو اور شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اور ان کی منتیں مانتے ہیں۔ اور حاجت برآئی کے لئے اُن کی نذر و نیاز کرتے ہیں۔ اور بلا کے ٹلنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اُن کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ کوئی اپنے بیٹے کا نام عبد النبی رکھتا ہے۔ کوئی علی بخش۔ کوئی حسین بخش کوئی پیر بخش، کوئی مدار بخش، کوئی سالار بخش، کوئی غلام محی الدین، کوئی غلام معین الدین اور اُن کے جینے کے لئے کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے۔ کوئی کسی کے نام کی بدھی پہناتا ہے کوئی کسی کے نام کے کپڑے پہناتا ہے۔ کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے۔ کوئی کسی کے نام کے جانور کرتا ہے، کوئی مشکل کے وقت دوہائی دیتا ہے۔ کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے۔ غرض کہ جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں اور دعویٰ مسلمانی کا کئے جاتے ہیں۔ سُبحان اللہ یہ مُنہ اور یہ دعویٰ۔ سچ فرمایا ہے۔ اللہ صاحب نے سورۂ یوسف میں (اصل میں عربی عبارت موجود ہے لیکن ہم اُسے یہاں ترک کئے دیتے ہیں اور صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں اور آیندہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ تنہا) ترجمہ" اور نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں۔ یعنی اکثر لوگ جو دعویٰ ایمان کا رکھتے ہیں۔ سو وہ شرک میں گرفتار ہیں، پھر اگر کوئی سمجھانے والا اُن لوگوں سے کہے۔ کہ تم دعویٰ ایمان کا رکھتے ہو اور افعال شرک کے کرتے ہو۔ سو یہ دونوں راہیں ملا دیتے ہو، اُس کا جواب دیتے ہیں۔ کہ ہم تو شرک نہیں کرتے۔ بلکہ اپنا عقیدہ انبیاء اولیاء کی جناب میں ظاہر کرتے ہیں، شرک

Marfat.com

حبیب ہونا۔ کہ ہم اُن انبیاء، اور اولیاء کو اور پیروں اور شہیدوں کو اللہ کے برابر سمجھتے سویوں تو ہم نہیں سمجھتے۔ بلکہ ہم ان کو اللہ ہی کا بندہ جانتے ہیں۔ اور اُسی کا مخلوق اور یہ قدرتِ تصرّف اُسی نے اُن کو بخشی ہے۔ اُس کی مرضی سے عالم میں تصرّف کرتے ہیں اور اُن کا پکارنا عین اللہ ہی کا پکارنا ہے۔ اُن سے مدد مانگنی عین اُسی سے مدد مانگنی ہے اور وہ لوگ اللہ کے پیارے ہیں۔ جو چاہیں سو کریں، اور ان کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں اور وکیل، اُن کے ملنے سے خدا ملتا ہے، اور اُن کے پکارنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جتنا ہم اُن کو مانتے ہیں۔ اتنا ہم اللہ سے نزدیک ہوتے ہیں اور اسی طرح کی خرافاتیں بکتے ہیں۔ اور ان باتوں کا سبب یہ ہے کہ خدا اور رسول کے کلام کو چھوڑ کر اپنی عقل کو دخل دیا اور جھوٹی کہانیوں کے پیچھے پڑے اور غلط غلط رسموں کی سند پکڑی، اور اگر اللہ و رسول کا کلام تحقیق کرتے، تو سمجھ لیتے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھی کافر لوگ ایسی ہی باتیں کرتے تھے۔ اللہ صاحب نے اُن کی ایک نہ مانی اور اُن پر غصہ کیا۔ اور ان کو جھوٹا بتایا۔ چنانچہ سورۂ یونس میں اللہ صاحب نے فرمایا ہے۔ . . . ترجمہ:۔ "اور پوجتے ہیں۔ ورے اللہ کے ایسی چیز کو کہ نہ کچھ فائدہ دیوے۔ اُن کو نہ کچھ نقصان اور کہتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے سفارشی ہیں۔ اللہ کے پاس کہ کیا بتاتے ہو۔ تم اللہ کو جو نہیں جانتا وہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ سو وہ نرالا ہے۔ اُن سے جن کو یہ شریک بتاتے ہیں (فائدہ) یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ قدرت نہیں دی، نہ فائدہ پہنچانے کی نہ نقصان کر دینے کی اور یہ جو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس، سو یہ بات اللہ نے تو نہیں بتائی۔ پھر کیا تم اللہ سے زیادہ خبردار ہو، سو اس کو بتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام آسمان اور زمین میں کوئی کسی کا ایسا سفارشی نہیں ہے۔ کہ اس کو مانے اور اس کو پکارے تو کچھ فائدہ یا نقصان پہنچے۔ بلکہ انبیاء و اولیا کی سفارش جو ہے سو اللہ کے اختیار میں ہے۔ اُنکے پکارنے منہ بکارنے سے کچھ نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہو کہ جو کوئی کسی کو سفارشی بھی سمجھ کر پوجے وہ بھی مشرک ہوتا ہے اور اللہ صاحب نے سورۂ زمر میں فرمایا ہے۔ . . . ترجمہ: اور جو لوگ کہ ٹھہرائے ہیں ورے اللہ سے اور حمایتی کہتے ہیں۔

Marfat.com

پوجتے ہیں۔ ہم اُن کو سو اسی لئے کہ نزدیک کر دیں۔ ہم کو اللہ کی طرف مرتبہ میں۔ بیشک اللہ حکم کرے گا ان میں، اُس چیز میں کہ اُس میں اختلاف ڈالتے ہیں۔ بے شک اللہ راہ نہیں دیتا۔ جھوٹے ناشکرے کو (فائدہ) یعنی جو بات سچی تھی۔ کہ اللہ بندے کی طرف سب سے زیادہ نزدیک ہے۔ سو اُس کو چھوڑ کر جھوٹی بات بنائی کہ اوروں کو حمایتی ٹھہرایا اور یہ جو اللہ کی نعمت تھی۔ کہ وہ محض اپنے فضل سے بغیر واسطے کسی کے سب مرادیں پوری کرتا ہے اور سب بلائیں ٹال دیتا ہے۔ سو اُس کا حق نہ پہچانا۔ اور اُس کا شکر نہ ادا کیا۔ بلکہ یہ بات اوروں سے چاہنے لگے۔ پھر اُس اُلٹی راہ میں اللہ کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں۔ سو اللہ ہرگز اُن کو راہ نہیں دے گا۔ اور اس راہ سے ہرگز اُس کی نزدیکی نہ پاویں گے

....

....

.... بلکہ جوں جوں اس راہ میں چلیں گے اُس سے دور ہو جاوینگے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی کو اپنا حمایتی سمجھے گو کہ یہی جان کر کہ اُس کے پوجنے کے سبب سے خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے۔ سو وہ بھی مشرک ہے اور جھوٹا اور اللہ کا ناشکرا اور اللہ صاحب نے سورۂ مؤمنون میں فرمایا ہے۔ . . ترجمہ: "کہ کون ہے وہ شخص کہ اُس کے ہاتھ میں ہے۔ تصرف ہر چیز کا اور وہ حمایت کرتا ہے۔ اور اس کے مقابل کوئی حمایت نہیں کر سکتا۔ جو تم جانتے ہو۔ سو وہ بھی کہہ دیں گے۔ کہ اللہ ہے کہ پھر کہاں سے خبطی ہو جاتے ہو"۔ (فائدہ) یعنی جب کافروں سے بھی پوچھئے کہ سارے عالم میں تصرف کس کا ہے۔ اور اُس کے مقابل کوئی حمایتی کھڑا نہ ہو سکے۔ تو وہ بھی یہی کہیں گے۔ کہ یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ پھر اوروں کو ماننا محض خبط ہے (فائدہ) اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی۔ اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی معلوم ہو کہ پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے۔ بلکہ اُسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اُس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے۔ مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی

Marfat.com

اور نذر ونیاز کرنی اور اُن کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا بھی اُن کا کفر وشرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اُس کو اللہ کا بندہ ومخلوق ہی سمجھے، سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے، سو سمجھنا چاہیئے۔ کہ شرک اسی پہ موقوف نہیں۔ کہ کسی کو اللہ کے برابر سمجھے اور اُس کے مقابل جانے بلکہ شرک کے معنی یہ کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں اور اپنے بندوں کے ذمے نشان بندگی کے ٹھہرائے ہیں۔ وہ چیزیں اور کسی کے واسطے کرنی جیسے سجدہ کرنا اور اُس کے نام کا جانور کرنا اور اس کی منت ماننی اور مشکل کے وقت پکارنا اور ہر جگہ حاضر وناظر سمجھنا اور قدرت تصرف کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اُسی کا مخلوق اور اُسی کا بندہ، اور اس بات میں اولیاؤ انبیاء میں اور جن وشیطان میں اور بھوت وپری میں کچھ فرق نہیں یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا۔ وہ مشرک ہو جاویگا خواہ انبیاء، اولیاء سے خواہ پیروں وشہیدوں سے۔ خواہ بھوت وپری سے۔ چنانچہ اللہ صاحب نے جیسا بُت پوجنے والوں پر غصہ کیا ہے۔ ویسا ہی یہود اور نصاریٰ پر حالانکہ وہ اولیاء وانبیاء سے معاملہ کرتے تھے،،

نہال چند لاہوری

آپ۔ کا مولد شاہجہان آباد (دہلی) ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ترک وطن کر کے لاہور میں اقامت گزیں ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ اپنے کو لاہوری لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کے ماتحت جو شعبہ تصنیف وتالیف کلکتہ میں قائم ہوا تھا۔ آپ بھی وہاں پہنچے۔ اور ایک قصہ کو جو فارسی زبان میں تھا۔ اردو میں ترجمہ کیا۔ اور اس کا نام مذہب عشق معروف بہ گل بکاؤلی رکھا۔ مذہب عشق تاریخی نام ہے۔ جس کے اعداد (۱۲۱۷) ہوتے ہیں۔ پس یہ کتاب ۱۲۱۷ھ میں ترجمہ ہو کر

Marfat.com

اختتام کو پہنچی، فارسی میں اس قصہ کو شیخ عزت اللہ بنگالی نے لکھا تھا۔ جو غرۂ ذی الحجہ ۱۲۲۴ھ میں فوت ہوا۔ یہ قصہ اب تک تین جون بدل چکا ہے۔ پہلے فارسی تھا، نہال چند لاہوری نے اس کو اردو نثر کیا۔ اس کے بعد پنڈت دیا شنکر نسیم نے اس کو نظم اردو کا لباس پہنایا۔ اور یہ مثنوی گلزارِ نسیم مقبولِ خاص وعام ہوئی۔ زیادہ تر لوگ اس کو نظم ہی میں پڑھتے ہیں۔ اگرچہ نثر کا قصہ بھی سوا سو برس پرانا ہو گیا ہے۔ تاہم برابر چھپے جاتا ہے۔ اور بازار میں فروخت ہوتا ہے۔ مترجم کے حالات کا پتہ اس سے زیادہ نہیں ملتا۔ جو وہ خود اپنی کتاب مذہب عشق کے ابتدائی صفحات میں (دو چار سطریں) لکھ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ سبب تالیف میں لکھتے ہیں:۔

"اشرف البلاد کلکتہ میں آب وخورش کھینچکر لائی۔ اور یہ خاکسار کپتان دلورٹ صاحب بہادر کی خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا تھا۔ ان کی دستگیری سے صاحب گلکرائسٹ بہادر مدظلہٗ کے دامن دولت تک دسترس پایا۔ غرضیکہ صاحب بہادر کے تفضلات سے بخوبی اس ضعیف کی اوقات بسر ہونے لگی۔ اور امید زیادہ تر ہونے لگی۔ کہ اگر بخت مددگار ہے۔ اور یہ دامن دولت اپنے ہاتھ ہے تو حشمت قدم کیساتھ ہے۔ پھر ایک روز خداوند نعمت نے ارشاد کیا۔ کہ تاج الملوک اور بکاؤلی کا قصہ فارسی میں ہے، ہندی ریختہ کے محاورہ میں ترجمہ کر کہ تیری یادگار اور سرخ روئی کا موجب اور ہماری خوشنودی کا سبب ہو۔ چنانچہ اس نحیف نے حسب الارشاد فیض بنیاد اپنے حوصلے کے موافق فلاطون فطنت . . مارکوئس ولزلی کے عہد میں ترجمہ کیا۔ اور نام اس کا مذہب عشق رکھا۔"

کتاب کے آخر میں یہ تین شعر درج کئے ہیں، پہلا شعر خاتمۃ الکتاب سمجھنا چاہئے اور بقیہ دو شعر قطعۂ تاریخی خیال کرنے چاہئیں،

غرض جس طرح سے کیا اُن کو شاد ہماری بھی دے یا الٰہی مراد
یہ قصہ ہوا جب بخوبی تمام تو پھر فکر تاریخ تھی صبح وشام

Marfat.com

یکایک سُنی مَیں نے آوازِ غیب — کہ ہے مذہبِ عشق تاریخی نام

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کبھی کبھی آپ فکرِ سخن بھی کر لیتے تھے، اگرچہ اس فن میں آپ مبتدی معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ نثر آپ خوب لکھتے ہیں۔ نمونہ حسب ذیل ہے۔ میر شبیر علی افسوس کی اصلاح کے بعد یہ ترجمہ چھپا ہے۔

نمونہ از مذہبِ عشق

معمارِ سرائے کارخانۂ سخن اس داستان کی بنا کا حال اس طرح کہتا ہے۔ کہ تاج الملوک کے غلاموں میں ساعد نام اُس بیابان میں سیر کرتا پھرتا تھا، ناگاہ اُس کی نظر کئی لکڑہاروں پہ کہ لکڑیوں کے بوجھ لئے جاتے تھے جا پڑی، اُس نے پوچھا۔ کہ تم کون ہو۔ اور یہ لکڑیاں کہاں لئے جاتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم شہر شرفستاں کے لکڑہارے ہیں۔ یہی ہمارا کسب ہے۔ اسی سے ہمارے لڑکے بالے جیتے ہیں۔ دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں، اُس نے کہا کہ آج تم یہ گٹھے میرے آقا کے باورچی خانہ میں لے چلو، دولت خانہ اُس کا نزدیک ہے، اس نے اس ویرانہ میں ایک شہر آباد کیا ہے۔ واجبی قیمت ملے گی۔ بلکہ ایسا انعام پاؤ گے۔ کہ پھر کہیں اور لکڑیاں بیچنے نہ جاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری تمام عمر اسی کام میں اور اسی بیابان سے لکڑیاں لے جاتے گزرتی ہے لیکن آبادی کا یہاں نشان نہ دیکھا، نہ سُنا۔ ساعد نے کہا ذرا تم آگے بڑھ کر دیکھو، اگر میرے کہنے کا کچھ اثر ظاہر ہو۔ تو بہتر نہیں تو تمہارے پھر آنے کا کوئی مانع نہ ہوگا۔ لکڑہارے انعام کے لالچ سے ساعد کے آگے ہو لئے، پھر تھوڑی سی دُور جا کر، سب ایک بارگی پکار اُٹھے۔ کہ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ اے میاں، تم ہم کو آگ میں جھونکنے کو لئے جاتے ہو۔ چولھے میں جائے انعام اور بھاڑ میں پڑے اکرام۔ بس ہمیں معاف کرو، ہم نے بھر پایا۔ ساعد نے کہا۔ یہ شعلۂ آتش نہیں حویلی کے جواہرات چمک رہے ہیں، تم ہرگز اندیشہ نہ کرو۔ اور میرے ساتھ چلے آؤ، وہ اس کے کہنے سے کچھ اور بھی بڑھے، آگے ساری زمین سونے کی نظر آئی۔ سب نے اُس کی بات سچی پائی، قدم اُٹھائے بے دھڑک چلے۔ آخر وہ حضور میں اُن کو لے گیا۔ تاج الملوک نے ایک ایک تھان بیش قیمت ہر ایک کو دے کر رخصت کیا اور فرمایا

Marfat.com

کہ اگر تم یہاں آیا کرو۔ تو اس سے دونا ہر روز پایا کرو۔ لکڑ ہاروں نے جب پہلے دن ایسا انعام پایا اور آیندہ کی بھی اُمید بندھی تو اپنا وطن چھوڑ کر ہر ایک وہاں آ رہا۔ یہ خبر اُن کے ہمسایہ میں پھیلی اور جا بجا مشتہر ہوئی۔ غرض جو کوئی شہر کے دیکھنے کو جاتا ہرگز وہاں سے پھر کر گھر نہ آتا اور وہیں رہتا، کوتوال شہر فستان کا رعیت کے بھاگنے کی خبر روز وزیر کے حضور میں کہتا چنانچہ ایک دن اُس نے خبر دی۔ کہ آج رات ہزار گھر اہل حرفہ کے خالی ہوئے اور وہ بھاگ گئے، وزیر نے کہا۔ کہ کچھ یہ بھی تو جانتا ہے۔ کہ کہاں جاتے ہیں۔ تب وہ بولا کہ غلام نے سُنا ہے۔ کہ کسی نے درندوں کے جنگل میں دس کوس تک سونے کی زمین بنا کر اُس پر اِس طرح کا شہر آباد کیا ہے۔ اور ایک قصر اور باغ بھی جواہر کا ایسا بنایا ہے کہ روئے زمین پر ویسا دوسرا نہیں ہے۔ جو دیکھتا ہے۔ یہ مطلع پڑھتا ہے ؂

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است

ترجمہ پر رائے

نہال چند کا یہ ترجمہ بہت صاف اور خوب ہے۔ اگر ترجمہ کا خیال دل میں نہ ہو، تو عبارت پڑھنے سے ہرگز یہ تصور نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ بلکہ ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ فارسی الفاظ ضرور زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن بے جا نہیں۔ بلکہ جہاں جہاں ہم عام طور پر بولتے ہیں۔ وہیں اُن کو لکھا ہے۔ پھر پُرانی عبارت اور موجودہ حالت میں بھی فرق ہے اُس وقت کے لحاظ سے اس تحریر کو نہایت شگفتہ اور دلپذیر کہیں گے۔ اِس وقت ایک آدھ لفظ کی تبدیلی سے حال کی عبارت بن سکتی ہے۔

Marfat.com

میرزا کاظم علی جوان

کاظم، علی نام اور جوان تخلص ہے۔ آپ بھی دہلی کے تھے۔ بعد ازاں لکھنؤ میں آئے۔ اور وہاں سے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں پہنچے۔ ۱۸۰۱ء میں شکنتلا کا قصہ اردو میں لکھا۔ اور اس کا نام شکنتلا ناٹک رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۰۲ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ نواز کبیشر نے جو برج بھاکا میں (۱۷۸۶ء) شکنتلا کی کہانی لکھی تھی اُس کا یہ ترجمہ ہے۔ آپ نے ایک بارہ ماسہ بھی لکھا ہے۔ اور اس میں ہندو مسلمانوں کے تیوہاروں کا ذکر ہے۔ جس کا نام دستور ہند ہے اور جو ۱۸۱۲ء میں چھپا جوان نے تاریخِ فرشتہ سے خاندان بہنی کا ترجمہ بھی ہندوستانی میں کیا (۱۸۰۹ء) نیز للولال کی شرکت میں سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں کیا (۱۸۰۵ء)

ہم یہاں شکنتلا ناٹک کے اردو ترجمہ سے جوان کی عبارت کا نمونہ نقل کرتے ہیں۔ جو اربابِ نثرِ اردو کے مؤلف نے اپنی کتاب میں دیا ہے:۔

"اگلے زمانہ میں وشوامتر نام ایک شخص تھا۔ شہر کو چھوڑ کر جنگل میں رہا کرتا اور اپنے طور کی عبادت و ریاضت دن رات کیا کرتا اپنے صاحب کی بندگی میں تن بدن کی کچھ اُسے خبر نہ تھی۔ سوا اسی کے تصور کے کبھی نگاہ اِدھر اُدھر نہ تھی۔ یہاں تک دُبلاپے سے لٹا تھا کہ پہچانا نہ جاتا تھا۔

بدن سوکھ کر اس کا کانٹا ہوا تھا ریاضت کے ہاتھ وہ جیتا ہوا تھا

اِن دکھوں سے اُس کو کبھی ایک دم آرام نہ تھا۔ سوا اٹھانے ان بِپتاؤں کے کچھ کام نہ تھا۔ تاکہ اس خاکساری سے آرزو دل کی بر آوے۔ اور درخت سے مدعا کے پھل پاوے۔ ایسا جوگ کیا۔ ایسا آسن بیٹھا۔ نزدیک تھا۔ کہ بندگی کے زور سے راجہ اندر کی سنگھاسن چھین لے۔ جتنے تیرتھ تھے۔ اُن سب میں گیا۔ شہر شہر دیا دریا

Marfat.com

گھاٹ گھاٹ سیکر کرتا پھرا۔ نہ چھوڑا کسی ندی کا کنارہ۔ جس جنگل میں کسی درخت تلے ذرا بیٹھتا گرد وگرد آگ جلاتا۔ پھر اپنے تئیں اُلٹا لٹکاتا۔ دم بدم دھواں منہ سے لیا کرتا تپشیا اس طرح کیا کرتا۔ غرض اس تپشوی کا یہی حال تھا۔ آٹھوں پہر تپ جپ کا خیال تھا۔ چونسٹھ برس تلک وہ بیابان نورد تھا۔ سر سے لگا کر پاؤں تلک گرد گرد تھا۔ بناسپتی کھاتا رہتا۔ بھوک پیاس کی ایذائیں سہتا اور روبہ آفتاب ہو کر:۔

گرمیوں میں وہ جگر تفتہ جلا کر گرد آگ بیٹھتا تھا ڈھیر جیسے راکھ کا آدے نظر
اور جاڑوں میں گلے تک پانی میں ہو کر کھڑا جپ کیا کرتا تھا شوق دل سے ہر شام و سحر

ایسی باتیں سنکر راجہ اندر کو بہت سوچ پڑا۔ ڈر دل میں ہوا۔ اس کے اس جوگ کو توڑنے کے لئے منو کا پری کو بلا کر بہت سی آؤ بھگت کی۔ اور یہ احوال ظاہر کیا۔ وہ راجہ کے حسن سلوک سے بہت خوش ہوئی۔ اور اس مطلب کے سنتے ہی یوں بولی۔ کہ میں وہ پری ہوں۔ کہ اگر میرا سایہ برہما بشنو مہادیو پر پڑے دیوانے ہو جاویں سے

جو دے ہوویں وحشی تو کروں میں رام مری یاد میں بھولیں سب اپنے کام
لے ایسی سے جادو بھری انکھڑیاں رہے دیکھ کر ان کو سدھ بدھ کہاں
یہ احوال جب ایسے لوگوں کا ہو رکھوں پاک دامن میں کب اور کو

وشوامتر کو ایک پل میں اپنے پر دیوانہ کر لوں۔ تمام عمر کو قشقہ کی جاگہہ یہ کلنک کا ٹیکا ماتھے پہ دھروں۔ جوگی یا جتی تین طبق میں کون ایسا ہے۔ جو مجھ سے آپ کو بچاوے اس کو تو میں ایک دم میں اور کا کچھ اور کر دوں۔ قسم ہے مہاراج کی اگر اُسے کام کے بس کر انگلیوں پر نہ نچاؤں تو اپنا کام منو کا نہ رکھواؤں۔ وہ ایک ایسا ستارہ تھی۔ کہ تمام عالم کو جس نے روشن کر دیا۔ تس پر سولہ سنگار بارہ ابھرن جو اُس نے سر سے پاؤں تلک کئے۔ دن کو تو سورج اس کا جلوہ دیکھ کر رشک کی آگ سے جلا۔ اور رات کو چاند غیرت سے داغ ہو کر ستاروں کے انگاروں پر لوٹا"

ترجمہ پر رائے

کاظم علی خاں کی زبان ایک حد تک صاف اور ستھری کہی جا سکتی ہے۔ ترجمہ کی مجبوریاں ظاہر ہیں۔ اسپر مستزاد یہ کہ جوان نے مقفیٰ

Marfat.com

عبارت لکھنی چاہی ہے۔ ان دونوں باتوں نے عبارت کو کسی قدر دشوار بنا دیا ہے۔ آجکل کی زبان کے لحاظ سے تو یہ عبارت ضرور اُکھڑی اُکھڑی معلوم ہوگی۔ لیکن جوان کے ہمعصروں مثلاً میر امن، سید حیدر بخش حیدری اور میر افسوس کے مقابلہ میں بھی اس کتاب کی زبان گھلاوٹ اور شیرینی سے خالی ہے۔ بعض محاورے مثلاً "دبلاپے سے کٹتا تھا"۔ عجیب ہیں یا ایک جگہ لکھا ہے۔ "شہر شہر دیار دیار گھاٹ گھاٹ پیکر کرتا پھرا"۔ اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ کیا کرتا پھرا۔ "ریاضت یا سیر" کا لفظ آنا چاہیئے تھا۔ یہ حذف بیجا ہے۔ اور پڑھنے والے کو حیرانی میں ڈال دیتا ہے۔ ہندی الفاظ اگرچہ بکثرت ہیں لیکن اکثر روزمرہ کے موافق ہیں۔ اور قابلِ اعتراض نہیں۔ اس کے برعکس مظہر علی ولا کی بیتال پچیسی میں اکثر ہندی الفاظ ایسے ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے۔ اور صرف سنسکرت داں ہی اُن کے معانی بتلا سکتے ہیں۔ بہرحال یہ ترجمہ اگرچہ مقفیٰ ہے لیکن تعقید کم ہے۔ اور اُس زمانہ کے لحاظ سے ضرور قابلِ تعریف ہے۔

سری للّولال کوی

سری، للّولال کوی گجرات کا برہمن تھا۔ جو شمالی ہند میں آکر آباد ہو گیا تھا اُس نے فورٹ ولیم کالج کی نگرانی میں ہندی کی بعض کتابیں مثلاً پریم ساگر، راج نیتی و لطائف ہندی ترجمہ یا تالیف کیں۔ سنگھاسن بتیسی، سری للّولال اور کاظم علی جوان نے مل کر ۱۸۰۱ء میں لکھی۔ جو آدھی اُردو آدھی ہندی ہے۔

پریم ساگر بازار میں فروخت ہوتی ہے۔ لیکن سری للّولال کی اصل کتاب نہیں ملتی۔ منشی نول کشور کے مطبع سے آجکل کی زبان میں شائع ہوئی ہے۔ لہذا اس کا اقتباس اصل کتاب کا اقتباس نہیں کہلایا جا سکتا۔ اس لیے ہم نے موجودہ پریم ساگر کا نمونہ نہیں دیا۔ کیونکہ وہ ہمارے مقصد کے اظہار میں کوئی مدد نہیں دے سکتا۔

Marfat.com

شری للولال نے فصیح ہندی نثر کی بنیاد ڈالی اور متعدد کتابیں لکھیں۔ اور فی الحقیقت ہندی نثر کے حق میں مسیحائی کی۔ اگرچہ آپ کا سارا کام ہندی نثر سے متعلق ہے۔ لیکن یہاں آپ کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا۔ کہ ہندی سے جو بعض ترجمے اردو میں ہوئے۔ ان میں آپ نے مدد دی۔ مثلاً شکنتلا ناٹک کے ترجمے میں مرزا کاظم علی جوان کو آپ سے مدد ملی۔ اسی طرح مظہر علی ولا اور آپ نے مل کر بیتال پچیسی لکھی۔ جس کی زبان اردو ہندی کا خوبصورت میل ہے۔ نیز آپ نے ولا کو برج بھاشا سے مادھونل کے قصے کے ترجمے اور تالیف میں بہت مدد دی۔ خود لطائف ہندی جس کا ذکر اوپر کیا گیا مرتب کی۔ اس میں پر لطف قصے، کہانیاں لطیفے، امثال، ضلع، جگت وغیرہ درج ہیں۔ یہ کتاب ہندوستانی اور ہندی دونوں زبانوں میں ہے۔ کتاب کے آخر میں ہندوستانی انگریزی الفاظ کی فرہنگ بھی ہے (۱۸۱۰ء)

للولال نے سبھا بلاس اور مہادیو بلاس دو اور کتابیں تالیف کیں۔ سبھا بلاس ہندی کی چیدہ اور دلکش نظموں کا مجموعہ ہے۔ جو کالج کے طلبائے ہندی کے لئے بطور انتخاب نظم مرتب کیا گیا تھا۔ ۱۸۱۳ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ۱۸۲۹ء میں چھپا۔ ایک انگریز نے ۱۹۰۰ء میں بنارس سے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا۔ مہادیو بلاس۔ یہ ایک منظوم افسانۂ عشق ہے۔ اس میں مہادیو اور سلوچن کے عشقیہ حالات نظم کئے گئے ہیں۔ اصل میں یہ افسانہ سنسکرت سے للولال نے برج بھاشا میں نظم کیا ہے۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی بیجا نہیں ہے۔ کہ انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازموں کی اردو تعلیم کے لئے کھولا تھا۔ ان کا اصل منشا یہ تھا کہ کمپنی کے انگریز ملازمین یہاں کی زبان سے واقف ہو جائیں تاکہ سلطنت کے کاروبار کو حسن و خوبی کے ساتھ سر انجام دیں۔ ان کو اردو کی ترقی یا ہوا خواہی منظور نہ تھی۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ کسی کام کا آغاز ایک غایت کو مد نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے۔ کہ دوسرا مقصد جو پیش نظر نہیں ہوتا۔ پورا ہو جاتا ہے۔ اردو نثر لکھنے کا طور اور ڈھنگ اسی کالج کی بدولت شروع ہوا۔ اور اس کی تقلید میں ملک کے دیگر حصص میں کتابیں بکثرت تصنیف ہونے لگیں۔ لیکن جہاں اردو نثر نے رواج

Marfat.com

پایا۔ وہاں ہندی اردو کا قضیۂ نامرضیہ بھی اسی کالج نے پیدا کیا۔ رسم الخط کے متعلق اختلاف یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ نہ صاحبان ذیلشان ہندی رسم الخط میں بعض کتابیں چھپواتے اور نہ یہ سوال پیدا ہوتا۔ اصل زبان کے متعلق زیادہ جنگ وجدل نہیں ہے دونوں فریق اس امر پر متفق ہیں کہ عبارت صاف اور سادہ ہو۔ جہاں تک ممکن ہو عربی فارسی اور سنسکرت کے الفاظ کم استعمال کئے جائیں خصوصاً ایسے بعید الفہم الفاظ کو رواج نہ دیا جائے۔ جن کو خاص زبان کے ماہر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن رسم الخط کا سوال ٹیڑھا ہے۔ ہندو صاحبان اس کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور سنسکرت رسم الخط کا رواج چاہتے ہیں۔ چونکہ اردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے۔ اس لئے جو رسم الخط دوسو ڈھائی سو برس سے بلکہ سات سو آٹھ سو برس سے چلا آتا ہے۔ اس میں تبدیلی کرنا اور بالکل ایک جداگانہ رسم الخط اختیار کرنا ہرگز قرین صواب نہیں ہے سنسکرت رسم الخط ہندی کیلئے موزوں ہے۔ اور اردو کے لئے فارسی رسم الخط ہی بہتر اور مناسب ہے اگر لوگ سمجھ سے کام لیں اور ان بیجا مناقشات کو ترک کر دیں اور جس طرح ہوتا آیا ہے اس پہ کاربند ہو جائیں۔ تو دونوں قوموں میں جلد ملاپ ہو جاوے اور آپس کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ یہ شگوفہ صاحبان ذیلشان کا کارنامہ ہے۔ اور اس سے ایسے اختلاف کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ کہ لوگ مرتے مرجائیں گے۔ لیکن اپنی ضد سے باز نہیں آئیں گے''

سنگھاسن بتیسی کو للو لال نے ہندی رسم الخط میں شائع کرایا تھا۔ چونکہ یہ کتاب اردو رسم الخط میں بھی شائع ہوتی تھی۔ اس لئے اس کی مقبولیت زیادہ ہوگئی۔ ذیل میں اس کتاب کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔ اصل ہندی عبارت ہے۔ جس کا صرف رسم الخط بدل دیا گیا ہے۔ اگرچہ ہندی الفاظ بکثرت ہیں اور فارسی وعربی کے لفظ بہت کم ہیں۔ تاہم یہ اس قدر دشوار نہیں ہے۔ کہ اردو داں اس کو نہ سمجھ سکیں۔

ایک روز ایک پنڈت کہیں راجہ بکرماجیت کے پاس آیا اور۔ اس نے آن کر بیان کیا۔ کہ جو کوئی محل بنانے کی بنا موافق میرے کہنے کے دھرے بہت چین

اُٹھاوے اور بڑا نام پاوے ۔تب راجہ نے کہا ۔ اچھا ظاہر کر۔ برہمن کہنے لگا۔ جب تُلالگن آوے ۔ جو اس میں مندر اُٹھاوے ۔جب تک وہ لگن رہے ۔تب تک کام اس میں جاری رکھے ۔اور جب تُلالگن ہوچکے ۔تب اس کا کام موقوف کردے اسی طرح تُلالگن ہی میں وہ سارا مکان تیاری پر لاوے اس کا آٹوٹ بھنڈارہ ہو اور لچھمی اُس کے یہاں سے کبھی نہ جاوے ۔یہ بات سُنکر راجہ من میں خوش ہوا ۔ دیوان کو بُلایا اور مندر اُٹھانے کی اجازت دی کہ تم اچھی جگہ ڈھونڈھ کر محل بناؤ۔ اتنے میں تُلالگن بھی آن پہنچی ۔اس مندر کی نیو دی دیس دیس میں یہ ادا ہوئی کہ راجہ تُلالگن میں محل بنواتا ہے جتنے کاریگر اس میں کام کرتے تھے اُٹھ کر تلالگن میں بناتے تھے ۔ کہیں کام اس میں سونے کا اور کہیں روپے کا اور کہیں لوہے کا ۔اور کہیں کاٹھ کا نئی نئی طرح سے بنتا تھا ۔چنانچہ دریا کے کنارے پر وہ حویلی بنائی چار دروازے اور سات کھنڈ اس میں رکھے ، جگہ جگہ جواہر انمول اس میں جڑے اور دروازے پر دو نیلم کے بڑے بڑے نگینے لگائے ۔جو کسی کی نظر نہ لگے ۔وہ جڑاؤ محل کتنے برسوں میں ایسا تیار ہوا ۔کہ دنیا کے پردے پر کسی نے دوسرا آنکھوں دیکھا نہ کانوں سُنا تب دیوان نے جاکر راجہ کو خبر دی ۔کہ مہاراج وہ مندر اب تیار ہوا ۔آپ چل کر اُسے دیکھئے ۔راجہ وہاں سے مکان دیکھنے کو گیا ۔ایک برہمن بھی ساتھ گیا ۔ محل کو جب راجہ نے ملاحظہ کیا ۔تب برہمن دیکھ کر اور ہنس کر کہنے لگا ۔کہ اے راجہ ایسا گھر جو پاؤں تو بیٹھ یہاں پاتر نہ جاؤں "۔ یہ بات سُنکر راجہ نے کچھ من میں سوچ نہ کیا گنگا جل اور تلسی دل لے کر گھر اس برہمن کو شنکلپ کر دیا ۔ وہ گھر پاکر برہمن ایسا آنند ہوا ۔ جیسے چکور رات کو پاوے ہے "

Marfat.com

مولوی اکرام علی

آپ ۔ ۰ ، بزرگ سیتاپور (اودھ) کے باشندے تھے۔ ان کے جدِ امجد شیخ محمد شمس پہلے مسلمان تھے۔ جو سیتاپور میں آکر آباد ہوئے۔ اور محلہ شیخ سرائے انہیں کی یادگار ہے۔ یہ حضرت عمر ابن خطاب کی اولاد سے تھے۔ ان کے پوتے شیخ بیکی علیہ الرحمۃ نے پاپیادہ بغداد شریف تک سفر اختیار کیا۔ اور حضرت عبد القادر جیلانی کے مزار سے چند تبرکات اپنے ہمراہ لائے۔ جو اُن کے ساتھ دفن کیے گئے۔

مولوی اکرام علی کے باپ کا نام مولوی احسان علی تھا۔ ان کی خاندانی امارت اور عظمت سیتاپور کی اسلامی تاریخ میں یادگار ہے۔ اکثر اہل خاندان مراتب جلیلہ پر فائز رہے تقدس اور عظمت کے اعتبار سے اس خاندان کو دلی کے اولیاء کرام سے تقرب خاص حاصل رہا۔ اِن کے جدِ اعلیٰ حضرت بابا فرید شکر گنج ایک مشہور و معروف صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ خود مولوی اکرام علی کے چچا شیخ سبحان علی شہنشاہان دہلی کے حضور میں والا مرتبت تھے۔

مولوی اکرام علی کی تعلیم و تربیت باپ اور چچا کے علاوہ حاجی تراب علی نامی خیر آبادی کے آغوش شفقت میں ہوئی۔ یہ ایک عالم بے عدیل اور فاضل جلیل بزرگ تھے۔ اور فورٹ ولیم کالج کے مدرسین میں تھے۔ انہیں کی سفارش سے مولوی اکرام علی شعبہ تصنیف و تالیف میں ملازم ہوئے۔ بعد ازاں ۱۸۱۴ء میں فورٹ ولیم کالج کے محافظ دفتر ہوگئے۔ اور چند سال اس عہدہ پر ممتاز رہنے کے بعد آپ شہر کلکتہ کے صدر الصدور مقرر کئے گئے۔ یہ عہدہ اُس زمانہ میں جج کے برابر سمجھا جاتا تھا سیتاپور میں ایک مسجد بھی اپنے مکان کے قریب بنوائی۔ جب یہ مسجد تکمیل کو پہنچی۔ تو اس وقت آپ اجمیر شریف کے مفتی تھے۔ چنانچہ صدر دروازہ مسجد پر یہ کتبہ تحریر ہے:۔

Marfat.com

تاریخ تعمیر مسجد ۱۲۵۳ھ بانیٔ مسجد مولوی حکیم شیخ اکرام علی فاروقی فریدی حنفی قادری رئیس سیتاپور محلہ شیخ سرائے مفتی اجمیر شریف۔ جس سال یہ مسجد بن کر تیار ہوئی۔ اُسی سال یعنی ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۳ھ میں مولوی اکرام علی کا انتقال بمقام اجمیر شریف ہوگیا۔ اور وہیں درگاہ حضرت خواجہ میں مدفون ہوئے۔

ہم ڈاکٹر سید ناظم سیتاپوری کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے علامہ سیتاپوری کے عنوان سے ایک نہایت مختصر رسالہ ہمارے پاس ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو بھیجا تھا۔ وہ مولوی اکرام علی صاحب کو علامہ سیتاپوری کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ اور انہوں نے اس رسالہ میں اُن کے حالاتِ زندگی قلمبند کئے ہیں جن کو ہم نے کسی قدر اختصار کے ساتھ اوپر درج کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب کو تاریخ ولادت معلوم نہیں ہوئی اور نہ آپ نے اپنے رسالہ میں یہ تحریر فرمایا۔ کہ مولوی اکرام علی کی عمر بوقت انتقال کیا تھی؟ بہرحال مولوی اکرام علی نے ۱۸۱۰ء میں رسالہ اخوان الصفا میں سے ایک رسالہ کا ترجمہ عربی سے اُردو میں کیا، جس میں شاہ اجنہ کے سامنے انسان وحیوان کا جھگڑا درپیش ہے۔ کہ ہم دونوں میں کون افضل ہے؟۔ یہ منجملہ ان رسائل کے ہے جو بصرہ کی مشہور سوسائٹی اخوان الصفا کے اہتمام سے لکھے گئے تھے۔ آپ کلکتہ مولوی تراب علی صاحب اپنے بھائی کی طلبی پر گئے تھے اور وہاں مسٹر ابراہیم لاکٹ نے فورٹ ولیم کالج میں ملازم کرادیا تھا۔ چنانچہ کپتان جان ولیم ٹیلر کے ایماء سے رسالۂ مذکور کا ترجمہ کیا۔ کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

"فرمایا کہ رسالۂ اخوان الصفا کہ انسان و بہائم کے مناظرے میں ہے۔ تو اس کو زبانِ اُردو میں ترجمہ کر لیکن نہایت سلیس کہ الفاظ مغلق اس میں نہ ہوویں۔ بلکہ اصطلاحاتِ علمی اور خطبے بھی اُس کے کہ تکلف سے خالی نہیں ہیں قلم انداز کو صرف خلاصہ مضمون مناظرے کا چاہئے راقم نے بموجب فرمانے کے فقط حاصل مطلب کو محاورۂ اُردو میں لکھا خطبوں کو نکال ڈالا۔ اور اکثر اصطلاحاتِ علمی کہ مناظرے سے ان کو علاقہ نہ تھا۔ ترک کیں مگر بعضے خطبے اور اصطلاحات وغیرہ کہ اصل مطلب سے متعلق تھے باقی رکھے۔ . . . مصنفین اس کے ابو سلیمان ابوالحسن، ابواحمد وغیرہ دس آدمی باتفاق یک دیگر بصرے میں رہتے تھے۔ اور ہمیشہ علم ودین

Marfat.com

کی تحقیق میں اوقات اپنی بسر کرتے۔ چنانچہ اکاون رسالے تصنیف کئے۔ بیشتر علوم عجیبہ غریبہ اُن میں لکھے۔ یہ ایک رسالہ اُن میں سے انسانوں اور حیوانوں کے مناظرے میں ہے طرفین کی دلائل عقلی و نقلی اس میں بخوبی بیان کیں۔ آخر بہت قیل و قال کے بعد انسان کو غالب رکھا۔ اور غرض اُن کو اس مناظرے سے فقط کمالات انسانی بیان کرنا ہے چنانچہ اس رسالہ کے آخر میں لکھا ہے۔ کہ جن وصفوں میں انسان حیوان پر غالب آئے۔ وہ علوم معارف الٰہی ہیں۔ کہ اُن کو ہم نے اکاون رسالے میں بیان کیا ہے۔ اور اس رسالے میں مقصود یہی تھا کہ حقائق و معارف حیوانات کی زبانی بیان کیجئے۔ تاکہ غافلوں کو اس کے دیکھنے سے کمالات حاصل کرنے کے واسطے رغبت ہو۔ ترجمہ اس رسالے کا . . . نواب گورنر جنرل لارڈ منٹو بہادر دام اقبالہ کے عہد حکومت میں کہ ۱۲۲۵ھ اور ۱۸۱۰ء میں مرتب ہوا۔"

رسالہ اخوان الصفا پر رائے

رسالہ اخوان الصفا جو ہمیں نہایت جستجو اور تلاش کے بعد دستیاب ہوا۔ اور ہمارے پیش نظر ہے ۱۸۶۱ء میں مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوا تھا۔ غالباً اب عرصہ سے یہ کتاب چھپنی بند ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کے کتب فروش اس کتاب کا نام سُنکر کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں۔ خیر ہم اپنے ایک دوست کے ممنون ہیں جن کی کوشش سے یہ رسالہ ہمیں مِل گیا۔ مضمون نہایت دلچسپ ہے۔ ایک بار پڑھنا شروع کیجئے۔ تو بغیر ختم کئے کتاب کو چھوڑنا مشکل ہو جائے۔ عبارت بھی صاف اور سلیس ہے جیسا کہ دیباچہ میں خود مترجم نے کہا ہے۔ تکلف اور غریب الفاظ سے پرہیز کیا گیا ہے کتاب عام فہم ہے۔ اور اس قابل ہے۔ کہ دوبارہ چھپے اور ملک کے ہر گوشہ میں اس کے مضمون سے لوگ استفادہ حاصل کریں

ذیل میں چند صفحات بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں :-

نمونہ از رسالہ اخوان الصفا

فصل مکھیوں کے سردار کے احوال میں :-

انسان جس وقت اپنے کلام سے فارغ ہوا۔ بادشاہ نے حیوانوں کی طرف خیال کیا۔ ناگاہ ایک مہین آواز کان میں پہنچی۔ دیکھا تو مکھیوں کا

Marfat.com

سردار یعسوب سامنے اُڑتا اور خدا کی تسبیح و تہلیل میں نغمہ سرائی کرتا ہے، پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے کہا۔ میں حشرات الارض کا بادشاہ ہوں، فرمایا تو آپ کیوں آیا جس طرح اور حیوانوں نے اپنے قاصد اور وکیل بھیجے، تو نے اپنی رعیت اور فوج سے کسی کو کیوں نہ بھیجا۔ اُس نے کہا۔ میں نے اُن کے حال پر شفقت اور مہربانی کی۔ تاکہ کسی کو کچھ تکلیف نہ پہنچے۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ وصف اور کسی حیوان میں نہیں ہے۔ تجھ میں کیونکر ہوا؟ کہا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت و مرحمت سے یہ وصف عطا کیا۔ اِس کے سوا اور بھی بہت سی بزرگیاں اور خوبیاں بخشی ہیں۔ بادشاہ نے کہا بزرگیاں اپنی بیان کر کہ ہم بھی معلوم کریں۔ اُس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اور میرے جد و آبا کو بہت سی نعمتیں بخشیں۔ کسی حیوان کو اس میں شریک نہیں کیا۔ چنانچہ ملک و نبوت کا مرتبہ ہم کو بخشا اور ہمارے جد و آبا کو نسل در نسل اس کا ورثہ پہنچایا۔ یہ دو نعمتیں اور کسی حیوان کو نہیں دیں۔ اِس کے سوا اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم ہندسہ اور بہت سی صنعتیں سکھائیں کہ اپنے مکانوں کو نہایت خوبی سے بناتے ہیں، تمام جہان کے پھل اور پھول ہم پر حلال کئے۔ بے خلش کھاتے ہیں، ہمارے لعاب سے شہد پیدا کیا۔ کہ جس سے تمام انسانوں کو شفا حاصل ہوتی ہے، اِس مرتبے پر ہمارے آیاتِ قرآنی ناطق ہیں اور ہماری صورت و سیرت اللہ تعالیٰ کی صنعت و قدرت پر عاقلوں کے واسطے دلیل ہے کیونکہ خلقت ہماری نہایت لطیف ہے۔ اور صورت بہت عجیب ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں تین جوڑ رکھے ہیں، بیچ کے جوڑ کو مربع کیا، نیچے کے دھڑ کو لمبا۔ سر کو مدور بنایا۔ چار ہاتھ پاؤں مانند اضلاع شکل مسدس کے نہایت خوبی سے مناسب مقدار کے بنائے۔ جن کے سبب نشست و برخاست کرتے ہیں۔ اور گھر اپنے اس خوش اسلوبی سے بناتے ہیں کہ ہوا اُن میں ہرگز نہیں جا سکتی۔ کہ جس کے باعث ہم کو یا ہمارے بچوں کو تکلیف پہنچے۔ ہاتھ پاؤں کی قوت سے درخت کے پھل، پتے، پھول جو کچھ پاتے ہیں۔ اپنے مکانوں میں جمع کر رکھتے ہیں۔ شانوں پر چار بازو بنائے۔ جن کے باعث اُڑتے ہیں، اور ہمارے ڈنک میں کچھ زہر بھی پیدا

Marfat.com

کیا ہے۔ کہ اس کے سبب دشمنوں کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور گردن پتلی بنائی کہ داہنے بائیں سر کو بخوبی پھیرتے ہیں۔ اور اُس کے دونوں طرف دو آنکھیں روشن عطا کی ہیں۔ کہ اُن کی روشنی سے ہر ایک چیز کو دیکھتے ہیں۔ اور منہ بھی بنایا ہے۔ کہ جس سے کھانے کی لذت جانتے ہیں۔ دو ہونٹھ بھی دئیے۔ جن کے سبب سے کھانے کی چیزیں جمع کرتے ہیں اور ہمارے پیٹ میں قوتِ ہاضمہ ایسی بخشی ہے کہ وہ رطوبات کو شہد کر دیتی ہے۔ اور یہی شہد واسطے ہمارے اور اولاد کے غذا ہے۔ جس طرح چارپاؤں کی پستانیں قوت دی ہے کہ اُس کے سبب خون متحیل ہو کر دودھ ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا کی ہیں۔ اس کا شکر کہاں تک کریں۔ اسی واسطے میں نے رعیت کے حال پر شفقت و مہربانی کر کے اپنے اوپر تکلیف روا رکھی۔ اُن میں سے کسی کو نہ بھیجا جس وقت یعسوب اپنے کلام سے فارغ ہوا۔ بادشاہ نے کہا آفریں۔ تو نہایت فصیح و بلیغ ہے۔ سچ ہے کہ تیرے سوا یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کسی حیوان کو نہیں بخشیں۔

بعد اس کے پوچھا کہ تیری رعیت و سپاہ کہاں رہتے ہیں۔ اس نے کہا، ٹیلے، پہاڑ، درخت پر جہاں سُبھیتا پاتے ہیں رہتے ہیں اور بعضے آدمیوں کے ملک میں جا کر اُن کے گھروں میں سکونت اختیار کرتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا اُن کے ہاتھ سے کیونکر سلامت رہتے ہیں کہا بیشتر اُن سے چھپ کر اپنے تئیں بچاتے ہیں۔ مگر کبھی جو وہ قابو پاتے ہیں تکلیف دیتے ہیں بلکہ اکثر چھتوں کو توڑ کر بچوں کو مار ڈالتے ہیں اور شہد نکال کر آپس میں کھا لیتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ پھر تم اس ظلم پر اُن کے کیوں صبر کرتے ہو۔ اُس نے کہا ہم یہ ظلم سب اپنے اوپر گوارا کرتے ہیں اور کبھی عاجز ہو کر اُن کے ملک سے نکل جاتے ہیں۔ اس وقت وہ صلح کے واسطے بہت حیلے پیش کرتے ہیں، طرح طرح کی سوغات، عطر و خوشبو وغیرہ بھیجتے ہیں طبل اور دف بجاتے ہیں۔ غرضیکہ انواع و اقسام کے تحفے تحائف دیکر ہم کو راضی کرتے ہیں۔ ہمارے مزاج میں شر و فساد نہیں ہے۔ ہم بھی ان سے صلح کر لیتے ہیں۔ اُن کے یہاں پھر چلے آتے ہیں۔ جس پر بھی ہم سے راضی نہیں ہیں بغیر دلیل و حجت کے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مالک یہ غلام ہیں۔

فصل جنوں کی اپنے بادشاہوں اور سرداروں کی اطاعت کے بیان میں

بعد اس کے یعسوب نے بادشاہ سے پوچھا۔ کہ جن اپنے بادشاہ و رئیس کی اطاعت کس طرح کرتے ہیں۔ اس احوال کو بیان کیجئے۔ بادشاہ نے کہا، یہ سب اپنے سردار کی اطاعت و فرمانبرداری بخوبی کرتے ہیں۔ اور بادشاہ جو حکم کرتا ہے، اُس کو بجالاتے ہیں۔ یعسوب نے کہا، اس کو مفصّل بیان کیجئے۔ بادشاہ نے کہا، جنوں کی قوم میں نیک و بد اور مسلمان و کافر ہوتے ہیں۔ جس طرح انسانوں میں ہیں۔ جو کہ نیک ہیں وہ اپنے رئیس کی اطاعت و فرمانبرداری اس قدر کرتے ہیں۔ کہ آدمیوں سے بھی نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ اطاعت و فرمانبرداری جنّات کی، مثل ستاروں کے ہے، آفتاب ان میں بمنزلۂ بادشاہ ہے۔ اور سب ستارے بجائے فوج و رعیت کے ہیں چنانچہ مریخ۔ سپہ سالار، مشتری، قاضی، زحل، خزانچی، عطارد، وزیر، زہرہ حرم، ماہتاب ولی عہد ہے اور ستارے گویا فوج و رعیت ہیں، اس واسطے کہ سب آفتاب کے تابع ہیں۔ اُسی کی حرکت سے حرکت کرتے ہیں، وہ جو ٹھہر رہتا ہے۔ سب متوقف ہوجاتے ہیں۔ اپنے معمول و حد سے تجاوز نہیں کرتے، یعسوب نے پوچھا کہ ستاروں نے یہ خوبی اطاعت و انتظام کی کہاں سے حاصل کی۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ فیض اُن کو فرشتوں سے حاصل ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی فوج ہیں اور اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یعسوب نے کہا۔ فرشتوں کی اطاعت کس طور پر ہے کہا جس طرح حواس خمسہ، نفس ناطقہ کی اطاعت کرتے ہیں، تہذیب و تادیب کے محتاج نہیں۔ یعسوب نے کہا۔ اس کو مفصّل فرمائیے، بادشاہ نے کہا۔ کہ حواس خمسہ نفس ناطقہ کے واسطے، محسوسات کی دریافت معلوم کرتے ہیں، محتاج امر و نہی کے نہیں ہیں۔ جس شے کے دریافت کرنے کے لئے وہ متوجہ ہوتا ہے، وہ بے تامل و بلاتاخیر اُس کو دوسری شے سے ممتاز کر کے نفس ناطقہ کو پہنچا دیتے ہیں، اسی طرح فرشتے خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف رہتے ہیں۔ جو حکم ہوتا ہے اُس کو

Marfat.com

فی الفور بجا لاتے ہیں اور جنون میں جو کہ بدذات اور کافر ہیں، ہر چند کہ قرار واقعی بادشاہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ مگر وہ بھی بدذات انسانوں سے بہتر ہیں۔ اس واسطے کہ بعضے جنون نے باوجود کفر اور گمراہی کے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت میں قصور نہ کیا۔ ہر چند کہ انہوں نے عمل کے زور سے بہت رنج و مصیبتیں پہنچائیں۔ پہ یہ اُن کی فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے۔ اور جو کبھی کوئی آدمی کسی ویرانے یا جنگل میں جن کے خوف سے کچھ دُعا اور کلام پڑھتا ہے، جب تک اُس مکان میں رہتا ہے۔ کسی طرح کا رنج اُس کو نہیں دیتے۔ اگر بحسب اتفاق کوئی جن کسی عورت یا مرد پر مسلط ہو۔ اور کسی عامل نے وہاں اُس کو رہائی کے واسطے جنون کے رئیس کی حاضرات اور دعوت کی فی الفور بھاگ جاتے ہیں۔ اس کے سوا اُن کے حسن اطاعت پر یہ دلیل ہے۔ کہ ایک بار پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکان میں قرآن پڑھتے تھے۔ وہاں جنوں کا گزر ہوا۔ سنتے ہی سب کے سب مسلمان ہوئے اور اپنی قوم میں جا کر کتنوں کو اسلام کی دعوت کر کے نعمت ایمان سے بہرہ اندوز کیا۔ چنانچہ چند آیات قرآنی اس مقدمے پر ناطق ہیں۔ انسان ان کے بالعکس ہیں طبیعتوں میں ان کی شرک و نفاق بھرا ہے۔ سراسر متکبر و مغرور ہوتے ہیں۔ بیشتر اخذ منفعت کے واسطے طریق ہدایت سے منحرف ہو کر مشرک و مرتد ہو جاتے ہیں۔ ہمیشہ روئے زمین پر قتال و جدال میں مصروف رہتے ہیں۔ بلکہ اپنے پیغمبروں کی بھی اطاعت نہیں کرتے۔ باوجود معجزے اور کرامت کے صاف منکر ہو جاتے ہیں۔ اگر کبھی ظاہر میں اطاعت کرتے ہیں مگر دل اُن کا شرک و نفاق سے خالی نہیں ہے۔ ازبسکہ جاہل و گمراہ ہیں کسی بات کو نہیں سمجھتے۔ جس پر بھی یہ دعویٰ ہے۔ کہ ہم مالک اور سب ہمارے غلام ہیں۔ انسانوں نے جو دیکھا۔ کہ بادشاہ مکھیوں کے رئیس سے ہمکلام ہو رہا ہے۔ کہنے لگے نہایت تعجب ہے کہ بادشاہ کے نزدیک حشرات الارض کے رئیس کا یہ مرتبہ ہے۔ کہ کسی حیوان کا نہیں۔ جنون کی قوم سے ایک حکیم نے کہا۔ اس بات کا تم تعجب نہ کرو۔ اس واسطے کہ یعسوب مکھیوں کا سردار اگرچہ جسم میں چھوٹا اور منحنی ہے لیکن نہایت عاقل و دانا اور تمام حشرات الارض

Marfat.com

کا رئیس و خطیب ہے۔ جتنے حیوان ہیں سب کو ریاست و سلطنت کے احکام تعلیم کرتا ہے اور بادشاہوں کا یہی معمول ہے۔ کہ اپنے ہم جنسوں سے جو کہ سلطنت و ریاست میں شریک ہیں۔ ہمکلام ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ شکل و صورت میں مخالف ہوویں۔ یہ خیال اپنے دل میں نہ لاؤ۔ کہ بادشاہ کسی غرض و مطلب کے واسطے ان کی طرفداری و رعایت کرتا ہے۔ القصہ بادشاہ نے انسانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ کہ حیوانوں نے تمہارے ظلم کا جو شکوہ بیان کیا۔ سب تم نے سُنا اور تم نے جو دعویٰ کیا اس کا بھی جواب انہوں نے دیا۔ اب جو کچھ تم کو کہنا باقی ہو، اُس کو بیان کرو۔ آدمیوں کے وکیل نے کہا۔ کہ ہم میں بہت خوبیاں اور بزرگیاں ہیں کہ وہ ہمارے صدقِ دعویٰ پر دلالت کرتی ہیں۔ بادشاہ نے کہا۔ انہیں بیان کرو۔ رومی نے کہا۔ کہ ہم بہت سے علوم اور صنعتیں جانتے ہیں، دانائی اور تدبیر میں سب حیوانوں سے غالب ہیں۔ دنیا اور آخرت کے امور بخوبی سرانجام کرتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا۔ کہ ہم مالک اور حیوان غلام ہیں۔ بادشاہ نے حیوانوں سے کہا۔ اس نے جو اپنی فضیلتیں بیان کیں تم اس کا جواب کیا دیتے ہو۔ حیوانوں کی جماعت نے یہ بات سُنکر سر جھکا لیا۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ مگر بعد ایک گھڑی کے مکھیوں کے وکیل نے کہا۔ کہ یہ آدمی گمان کرتا ہے کہ ہم بہت علوم اور تدبیریں جانتے ہیں۔ جس کے سبب ہم مالک اور حیوان ہمارے غلام ہیں، اگر آدمی فکر و تامل کریں۔ تو معلوم ہو کہ ہم اپنے امور میں کس طور پر انتظام و بندوبست کرتے ہیں۔ دانائی و فکر میں ان سے غالب ہیں۔ علمِ ہندسہ میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ کہ بغیر مسطر اور پرکار کے انواع و اقسام کے دائرے اور شکلیں مثلث اور مربعے کھینچتے ہیں۔ اپنے گھروں میں طرح طرح کے زاوئے بناتے ہیں۔ سلطنت و ریاست کے قاعدے آدمیوں نے بھی ہم سے سیکھے، اس واسطے کہ ہم اپنے یہاں دربان اور چوکیدار متعین کرتے ہیں کہ ہمارے بادشاہ کے سامنے بغیر حکم کے کوئی آنے نہیں پاتا۔ درختوں کے پتوں سے شہد نکال کر جمع کرتے ہیں۔ اور فراغت سے اپنے گھروں میں بیٹھ کر بال بچوں کے ساتھ کھاتے ہیں۔ جو کچھ ہمارا جھوٹا بچ رہتا ہے، یہ سب آدمی اُس کو نکال کر اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ یہ ہنر ہم کو کسی نے

Marfat.com

تعلیم نہیں کئے۔ مگر اللہ کی طرف سے ہم کو الہام ہوتا ہے کہ بغیر مدد اور اعانت اُستاد کے ہم اتنے ہنر جانتے ہیں، اگر انسانوں کو یہ گھمنڈ ہے کہ ہم مالک اور حیوان ہمارے غلام ہیں۔ تو جھوٹا کیوں کھاتے ہیں۔ بادشاہوں کا یہ طریق نہیں ہے۔ کہ غلاموں کا جھوٹا کھادیں اور یہ اکثر امور میں ہمارے محتاج رہتے ہیں، ہم کسی امر میں ان سے احتیاج نہیں رکھتے۔ پس یہ دعوی بے دلیل ان کو نہیں پہنچتا ہے۔ اگر چیونٹی کے احوال پر یہ آدمی نگاہ کرے کہ باوجود چھوٹے جسم کے کیونکر زمین کے نیچے طرح طرح کے مکان پیچدار بناتی ہے کیسی ہی سیلابی ہو پانی اُن میں ہرگز نہیں جاتا۔ اور کھانے کے لئے غلہ جمع رکھتی ہے۔ اگر کبھی اُس میں سے کچھ بھیگ جاتا ہے۔ نکال کر دھوپ میں سکھاتی ہے، جن دنوں میں احتمال جمنے کا ہوتا ہے اُن کے چھلکے دور کرکے دو ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ گرمیوں میں بہت چیونٹیاں قافلے کے قافلے جمع ہو کر قوت کے واسطے ہر ایک طرف جاتی ہیں۔ اگر کسی چیونٹی کو کہیں کچھ نظر آیا اور گرانی کے سبب اُٹھا نہ سکا۔ تھوڑا اُس میں سے لیکر اپنے مجمع میں اکر خبر کرتی ہے، اُن میں جو آگے بڑھتی ہے۔ وہ اُس چیز سے کچھ تھوڑا پہچان کے واسطے لے کر وہاں جا پہنچتی ہے۔ پھر سب جمع ہو کر کس محنت و مشقت سے اُس کو اُٹھا لاتی ہیں اگر کسی چیونٹی نے محنت میں سستی کی۔ اُس کو مار کر نکال دیتی ہیں۔ پس اگر یہ آدمی تامل کرے تو معلوم ہو کہ چیونٹیاں کیا علم و شعور رکھتی ہیں۔ اسی طرح ٹڈی جبکہ فصلِ ربیع میں کھا پی کر موٹی ہوتی ہے کسی نرم زمین میں جا کر گڑھا کھود کر انڈا دیتی ہے۔ اور اس کو مٹی میں چھپا کر آپ اُڑ جاتی ہے۔ جب اُس کی موت کا وقت آتا ہے۔ طائر کھا جاتے ہیں۔ یا گرمی سردی کی کثرت سے آپ ہلاک ہو جاتی ہے، دوسرے برس پھر فصل ربیع میں جن دنوں ہوا معتدل ہوتی ہے۔ اُس انڈے سے ایک چھوٹا بچہ کیڑے کی مانند پیدا ہو کر زمین پر چلتا اور گھاس چرتا ہے۔ جس وقت پَر اُس کے نکلتے ہیں اور کھا پی کر موٹا ہوتا ہے، یہ بھی دستور سابق انڈا دے کر زمین میں چھپا دیتا ہے۔ غرض اسی طور سال بسال بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ریشم کے کیڑے کہ بیشتر پہاڑوں کے درختوں پر خصوصاً توت کے درخت پر رہتے ہیں۔ ایام بہار میں جبکہ خوب موٹے ہوتے ہیں اپنے لعاب کو درخت پر تن کر بآرام تمام اُس میں سوتے ہیں۔ جس وقت بناتے

Marfat.com

ہیں۔ اُسی حال میں انڈے دے کر آپ نکل جاتے ہیں، اُن کو تو طائر کھا لیتے ہیں، یا آپ خود بخود گرمی یا سردی سے مرجاتے ہیں۔ اور انڈے سال بھر بحفاظت اُس میں رہتے دوسرے سال اُن میں سے بچے پیدا ہوکر درخت پر چلتے پھرتے ہیں۔ جب یہ تازے اور توانا ہوتے ہیں۔ اسی طور پہ انڈے دیکر بچے پیدا کرتے ہیں۔ اور بھڑیں بھی دیواروں اور درختوں پر چھتے بنا کر اُن میں انڈے بچے دیتی ہیں۔ مگر یہ کھانے کے واسطے کچھ جمع نہیں کرتی ہیں۔ روز بروز اپنی قوت ڈھونڈھ لیتی ہیں۔ اور جاڑے کے دنوں میں غاروں یا گڑھوں میں چھپ کر مرجاتی ہیں۔ پوست اُن کا تمام جاڑوں بھر وہاں پڑا رہتا ہے۔ ہرگز سڑتا گلتا نہیں۔ پھر فصل ربیع میں خدا کی قدرت سے اُن میں روح آجاتی ہے، بدستور اپنے اپنے گھر بنا کر انڈے بچے پیدا کرتی ہیں۔ غرض اسی طرح تمام حشرات الارض اپنے بچوں کو پیدا کر کے پرورش کرتے ہیں، فقط شفقت و مہربانی سے یہ نہیں کہ اُن سے کچھ خدمت کی توقع رکھتے ہیں۔ بخلاف آدمیوں کے کہ وہ اپنی اولاد سے نیکی کے اور احسان کے امیدوار رہتے ہیں۔ سخاوت اور جو دکہ شیوہ بزرگوں کا ہے، ہرگز اُن میں نہیں۔ پھر کس چیز سے ہم پر فخر کرتے ہیں اور مکھی، مچھر، ڈانس وغیرہ کہ انڈے دیتے اور اپنے بچوں کی پرورش کرتے اور گھر بناتے ہیں، صرف اپنے فائدہ کے واسطے نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ بعد اُن کے مرنے کے اور کیڑے آرام پاویں۔ کیونکہ اُن میں سے ہر ایک کو اپنی موت کا یقینِ کامل حاصل ہے۔ جبکہ موت کے دن پورے ہوتے ہیں۔ رضامندی اور خوشی سے خود فنا ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پھر دوسرے سال پیدا کرتا ہے، غرضیکہ یہ کسی حال میں اس کا انکار نہیں کرتے، جس طرح بعضے آدمی بعث و قیامت سے منکر ہیں۔ اگر آدمی ان حیوانوں کا احوال معلوم کریں۔ کہ یہ اپنی معاش اور معاد میں ان سے زیادہ تدبیریں جانتے ہیں۔ یہ فخر نہ کریں کہ ہم مالک اور حیوان ہمارے غلام ہیں۔

فصل

جس گھڑی مکھیوں کا وکیل اس کلام سے فارغ ہوا، جنوں کے بادشاہ نے نہایت

Marfat.com

خوش ہو کر اُس کی تعریف کی۔ اور انسانوں کی جماعت کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کہ اُس نے جو کہا سب سُنا تم نے۔ اب تمہارے نزدیک کوئی جواب باقی ہے۔ اُن میں سے ایک شخص اعرابی نے کہا۔ کہ ہم میں بہت سی فضیلتیں ہیں۔ جن سے دعویٰ ہمارا ثابت ہوتا ہے بادشاہ نے کہا، اُنہیں بیان کرو۔ کہا کہ زندگی ہماری بہت عیش سے گزرتی ہے۔ انواع و اقسام کی نعمتیں کھانے پینے کی ہم کو میسّر ہیں۔ حیوانوں کو وہ نظر بھی نہیں آتیں۔ میوؤں کا مغز اور گودا ہمارے کھانے میں آتا ہے۔ پوست اور گٹھلی یہ کھاتے ہیں۔ اس کے سوا طرح طرح کے کھانے، شیرمال، باقرخانی۔ گاؤدیدہ، گاؤزبان، کلیچی، مطنجن، زیربریاں، مزعفر، شیربرنج، کباب۔ قورما۔ بورانی۔ فرنی، دودھ، دہی، گھی قسم قسم کی مٹھائی، حلوا سوہن، جلیبی، لڈو، پیڑے، برفی، امرتی، لوزیات وغیرہ کھاتے ہیں۔ تفریح طبع کیواسطے ناچ، رنگ، ہنسی، چہل، قصّے کہانی میسّر ہیں۔ لباس فاخرہ اور زیور طرح بہ طرح کے پہنتے ہیں۔ مند، قالین، چاندنی، جاجم اور بہت سے فرش و فروش بچھاتے ہیں، حیوانوں کو یہ سامان کہاں میسّر ہیں؟ ہمیشہ جنگل کی گھاس کھاتے ہیں اور رات دن ننگ دھڑنگ غلاموں کی طرح محنت اور مشقت میں رہتے ہیں۔ یہ سب چیزیں دلیل ہیں۔ اس پر کہ ہم مالک اور یہ غلام ہیں۔ طائروں کا وکیل ہزار داستان سامنے شاخ درخت پر بیٹھا تھا، اُس نے بادشاہ سے کہا۔ کہ یہ آدمی جو انواع و اقسام کے کھانے پینے پر افتخار کرتا ہے، یہ نہیں جانتا کہ حقیقت میں اِن کے واسطے یہ بہت رنج و عذاب ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ کیونکر ہے؟ اسے بیان کر۔ کہا . . . . . . اس واسطے کہ اس آرام کے لئے بہت محنتیں اور رنج اُٹھاتے ہیں، زمین کھودنا، ہل جوتنا، ہل کھینچنا، پانی بھرنا، اناج بونا، کاٹنا، تولنا، پیسنا تنور میں آگ جلانا، پکانا۔ گوشت کے واسطے قصائیوں سے جھگڑنا، بنیوں سے حساب کتاب کرنا، مال جمع کرنے کے لئے محنتیں اُٹھانا، علم و ہنر سیکھنا۔ بدن کو رنج دینا اور دُور ملکوں میں جانا، دو پیسوں کے واسطے امیروں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ غرض اس جدوکد سے مال و اسباب جمع کرتے ہیں، بعد مرنے کے وہ غیروں کے حصّے میں آتا ہے۔ اگر وجہ حلال سے پیدا کیا ہے۔ تو اُس کا حساب کتاب ہے۔ نہیں تو

Marfat.com

عذاب و عتاب اور ہم اس رنج و عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ کیونکہ غذا ہماری فقط گھاس پات ہے، جو چیز زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ بے محنت و مشقت اس کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ انواع و اقسام کے پھل اور میوے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہمارے واسطے پیدا کئے ہیں، کھاتے ہیں اور ہمیشہ اس کا شکر کرتے ہیں۔ فکر و تلاش کھانے پینے کی ہمارے دل میں کبھی نہیں آتی، جہاں جاتے ہیں فضلِ الٰہی سے سب کچھ میسر ہو جاتا ہے اور یہ ہمیشہ قوت کی فکر میں غلطاں اور پیچاں رہتے ہیں اور طرح طرح کے کھانے جو یہ کھاتے ہیں، ویسے ہی رنج و عذاب اٹھاتے ہیں۔ امراض مزمنہ میں مبتلا رہتے ہیں، بخار، دردِ سر ہیضہ، سرسام، فالج، لقوہ، جوڑی، کھانسی، یرقان، تپِ دق، پھوڑا، پھنسی، کھجلی داد، خنازیر، پیچش، اسہال، آتشک، سوزاک، فیل پا، نکواسا، غرض اقسام اقسام کی بیماریاں ان کو عارض ہوتی ہیں۔ دوا دارو کے لئے طبیبوں کے یہاں دوڑے پھرتے ہیں، جس پر بے حیائی سے کہتے ہیں کہ ہم مالک اور حیوان ہمارے غلام ہیں۔ انسان نے جواب دیا۔ کہ بیماری کی خصوصیت کچھ ہمارے واسطے نہیں ہے۔ حیوان بھی بیشتر امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس نے کہا۔ حیوان جو بیمار ہوتے ہیں۔ صرف تمہاری آمیزش اور اختلاط سے ہوتے ہیں، بلی، مرغ، کبوتر وغیرہ حیوانات کہ تمہارے یہاں گرفتار ہیں۔ اپنے طور پر کھانے، پینے نہیں پاتے ہیں۔ اس واسطے بیمار ہو جاتے ہیں۔ اور جو حیوان کہ جنگل میں مخلا بالطبع پھرتے ہیں۔ ہر ایک مرض سے محفوظ ہیں کیونکہ کھانے پینے کے وقت ان کے مقرر ہیں، کمی بیشی ان میں نہیں آتی۔ اور یہ حیوانات جو تمہارے یہاں گرفتار ہیں۔ اپنے طور پر اوقات بسر کرنے نہیں پاتے، کھانا بے وقت کھاتے، یا مارے بھوک کے انداز سے زیادہ کھا جاتے ہیں۔ بدن کی ریاضت نہیں کرتے اسی سبب کبھی کبھی بیمار ہو جاتے ہیں۔ تمہارے لڑکوں کے بیمار ہونے کا بھی یہی سبب ہے کہ حاملہ عورتیں اور دائیاں حرص سے غیر مناسب کھانے، جن پر تم اتنا فخر کرتے ہو کھا جاتی ہیں۔ اس لئے اختلاطِ غلیظہ پیدا ہوتے ہیں۔ دودھ بگڑ جاتا ہے، اس کے اثر سے لڑکے بدصورت پیدا ہوتے اور ہمیشہ امراض میں مبتلا رہتے ہیں، انہیں مرضوں

Marfat.com

کے باعث مرگِ مفاجات اور شدتِ نزاع اور غم، غصے میں گرفتار رہتے ہیں۔ غرض کہ تم اپنے اعمال کی شامت سے ان عذابوں میں گرفتار ہو۔ اور ہم ان سے محفوظ ہیں کھانے کے اقسام میں تمہارے یہاں شہدِ نفیس تر اور بہتر ہے جس کو کھاتے اور دوا میں استعمال کرتے ہو، سو وہ مکھیوں کا لعاب ہے۔ تمہاری صنعت سے نہیں، پھر کس چیز کا فخر کرتے ہو۔ باقی پھل اور دانے ان کے کھانے میں ہم تم شریک ہیں اور قدیم سے ہمارے تمہارے جد و آبا شریک ہوتے چلے آتے ہیں، جن دنوں تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت آدم و حوا باغِ بہشت میں رہتے تھے اور بے محنت و مشقت وہاں کے میوے کھاتے، کسی طرح کی فکر و محنت نہ تھی، ہمارے جد و آبا بھی وہاں اس ناز و نعمت میں ان کے شریک تھے جب تمہارے بزرگوار اپنے دشمن کے بہکانے سے خدا کی نصیحت بھول گئے اور ایک دانے کے واسطے حرص کی، وہاں سے نکالے گئے، فرشتوں نے نیچے لاکر ایسی جگہ ڈال دیا۔ جہاں پھل پتے بھی نہ تھے۔ میووں کا تو کیا دخل؟۔ ایک مدت تک اس غم میں رویا کئے۔ آخر کو توبہ قبول ہوئی۔ خدا نے گناہ معاف کیا۔ ایک فرشتے کو بھیجا۔ اس نے یہاں آکر زمین کھودنا، بونا، پیسنا، پکانا، لباس بنانا سکھایا غرض رات دن اس محنت و مشقت میں گرفتار رہتے تھے۔ جبکہ اولاد بہت پیدا ہوئی، اور ہر ایک جگہ جنگل و آبادی میں رہنے لگے۔ پھر تو زمین کے رہنے والوں پہ بدعت شروع کی۔ گھر ان کے چھین لئے، کتنوں کو پکڑ کر قید کر لیا، بہت سے بھاگ گئے۔ ان کے قید و گرفتار کرنے کے واسطے انواع و اقسام کے پھندے اور جال بنا بنا کر لے ہوئے۔ آخر کو نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ اب تم کھڑے ہو کر فخر و مرتبہ اپنا بیان کرتے ہو مناظرے اور مجادلے کے واسطے مستعد ہو۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ خوشی کی مجلس کرتے ہیں، ناچ رنگ میں مشغول رہتے ہیں۔ عیش و عشرت میں اوقات بسر کرتے ہیں لباس فاخرہ اور زیور انواع و اقسام کے پہنتے ہیں، ان کے سوا اور بہت سی چیزیں جو ہم کو میسر نہیں ہیں۔ سچ ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک چیز کے عوض تم کو عذاب و عتاب بھی ہوتا ہے۔ کہ جس سے ہم محفوظ ہیں۔ کیونکہ تم شادی کی مجلس کے عوض، ماتم خانے

Marfat.com

میں بیٹھتے ہو، خوشی کے بدلے غم اُٹھاتے ہو، راگ و رنگ اور ہنسی کے بدلے روتے اور رنج کھینچتے ہو۔ نفیس مکانوں کی جگہ تاریک قبریں سوتے ہو، زیور کے عوض گلے میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں زنجیر پہنتے ہو۔ تعریف کے بدلے ہجو میں گرفتار ہوتے ہو۔ غرض ہر ایک خوشی کے عوض، غم بھی اُٹھاتے ہو۔ اور ہم ان مصیبتوں سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ یہ محنتیں اور رنج غلاموں اور بدبختوں کے واسطے چاہیئے اور ہم کو تمہارے شہروں اور مکانوں کے بدلے یہ میدان وسیع میسر ہے۔ زمین سے آسمان تک جہاں جی چاہتا ہے اُڑتے ہیں، ہرا ہرا سبزہ دریا کے کنارے بے تکلف چرتے چگتے ہیں بے محنت و مشقت رزقِ حلال کھاتے اور پانی لطیف پیتے ہیں۔ کوئی منع کرنے والا نہیں، رسی ڈول، مشک کوزے کے محتاج نہیں، یہ سب چیزیں تمہارے واسطے چاہئیں۔ کہ اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر جا بجا لئے پھرتے اور بیچتے ہو۔ ہمیشہ محنت و مصیبت میں گرفتار رہتے ہو۔ یہ سب نشانیاں غلاموں کی ہیں۔ یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تم مالک ہو۔ اور ہم غلام ہیں

ترجمہ پر رائے مندرجہ بالا عبارت سے ہرگز مترشح نہیں ہوتا۔ کہ یہ کتاب کا ترجمہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مولوی اکرام علی عالم و فاضل تھے۔ روانی اور برجستگی اُن کے قادر الکلام ہونے کی دلیل ہے۔ وہ عربی اور اردو دونوں میں ماہر تھے ورنہ ایسا پاکیزہ ترجمہ کرنا بہت دشوار ہے۔ یہ رسالہ تو اپنی خوبیوں کی وجہ سے ضرور قابلِ تعریف ہے۔ لیکن اس کے مضامین کو اس خوبی سے بیان کر دینا بھی تصنیف کے لگ بھگ ہے۔ اس رسالہ کا اقتباس جہاں اس بنا پر کیا گیا کہ اس کا پورا نقشہ ناظرین کے سامنے آ جائے۔ وہاں اس کی اردو عبارت نے بھی اس امر کی سفارش کی۔ کہ اس کا طویل انتخاب کیا جائے۔ تاکہ قارئین اس سے دلشاد ہوں اور اُن کو پڑھ کر حظ حاصل ہو۔ میر شیر علی افسوس نے آرائشِ محفل" کے نام سے جو ترجمہ خلاصۃ التواریخ کا کیا ہے۔ اس میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ یہ ترجمہ واقعی ترجمہ ہے۔ یعنی لفظی ترجمہ بھی ہے اور بامحاورہ بھی، برعکس اس کے افسوس نے ملخص کیا ہے۔ اور جہاں کہیں چاہا۔ اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا ہے لیکن مولوی اکرام علی نے اپنی طرف سے عربی عبارت کے خلاف کوئی لفظ نہیں گھٹایا یا

Marfat.com

بڑھایا۔ بے شک بعض کہانیوں اور مٹھائیوں کے نام ایسے ہیں۔ جن سے شبہ ہوتا ہے۔ کہ شاید انہوں نے اصل کا ترجمہ کرتے وقت بڑھا دئے ہوں۔ لیکن مضمون یا خیال میں کوئی اضافہ اپنی طرف سے نہیں کیا۔ اگر اصل عربی رسالہ ہم کو مل جاتا۔ تو ہم تیقن کے ساتھ اس امر کا فیصلہ دو ٹوک کر دیتے۔ بہر حال افسوس کی عبارت سے مولوی اکرام علی کی تحریر بہت بہتر ہے۔ خواہ لفظی ترجمہ ہو یا نہ ہو۔ علمی زبان کا انداز ہے اور شگفتہ ہے۔ لطف یہ ہے۔ کہ آجکل کی تحریرات اور تصنیفات کے مشابہ ہے۔ اب اردو زبان کی تصنیفات کا دور چہارم ہے۔ اور یہ ڈیڑھ سو برس کی زبان ہے۔ لیکن بہت کم فرق ہے۔ اور غلط یا متروک الفاظ کہیں نہیں ہیں۔ الغرض یہ ترجمہ بھی ایک نمونہ ہے جو ہمارے مترجمین کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

مظہر علی ولاؔ

آپ، کا اصلی نام مرزا لطف علی تھا۔ مگر مظہر علی خاں کے عرف عام سے مشہور ہوئے سلیمان علی خاں وداد کے بیٹے تھے۔ جو فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ دادا محمد حسین علی قلی خاں کے خطاب سے مفتخر تھے۔ اور شرفائے دہلی میں شمار ہوتے تھے۔ ولاؔ کا مولد و وطن خاک پاک دہلی ہے۔ اور ان کی نشو ونما اور تربیت بھی اسی سرزمین میں ہوئی، تخلص کے متعلق بھی تذکرہ نویسوں میں اختلاف ہے۔ کیونکہ وہ خود اور اُن کے بعض معاصرین تو ولاؔ کے تخلص سے یاد کرتے ہیں۔ مگر مصحفی، باطن بتلاتے ہیں اور مصطفی خاں شیفتہ والا لکھتے ہیں۔

ولاؔ بقول شیفتہ ممنون کے شاگرد تھے۔ مگر مرزا جان طپش اور مصحفی سے بھی مشورہ سخن کرتے تھے۔ فارسی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی۔ اور اس پر عالمانہ عبور رکھتے تھے۔ ولاؔ ہندی اور سنسکرت سے بھی خوب واقف تھے۔ ایک دیوان ان سے

Marfat.com

یادگار ہے۔ جس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ شاہانِ اودھ میں موجود تھا۔ فورٹ ولیم کالج میں وہ بھی دوسروں کی طرح ملازم ہو گئے تھے ۱۸۱۴ء تک زندہ تھے۔ بعد کا حال معلوم نہ ہوا۔ کہ کب تک زندہ رہے۔

مادھونل اور کام کندلا

ولا کی یہ کتاب سب سے پہلی تالیف ہے ۱۸۰۲ء میں مرتب ہوئی۔ یہ ایک ہندی زبان کا قصہ ہے جو موتی رام کبیر نے تصنیف کیا تھا۔ اس میں ایک برہمن مادھونل اور ایک رقاصہ کام کندلا کے عشق و محبت کی داستان بیان کی گئی ہے۔ ارباب نثر اردو سے ذیل کا اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

بلند بلند مکانوں کے بالا خانوں کا عالم دیکھ کر آسمان زمین کا عالم تہ و بالا نئے نئے طور کے مکان منقش عالی شانوں پر سنہری کلیسوں کے چمکنے سے عجیب اُجالا۔ صاحب علم و ہنر۔ نیک افعال و نیک کردار اور لوگ اچھے اچھے آرام چین سے اس بستی میں بستے تھے، وہ یہ پاوتی نگری مشہور تھی۔ اور راجہ گوبند چند دانش و بخشش میں یکتا، نیک افعال، خجستہ خصال، مہر سے معمور، علم و حیا سے مشہور۔ صورت و سیرت میں خوب، خلق طالب و مطلوب، دوست اس کے لطف سے شاد، اور دشمن اس کے قہر سے برباد، جا بجا اسکی دھاک، غرض وہاں راج راجہ اندر کی طرح کرتا تھا۔ اور اس کے محل میں عورتیں ہر ایک ذات کی تھیں۔ لیکن سب سے بہتر اور برتر، پاکیزہ طینت و آراستہ بہ زیب و زینت، شرم و ادب سے اور علم و ہنر سے مالا مال، اور خوبیوں سے اس کی ساری خلقت خوش حال، سامان عیش و نشاط بلکہ سراپا انبساط، شکل و شمائل پری، سراپا غرور سے بھری عیش و نشاط کے طور شکل میں مانندِ ماہ، گلبنِ چمنِ شادمانی، گل گلزار جوانی، ابرو کمان، تیر ... مژگان، ناز و عشوے کے اس میں تمام آئین، نپٹ حسین و نازنین، اس کی رانی تھی۔ اور ایک مادھو نام برہمن خوبصورت و خوش سیرت اس کا بڑا مصاحب تھا۔

ترجمۂ کریما آپ نے حضرت شیخ سعدیؒ کی کتاب کریما، کا بھی نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ خاتمہ پر حسب ذیل قطعۂ تاریخ درج ہے:-

کریما کا جب ترجمہ کر چکا — تو مجھ سے مری طبع نے یہ کہا
کہ تاریخ کہہ یادگارانہ طور — سن عیسوی کے موافق بغور
اسی فکر میں تھا کہ آئی ندا — "ہوا ترجمہ نظم میں یہ دلا"

یہ ترجمہ نہایت عمدہ ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار ارباب نثر اردو سے نقل کئے جاتے ہیں:-

مرے حال پر کر تو بخشش خدا — کہ ہوں میں گرفتار حرص و ہوا
نہیں ہے ہمیں دادرس تجھ سوا — تو ہی بخش دے عاصیوں کے گناہ
گنہ سے مجھے باز رکھ اے خدا — گنہ بخش اور راہ نیکی دکھا
زباں کو دہن بیچ جب تک ہے جا — ہے مقبول دل کو نبی کی ثنا
ہے نبیوں سے بہتر حبیب اللہ — کہ عرش بزرگ اس کا ہے تکیہ گاہ
وہ ہے شہسوار براق ایسا جو — کہ اک پل میں آیا فلک پر سے [illegible]
تری عمر کے گزرے چالیس سال — نہ طفلی کا اب تک گیا وہ خیال
ہوا و ہوس میں گزاری سدا — نہ تو نیک کاموں میں اک دم [illegible]
بھروسا نہ کچھ عمر فانی پہ کر — زمانے کی یاری سے مت [illegible]

ہفت گلشن یہ بھی ایک فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب ناصر علی خاں واسطی بلگرامی کی تصنیف ہے۔ اس میں سات باب ہیں۔ اور ہر باب کو گلشن سے تعبیر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام ہفت گلشن رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کا موضوع تہذیب اخلاق ہے۔ اور اس میں معاشرت، گفتگو کے آداب اور [illegible] بالادستوں کی اطاعت و فرمانبرداری کے متعلق مضامین ہیں۔ اخلاق [illegible] بھی ہیں۔ احادیث نبوی صلعم اور حضرت علی کے بعض اقوال سے بھی اس کو مزین کیا گیا ہے۔ برٹش میوزیم میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ اور شاید یہ کتاب زیور طبع سے آج تک [illegible]

Marfat.com

آراستہ منظر ہوئی ذیل میں ایک مختصر اقتباس درج کیا جاتا ہے :۔

"حکایت چوتھی، مرغی اور مور کی ہے ۔کہ ایک مرغی دانے کی تلاش میں جنگل کو گئی۔ اور ہر طرف دانہ چگنے لگی ۔کہ ناگاہ ایک سوراخ پاس انڈے کتنے ایک مارِ سیاہ کے پائے تب خوش ہو کر نہایت شفقت و مہربانی سے ایک درخت کے نیچے ان انڈوں کو اکٹھا کر کے اپنے پروں کے نیچے لے بیٹھی اور سینے لگی ۔یہ تمام احوال طاؤس نے اس درخت کے اوپر سے دیکھ کر کہا ۔اے مرغی یہ کیا خیال فاسد تیرے دل میں آیا ہے ۔مگر انڈے سانپ کے نہیں پہچانے ہیں تو نے ۔بہتر یہ ہے ۔کہ اس بلا سے دست بردار ہو۔ والا جس وقت کہ بچے انڈوں میں سے نکلیں گے ۔تو تجھے مار ڈالیں گے ۔اس بیہوش نے اس کی بات کو نہ سنا ۔اور اپنے کام میں بدستور مشغول رہی ۔لیکن بعد گزرنے چالیس روز کے بچے ان انڈوں میں سے مانند خراطین کے ایک بارگی جو نکلے تو سارے بدن میں اُس کے چمٹ گئے یہاں تلک کہ کام اُس کا تمام کیا ۔فائدہ اس قصہ سے یہ ہے ۔کہ جو کوئی نصیحت یارِ صادق کی اور دوست مشفق کی نہ سنے، آخر کار وہ پشیمانی کھینچتا ہے اور اسی طرح سے ہلاک ہوتا ہے"

اتالیقِ ہندی اس کتاب میں فارسی پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے اخلاقی اسباق و حکایات بیان کی گئی ہیں ۔۱۸۰۲ء میں یہ کتاب کلکتہ سے شائع ہوئی تھی ۔

بیتال پچیسی وہ معمارانِ اردو، جن کا نام ضرور اس بات کا مستحق ہے ۔کہ جب تک ہماری زبان قائم ہے ۔ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ لیا جائے ۔کیونکہ یہی وہ اصحاب تھے ۔جنہوں نے نثرِ اردو کی بنیاد ڈالی ۔اور بعد ازاں اُس پر عمارتیں قائم ہونی شروع ہوئیں ۔آج گوشۂ گمنامی میں عزلت گزیں ہیں ۔اور بہت کم لوگ جانتے ہیں ۔کہ انہوں نے ابتدا میں ہماری زبان کی کیا کیا خدمات انجام دی ہیں اُس وقت نثرِ اردو لکھنا ایک قسم کی توہین سمجھا جاتا تھا ۔بالفاظِ دیگر نثرِ اردو کے یہ معنی تھے ۔کہ لکھنے والا فارسی میں اظہارِ خیال کی قدرت نہیں رکھتا ۔وہ زمانہ تو پھر

Marfat.com

بھی ہم سے بہت دُور رہے۔ غدر کے بہت بعد تک عام طور پر یہی حال رہا کہ دوستانہ خط و کتابت معمولی اشخاص بھی فارسی زبان ہی میں کرتے رہے۔ اور انیسویں صدی کے اختتام تک بھی اکثر رقعاتِ شادی فارسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ البتہ بیسویں صدی میں یہ سب باتیں داستانِ پارینہ ہو گئیں۔ صرف نسخہ نویسی اب تک فارسی میں ہوتی تھی جبکہ فارسی زبان کا یہ زور اور اثر ہو، واقعی ہم لوگوں کو اُن کا نہایت احسان مند ہونا چاہیے۔ جنہوں نے اپنی علمیت پر بٹہ لگنے کو قبول کیا۔ اور اُردو نثر میں کتابیں تصنیف و تالیف یا ترجمہ کیں اِن بزرگوں میں مظہر علی ولا کا نام نامی بھی ہمیشہ شامل رہے گا۔ انہوں نے بیتال پچیسی کو جو محمد شاہ کے زمانہ میں سنسکرت سے برج بھاشا میں آئی تھی۔ اور ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۳ء میں عام فہم ہو کر ناگری میں لکھی گئی تھی۔ اُردو میں لکھا۔ افسوس ہے کہ مظہر علی ولا نے اپنے متعلق ایک لفظ بھی یہاں تک کہ اپنا نام بھی کتاب مذکورہ میں درج نہیں کیا۔ ورنہ کچھ اُن کے حالاتِ زندگی کا پتہ چل جاتا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب دلچسپی سے مطالعہ نہیں کی جا سکتی۔ زبان صاف اور سلیس نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے ہندی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض بعید از فہم ہیں۔ اب تک یہ کتاب عام طور پر بازار میں فروخت ہوتی ہے۔ لیکن اب وہ دن بہت قریب آنے والا ہے۔ جبکہ بیتال پچیسی اور اس کی ہمعصر بہنیں صفحۂ قرطاس سے معدوم ہو جائیں گی، کیونکہ اب ان کتابوں کے پڑھنے والے بہت کم ہو گئے ہیں۔ اور روز بروز اُن کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے، عام طور پر ناول پڑھے جاتے ہیں۔ اور پرانے قصوں سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ آپ نے مادھونل کا ترجمہ بھی اُردو میں کیا۔ جیسا کہ تخلص سے ظاہر ہے، آپ شاعر بھی تھے اور صاحبِ دیوان تھے۔ تاریخ شیر شاہی کا ترجمہ بھی آپ نے اُردو میں کیا (۱۸۰۵ء) جو غالباً شائع نہیں ہوا۔

بیتال پچیسی میں پچیس کہانیاں ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس کا نام پچیسی ہے، چونکہ کہانیاں کہنے والا ایک شخص بیتال نامی ہے۔ اس لئے اس کا نام بیتال پچیسی رکھا گیا ہے اور وہ شخص کیا ہے۔ بلکہ ایک مردہ ہے۔ جو قوم کا تیلی ہے۔ اور جس کو جوگی نے

Marfat.com

مسان[1] بنا کر رکھا ہے، وہ اس طرح حکایات بیان کرتا ہے۔

نمونہ از بیتال پچیسی

پہلی کہانی

ایک راجہ پرتاب مکٹ نام بنارس کا تھا اور اسکے بیٹے کا نام بجر مکٹ جسکی ناری کا نام مہادیوی ایک دن کنورا اپنے دیوان کے بیٹے کو ساتھ لے شکار کو گیا اور بہت دور جنگل میں جا نکلا۔ اور اُس کے بیچ ایک مندر نایاب دیکھا۔ کہ اُس کے کنارے ہنس، چکوی، چکوا، بگلے، مرغابیاں سب کے سب کلول میں تھے، چاروں طرف پختہ گھاٹ بنے ہوئے، کنول تالاب میں پھولے ہوئے، کناروں پر طرح طرح کے درخت لگے ہوئے کہ جن کی گھنی گھنی چھاں میں ٹھنڈی ہوا آتی تھی۔ اور پنچھی پکھیرو درختوں پر چہچہوں میں تھے۔ اور رنگ برنگ کے پھول بن میں پھول رہے تھے، ان پر بھونروں کے جھنڈ کے جھنڈ گونج رہے۔ کہ اس تالاب کے کنارے پہنچے۔ اور منہ ہاتھ دھو کر اوپر آئے۔ وہاں ایک مہادیو کا مندر تھا۔ گھوڑوں کو باندھ، مندر کے اندر جا، مہادیو کا درشن کر باہر نکلے، جتنی دیر اُن کو درشن میں لگی تھی اُسی عرصہ میں کسو راجہ کی بیٹی سہیلیوں کا جھنڈ ساتھ لئے ہوئے اُسی تالاب کے دوسرے کنارے پر اشنان کرنے آئی۔ سو اشنان۔ دھیان، پوجا کر سہیلیوں کو ساتھ لئے درختوں کی چھاں میں ٹہلنے لگی۔ اُدھر دیوان کا بیٹا بیٹھا اور راجا کا بیٹا پھرتا تھا۔ کہ اچانک اُس کی اور راجہ کی بیٹی کی چار نظریں ہوئیں، دیکھتے ہی اُس کے روپ کو راجہ کا بیٹا فریفتہ ہوا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ کہ اے چنڈال کام دیو مجھ کو کیوں ستاتا ہے اور اس راج پتری نے اُس کنور کو دیکھ سر میں جو کنول کا پھول پوجا کر کے رکھا تھا۔ وہی پھول ہاتھ میں لے، کان سے لگا، دانت سے کتر، پاؤں تلے دبا، پھر اُٹھا، چھاتی سے لگا لیا۔ اور سہیلیوں کو ساتھ لے سوار ہو اپنے مکان کو گئی۔ اور یہ راج پتر نہایت نراس ہو برہ میں ڈوبا ہوا دیوان کے پاس آیا۔ اور ساتھ شرم کے اُس کے آگے حقیقت کہنے لگا۔"

---

[1] مسان سے یہ مطلب ہے کہ ایک جوگی نے اس تیلی کو مار ڈالا۔ اور پھر اُس کو ایک درخت میں لٹکا دیا اور بھوت بنا دیا۔ اسی کتاب میں ایک موقع پر پشاچ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی بھی بھوت کے ہیں تنہا

تاریخ شیر شاہی

ولاؔ کا نہایت قابلِ قدر کارنامہ "تاریخ شیر شاہی" کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ شیر شاہ کے عہد کی مکمل تاریخ ہے۔ شہنشاہ اکبر کے حکم سے عباس خاں بن شیر علی شروانی نے اس کو فارسی میں لکھا تھا۔ ولاؔ نے سنہ ۱۲۲۰ھ میں اس کا ترجمہ کیا۔ خاتمۃ الکتاب میں "ختم شد اردو ترجمہ تاریخ شیر شاہی بتاریخ ۵ رجمادی الاول سنہ ۱۲۳۰ھ مطابق ۲ راگست سنہ ۱۸۲۰ء" درج ہے۔ گارساں دی تاسی نے فرانسیسی میں اس کو ترجمہ کر کے پیرس سے ۱۸۶۵ء میں شائع کیا تھا حسب ذیل نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"اُس نے کہا، اپنے بھائی میر داد کو شیر خاں کے پاس بھیجے۔ تا وہ اس سے یہ قرار داد کرے کہ ہم قلعہ دیتے ہیں۔ لیکن اس شرط سے کہ تو عہد کرے۔ کہ جس بیٹے بدبخت نے اپنے باپ کو مارا ہے۔ اُس کی ناک اور کان کاٹے تا اوروں کو کان ہوں جب میر داد شیر خاں کے پاس گیا۔ اس سے بہ قسمیہ عہد و پیمان کیا۔ کہ لاڈ ملکہ اور تم تینوں بھائیوں کے ساتھ کسی نوع کی مخالفت نہ کرونگا۔ اور مہمانداری کی رسم بخوبی بجا لایا۔ کوئی فروگزاشت نہ کی۔ اور اُس کے آنے سے نہایت خوش ہوا۔ محبت و اخلاص حد سے زیادہ کیا اور کہا۔ کہ اگر لاڈ ملکہ میرے تین قلعہ دیوے اور مجھ سے نکاح کرے۔ تو میں اُس کا نہایت ممنونِ احسان ہونگا۔ مرغِ دل کا شکار کرنا احسان سے خوب ہے۔ اور اچھے کاموں سے ہے۔ میر داد نے کہا۔ کہ خزانہ اور قلعہ سوائے بادشاہ کے دینا مناسب نہیں ہے۔ لیکن جو بندہ آپ کی ملازمت میں آیا۔ اور تم نے بہت اشتیاق و آرزو و تمنا اظہار کی۔ اور میرا بھی اعزاز و اکرام بہت سا کیا۔ اور مہمانداری کا حق جتنا چاہیے۔ بجا لائے۔ میرے دل میں بدلا اُس کا سوائے اس کے کوئی نہیں آتا۔ کہ یہ قلعہ تمہارے ہاتھ آوے۔ اور میں بہ مقدور اپنے تئیں اس کی سعی میں قصور نہ کرونگا۔"

جہانگیر نامہ

بقول گارساں دتاسی ولاؔ نے تُوزکِ جہانگیری کے ایک حصہ کا ترجمہ بھی جہانگیر نامہ کے نام سے کیا ہے۔ اس ترجمہ کا حال

زیادہ معلوم نہ ہو سکا

طرزِ تحریر ولاؔ کا اندازِ بیان شاید مترجم ہونے کی وجہ سے کوئی خصوصیت نہیں رکھتا اگر ہندی یا سنسکرت سے کوئی کتاب ترجمہ کی ہے۔ تو اُس میں ہندی الفاظ زیادہ آگئے ہیں۔ اور یہ کوشش نہیں کی۔ کہ عبارت زیادہ آسان ہو جائے۔ اسی طرح اگر فارسی سے کوئی کتاب ترجمہ کی ہے۔ تو اُس میں فارسی الفاظ اور تراکیب قائم رکھی ہیں اور ترجمہ جوں کا توں کیا ہے۔ شگفتگی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی وجہ سے ولاؔ کی عبارت اپنے ہمعصروں کے مقابلہ میں زیادہ قدیم اور اُکھڑی اُکھڑی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً "آرزو و تمنّا اظہار کی" بجائے "آرزو و تمنّا کا اظہار کیا!" یا "آرزو و تمنّا ظاہر کی" استعمال کیا ہے۔ شاید اُس وقت یہ بامحاورہ فقرہ ہو۔ لیکن آجکل کے مطابق نہیں ہے۔"

مولوی امانت اللہ

آپ، عربی فارسی کے جید عالم تھے۔ فورٹ ولیم کالج میں عربی فارسی کتابوں کا ترجمہ کرنے پر مامور تھے۔ مزید حالاتِ زندگی کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کہاں کے رہنے والے تھے۔ قیاس سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ شمالی ہند کے باشندے ہونگے۔ آپ کی کتابوں میں بھی آپ کا کچھ حال نہیں ملتا۔ تذکروں میں بھی ان کا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ آپ شاعر بھی ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ علم کے زور سے شاعر بنے ہیں۔ فطرت کے تقاضے سے مجبور ہو کر شعر و شاعری اختیار نہیں کی۔ جس طرح مولوی نذیر احمد دہلوی نے بھی چند نظمیں یادگار چھوڑی ہیں۔ جو اُن کی علمیت کے زور سے وجود میں آئی ہیں، اسی طرح مولوی امانت اللہ نے بھی کچھ اشعار کہے ہیں۔ جو اُن کی عربی دانی کی تصدیق کرتے ہیں لیکن یہ ظاہر نہیں کرتے۔ کہ اِن کا کہنے والا ایک فطری شاعر ہے۔ بہرحال

Marfat.com

آپ کا تخلص شیدا تھا۔

آپ نے اخلاقِ جلالی کا ترجمہ اردو میں کیا۔ اور ایک کتاب ہدایت الاسلام عربی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھی جس میں مذہبِ اسلام کے ارکان و رسوم کا ذکر ہے (کلکتہ ۱۸۰۴ء) اس کا ترجمہ ڈاکٹر گل کرائسٹ نے انگریزی زبان میں کیا۔ ایک کتاب صرفِ اردو منظوم لکھی (۱۸۱۰ء) نیز قرآن شریف کا ترجمہ کیا۔

ہدایت الاسلام (اردو) کا نمونہ ذیل میں درج ہے:۔

فصل

کعبے کے درمیان نماز پڑھنے میں

فرض کی یا نفل کی نماز کعبہ کے اندر صحیح ہے اگرچہ مقتدی کا منہ امام کے منہ کی طرف ہو۔ اور جو مقتدی کی پیٹھ اس کے منہ کی طرف ہو تو نماز اُس کی صحیح نہیں ہوتی ہے۔ اور کعبہ کے اوپر بھی وہ ہے اور کعبہ کے چاروں طرف اقتدا کرنا گو بعضے مقتدی امام کی نسبت سے اس کی طرف نزدیک ہو صحیح ہے۔ پر امام جس جانب میں ہے۔ اگر مقتدی اسی طرف کو امام کی نسبت سے کعبہ کی طرف نزدیک ہو۔ تو اس کی نماز درست نہیں کیونکہ اس تقدیر میں وہ امام سے آگے ہو جاوے گا۔ اور مقتدی کو اُس کے آگے کھڑا ہونا درست نہیں ہے"

ترجمہ قرآن شریف

کالج کے شعبۂ تالیف و تراجم میں ملازم ہو کر مولوی امانت اللہ نے قرآن کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ جس کا مختصر نمونہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

اور نہیں کوئی چلنے پھرنے والا زمین میں مگر خدا ہی پر ہے اُس کی روزی اور جانتا ہے وہ اس کے ٹھیراؤ کو اور اُس کے سونپے جانے کی جگہ کو سب کچھ روشن کتاب میں ہے اور وہی تو وہ خدا ہے جس نے بنا ڈالا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ آزمائے تمہیں۔ کہ کون ہے تم میں سے بہتر چال چلن کی راہ سے اور اگر کہتا ہے تو کہ ضرور تم اُٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد۔ تو کہنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ کہ جو کافر ہو گئے کہ

Marfat.com

نہیں ہے۔ یہ مگر صریح جادو اور اگر دیر لگا دیں۔ ہم اُن کے عذاب میں گنتی کے کچھ زمانوں تک تو کہنے لگتے ہیں۔ کہ کسی نے روک رکھا اُسے۔ آگاہ ہو کہ جس دن آپڑے گا۔ وہ اُن پر تو نہ ہٹایا جائے گا۔ اُن سے اور گھیر لے گا انہیں وہی عذاب، کہ جس پر ہمیشہ وہ ٹھٹھے لگایا کرتے تھے اور جب کبھی لگا دیتے ہیں ہم آدمی کو اپنی رحمت کا . . . . . .‘‘

اخلاق جلالی کا ترجمہ جامع الاخلاق

اس کتاب کا ترجمہ جس کا نام جامع الاخلاق ہے۔ ۱۸۰۵ء کے وسط میں ختم ہوا تھا۔ کتاب کے خاتمہ پر یہ قطعہ بھی انہیں کی تصنیف ہے

ترجمہ سے میں جب ہوا فارغ   فکرِ تاریخ طبع پہ تھی شاق
دور کر تیغِ علم سے سرِ جہل   بولا ہاتف ’’تمامی اخلاق‘‘
۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء

اخلاق جلالی ایک مشہور اور ادق کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ آسان کام نہ تھا مولوی امانت اللہ کی یہ ایک کامیاب کوشش تھی۔ البتہ وہ عبارت میں سادگی اور سلاست کو برقرار نہ رکھ سکے۔ ذیل میں اس کتاب کا ایک مختصر نمونہ دیا جاتا ہے۔ تاکہ طرزِ بیان کی خصوصیات کا اندازہ ہو سکے۔

’’تنویر۔ حکیم ارسطاطالیس نے کہا ہے۔ عدالت فضیلت کے جزو کے برابر ہے۔ بلکہ وہ تمام فضیلت ہے۔ اور ظلم جو مقابل اس کے ہے۔ رذیلت کے جزو کے مطابق ہے بلکہ وہ سرتاپا رذیلت ہے۔ لیکن عدالت پہلے شخص اور اس کے خصائل سے علاقہ رکھتی ہے جیسے اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پھر اس کے شریکوں کے ساتھ اہل خانہ یا شہر کے رہنے والوں میں سے ہوں۔ اس واسطے پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک تم میں سے اپنے اعضائے جسمانی اور قوائے نفسانی کا نگہبان ہے۔ وہ قیامت میں پوچھا جائے گا۔ ان کے احوال سے اور جب فرمایا۔ کہ عادل لوگ منبر کے اوپر حق سبحانہٗ تعالیٰ کے نور کے متصل ہیں۔ صحابیوں نے پوچھا۔ وے کون آدمی ہیں فرمایا وے جو پہلے اپنے حق میں اور اپنی اولاد کے حق میں عدالت کریں۔ پھر ان کے حق میں جو اُن کے ملک میں اور ان کے

Marfat.com

تابع فرمان رہیں۔ حکیموں نے بطور تمثیل کے کہا ہے۔ جو چراغ کہ اپنے پاس ہے۔ اگر اُسے روشن نہیں رکھ سکتا۔ پس جو کہ اس سے تفاوت ہے۔ بطریقِ اولیٰ اُس کو روشن نہیں رکھے گا یعنی جو کوئی اپنی اور اپنے خصائل اور اعضاء کی عدالت سے عاجز رہے۔ پھر اس سے اہلِ خانہ اور شہریوں کی عدالت متصور نہیں ہے۔ چاہیئے کہ اپنے تن بدن کی عدالت سے خبردار ہو۔ اور افراط و تفریط کی مضرت سے احتراز کرے۔ بعد اس کے گھر کے لوگوں یا شہر کے رہنے والوں سے وہی طریق مسلوک رکھے اور نائب خداوند تعالیٰ کا کہلاوے۔ حکیموں نے کہا ہے۔ کہ جب خلق اللہ کے بند و لبست کی ڈوری ایسے بزرگ کے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ تو زمانہ کے انتظام کا سر رشتہ بخوبی مستحکم ہو۔ اور اُس کے مبارک ڈور کی تاثیر سے کھیتے اور نسل میں برکت پیدا ہو۔ روایت ہے۔ کہ کسریٰ کے خزانہ میں ایک تھیلا پایا اس میں گیہوں کے دانے ازبسکہ بڑے بڑے چھوہارے کی مثال تھے۔ اس تھیلے پر لکھا تھا کہ جس زمانہ میں بادشاہوں کی عدالت نہایت کامل تھی۔ برکت اس مرتبہ پر تھی۔ درست ہے کہ اس زمانۂ واضح برہان میں حضرت خاقان صاحب زماں کی عطوفت و رحمت کی برکت سے تھوڑی مدت کے بیچ ہر طرح کی جمعیت و خاطر جمعی اہلِ بلاد اور کافۂ عباد کو پہنچی اور ملکوں کا میدان جو ظالموں کے ظلم سے پامالِ ہلاکت ہو گیا تھا۔ آیۂ نشانی نزولِ رحمت اور علامت حصولِ برکت کی ہے۔ بیت

خدایا تو ملک اس سے آباد رکھ ۔۔۔ دلِ خلق کو خرم و شاد رکھ

اس کتاب میں جہاں جہاں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی اور عربی امثال تھے اُن سب کا اُردو ترجمہ کر دیا ہے

حرفِ اُردو یہ اُردو کی مختصر قواعد ہے۔ جو نظم میں لکھی گئی ہے۔ تاکہ صرف و نحو کے مسائل نثر میں پڑھنے کی بجائے نظم میں یاد ہو جائیں۔ یہ تقریباً ۱۵۵ صفحات کی کتاب ہے۔ ذیل میں چند اشعار جو آپ سے منسوب ہیں۔ درج کئے جاتے ہیں تاکہ آپ کے کلام کا اندازہ ہو سکے۔ مثنوی

علمِ حکمت سے جو کہ ہو آگاہ ۔۔۔ اور حامل ہو اِس کا خاطر خواہ

Marfat.com

ہر دو عالم میں بہرہ ور ہوئے　　مالکِ ملک و سیم وزر ہوئے

متفرق اشعار :- اصل فارسی

بلہ اے عشق کہن سال تو ہر دم نوی　　زیرِ فرمانِ تو ہر جا کہ ضعیف است و قوی

ترجمہ :-

بل بے اے عشق کہن سال تو ہر دم نو ہے　　تیرے فرمان کے تابع ہے ہر اک پیر و جوان

اصل :-

بہ مال و جمالِ خویشتن غرہ مشو　　کا نرا بہ شبے برند و ایں را بہ تبے

ترجمہ :-

مغرور مت ہو ہرگز مال و جمال سے ہاں　　اک شب میں اس کو لے لیں اور اس کو ایک تب میں

اصل :-

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود　　روغنِ بادام خشکی می فزود

ترجمہ :-

سکنجبیں نے قضارا بڑھایا صفرا کو　　عجب کہ روغنِ بادام سے ہو خشک دماغ

اصل :-

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ :-

مرتا ہے کب وہ جو کہ ہوا زندہ عشق سے　　ثابت ہے جاودانی ہماری کتاب میں

ان متفرق اشعار کے ترجموں میں ایک لطف ہے۔ اور کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مترجم صاحبِ کمال ہے۔

صرفِ اردو سے حسب ذیل اشعار نقل کئے جاتے ہیں :-

قاعدے ہر زبان کے ہیں دو دو　　صرف اور نحو کہتے ہیں جن کو "

ہیں یہ دونوں اصول قانوں کے　　اور فروع ان کے ما در اء جتنے

صرف ان دونوں میں سے اقدم ہے　　لفظ کا معنی جس سے محکم ہے

Marfat.com

طرزِ تحریر پر رائے مولوی امانت اللہ عالم و فاضل ضرور ہیں۔ لیکن اِن کی عبارت میں شگفتگی اور روانی نہیں ہے۔ میر امن، سید حیدر بخش، میر شیر علی افسوس سے اِن کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ بے شک مولوی اکرام علی صاحب بھی عبارت خوب لکھتے ہیں۔ ان کے بعد پھر صفائی اگر پائی جاتی ہے۔ تو نہال چند لاہوری کی کتاب میں، ورنہ بقیہ نثار گنجلک عبارت لکھنے کے عادی ہیں۔ یہ تو فورٹ ولیم کالج کی بدولت اُن کے یہاں بھی متقابلتاً روانی پیدا ہوگئی ہے۔ ورنہ یہ لوگ ترجمہ کا کیا ذکر اپنی خود تحریر لکھنے میں بھی تعقید اور پیچیدگی سے کام لیتے۔ زیادہ تر یہ اصحاب مقفی عبارت لکھتے ہیں۔ اور غالباً اِن کو ہدایت کی گئی ہوگی۔ کہ عبارت صاف، سلیس اور بامحاورہ لکھی جائے۔ اس پر بھی انہوں نے جہاں موقع ہاتھ آگیا۔ عبارت پیچیدہ لکھنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ مولانا کے اشعار بھی کچھ زوردار نہیں ہیں۔ بہت معمولی ہیں۔ کہیں کہیں زور پیدا ہوگیا ہے۔

اِن نقائص کے باوجود ہم مولوی امانت اللہ کی خدماتِ اردو کو نظرِ استحسان سے دیکھتے ہیں۔ قرآن شریف کا ترجمہ معمولی کام نہ تھا۔ جہاں تک عبارت کا تعلق ہے، شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ بھی ایسا ہی ہے۔ پھر مولوی امانت اللہ ہی کو ہم کیوں موردِ الزام قرار دیں۔ ہدایت الاسلام اور جامع الاخلاق یہ دونوں کتابیں بھی مفید ہیں۔ اور اس زمانہ میں لکھی گئیں۔ جبکہ اردو میں اس قسم کی کتابوں کا قحط تھا۔ مولوی صاحب نے جو کچھ بھی کام کیا۔ وہ سودمند تھا۔ اور بلاشبہ قابلِ تعریف ہے۔ ابتدائی منازل و مراحل میں ہر زبان کی تحریرات ایسی ہی ہوتی ہیں۔ میر امن، سید حیدر بخش حیدری۔ اور میر شیر علی افسوس کی زبان اِس وجہ سے بھی شستہ معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے قصے کہانیاں لکھی ہیں۔ چنانچہ افسوس کی کتاب خلاصۃ التواریخ میں وہ بات نہیں ہے، یا گلستان کے ترجمہ میں بھی وہ صفائی نہیں ہے۔ جو قصے کہانیوں کی کتابوں میں ہے۔ افسوس تو اُن لوگوں پر ہے جو علمی مسائل پر کتابیں بھی نہ لکھیں اور قصے کہانیوں کی زبان بھی کہیں ہندی الفاظ سے اور کہیں فارسی عربی کی آمیزش سے مغلق اور دشوار بنا دیتے ہیں۔ اس بارہ میں مولوی اکرام علی

Marfat.com

ضرور قابلِ داد ہیں۔ کہ رسالہ اخوان الصفا کا ترجمہ نہایت خوبی کے ساتھ کیا۔ حالانکہ علمی اور اخلاقی مضمون تھا جس میں ہر مخلوق کے اوصاف کی جانچ پڑتال کی گئی ہے، اور اس صفائی کے ساتھ بیان کر دینا کارے دارد کا مصداق تھا۔

منشی بینی نارائن جہان

منشی بینی نارائن جہان لاہور کے ایک معزز اور علم دوست خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد مہاراجہ لکشمی نارائن ایک متمول رئیس اور بڑے بھائی رائے کھیم نارائن اچھے خاصے عالم اور شاعر تھے۔ تخلص رند تھا۔ پیدائش اور تعلیم و تربیت لاہور ہی میں ہوئی۔ گردشِ زمانہ سے بہت جلد تباہ حال اور تنگ دست ہو گئے۔ مجبوراً تلاشِ معاش کے لئے آوارہ وطن ہوئے۔ کئی سال ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت کرتے رہے اور آخرِ کار کلکتہ جا پہنچے۔ یہاں بھی نووارد سمجھ کر ان کی طرف کسی نے توجہ نہ کی اور بارہ برس کا زمانۂ دراز عسرت و پریشانی میں بسر کیا۔ لیکن اس عرصہ میں کالج کے مشہور اربابِ قلم اور مؤلفین سے آپ نے راہ و رسم پیدا کر لی، خصوصاً سید حیدر بخش حیدری سے بیحد مراسم ہو گئے چنانچہ حیدری کی سفارش پر آخر کار کالج کے اربابِ قلم میں شامل ہو گئے اور تصنیف و تالیف کا کام ان کے سپرد ہو گیا۔

آپ نے دو کتابیں تالیف کی ہیں :- (۱) چار گلشن اور (۲) دیوانِ جہاں۔ بقول گارساں دتاسی ان کتابوں کے علاوہ آپ نے مولوی شاہ رفیع الدینؒ کی فارسی کتاب تنبیہ الغافلین کا بھی اردو ترجمہ ۱۲۴۵ھ میں کیا تھا۔

گارساں دتاسی کا یہ بھی بیان ہے کہ بینی نارائن نے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا اور مولوی سید احمدؒ بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ تاریخِ وفات معلوم نہیں ہوئی۔

Marfat.com

چار گلشن یہ ایک عشقیہ قصہ ہے۔ اس میں شاہ کیوان اور فرخندہ کے عشق و محبت کی داستان بیان کی گئی ہے۔ منشی بینی نارائن مولف نے یہ قصہ ۱۸۱۱ء میں مولوی امام بخش کو سنایا، تو انہوں نے بیحد پسند کیا۔ انگریزوں نے اس کو دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور مولف کو کافی صلہ دے کر اس سے مسودہ حاصل کر لیا یہ قصہ اب تک شائع نہیں ہوا۔ البتہ اس کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ مولف نے اس کا نام حسب ذیل بیت میں نظم کر دیا ہے۔

رکھا چار گلشن جو میں اس کا نام رہے گی خزاں دور اس سے مدام

ذیل میں ایک مختصر اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے:۔

"زمانۂ گزشتہ کے نقل بیان کرنے والوں اور ایام سلف کے قصہ کہنے ہاروں نے ان نادر قصوں اور عجیب حکایتوں کے گوہر آبدار کو رشتۂ بیان میں اس طرح منسلک کیا ہے۔ کہ بیچ بلاد خجستہ بنیاد وسعت آباد ہندوستان جنت نشان کے شہروں سے کسی شہر میں ایک بادشاہ جم جاہ، نہایت عالی شان والا دودمان تھا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے شان و شوکت اور جاہ و حشمت اس کو اس قدر عطا فرمائی تھی۔ کہ اس زمانہ میں کوئی دوسرا بادشاہ اس کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ اور اس کے داب و رعب کے آگے پاؤں رستم کا بھی نہ ٹھہر سکتا تھا۔ بیت،

فلک مرتبت تھا وہ کیوان شاہ دو مشعل فروز اس کے تھے مہر و ماہ

ایک دن وہ بادشاہ قلعہ کے جھروکے میں بیٹھا ہوا دریا کی سیر کر رہا تھا۔ بہت آدمی اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو رہے تھے، گزارے کی کشتیاں آدمیوں سے بھری ہوئیں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آتی جاتی تھیں (چار گلشن قلمی صفحہ ۱۲ از ارباب نثر اردو)

دیوان جہان بینی نارائن کی دوسری تالیف تذکرہ دیوان جہاں ہے۔ یہ تذکرہ جہان نے کپتان روبک کی فرمائش پر لکھا۔ غالباً ۱۸۱۲ء میں شروع کیا۔ اور ۱۸۱۴ء میں ختم کیا۔ اس تذکرہ میں ۱۲۵ شعراء کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے

Marfat.com

قدیم تذکروں کی طرح اس کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ شعرا کے حالات میں اکثر صرف، نام، ولدیت، سکونت اور تلمذ وغیرہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ تاریخ ولادت و وفات اور دیگر ضروری امور چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ اس کا دیباچہ بھی نظم میں ہے۔ اور مرتب نے اپنے کلام کا بہت حصہ اس میں شامل کر دیا ہے۔ یہ تذکرہ بالکل نایاب ہے۔ صرف برٹش میوزیم میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ ذیل میں چند شعراء کا حال بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے:۔

"ولی تخلص نام میرزا محمد علی معروف آگاہ شاہ اسرار اللہ کے بھتیجے، دکن کے رہنے والے۔ یہ ان سے ہے

اس قد سے جس چمن میں وہ نونہال ہوگا کیسا سرو کیا صنوبر ہر اک نہال ہوگا

ولا تخلص نام میرزا لطف علی عرف مظہر علی خاں خلیفہ سلیمان خاں عرف میرزا محمد زماں خاں دادا ابن محمد حسین بخطاب علی قلی خاں، دلی کے رہنے والے ہمیشہ عمدہ روزگار رہے۔ بالفعل کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور اس خاکسار پر نہایت مہربانی فرماتے ہیں۔

افسوس تخلص نام میر شیر علی۔ میر علی مظفر خاں کے بیٹے، پہلے تھوڑے دنوں میر سوز سے اصلاح لی۔ بعد اس کے شاگرد ہوئے میر حیدر علی حیران کے۔ نارنول کے رہنے والے۔ کلکتہ میں آن کر رحلت کی

محبت تخلص۔ نام نواب محبت خاں، نواب حافظ رحمت خاں کے بیٹے، بریلی کے رہنے والے اس نحیف پر نہایت مہربانی فرماتے تھے اور ہفتہ میں ایک بار چہار شنبہ کے دن اس خاکسار کے غریب خانہ میں تشریف لاتے تھے۔

تنبیہ الغافلین مولانا شاہ رفیع الدین نے اس نام سے ایک کتاب فارسی زبان میں تحریر فرمائی تھی۔ بینی نارائن نے اس کا ترجمہ اسی نام سے اردو میں کیا جو ۱۲۲۵ھ میں تمام ہوا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اور بیس ابواب کا ترجمہ ہے۔ آجکل جو نسخہ دستیاب ہوتا ہے۔ وہ

Marfat.com

پچیس ابواب پر مشتمل ہے۔ آخر الذکر کتاب کا سبب تالیف یہ بیان کیا گیا ہے :۔

"اس کتاب کا نام تنبیہہ الغافلین ہے اور احوال اس کتاب کا یوں ہے۔ کہ پہلے کسی شخص نے اس کو جس میں تین باب تھے۔ فارسی سے ہندی زبان میں ترجمہ کیا تھا لیکن اکثر الفاظ اس کے بے محاورہ اور نادرست اور آیتیں اور حدیثیں غلط تھیں ۔ ۔ ۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بینی نارائن جہان کے اردو ترجمہ ہی کا ذکر ہے جو ان الفاظ کیساتھ عبارت متذکرہ بالا میں درج کیا گیا ہے۔ ذیل میں جہان کے اردو ترجمہ سے ایک مختصر عبارت بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے۔

بنی اسرائیل سے ایک جگہ تین بھائی تھے۔ ان میں ایک بڑا دانا تھا۔ اس نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ اے بھائیو، ماں باپ کی خدمت ہم کو سپرد کرو۔ تو ہم بجا لاویں۔ بعد مرنے کے جب میراث اُن کی ملے گی۔ تم دونوں ہی بانٹ لیجو۔ یہ بات سُن کے وہ بہت خوش ہوئے اور ایسا ہی کیا۔ الغرض وہ اکیلا خدمت ان کی کرنے لگا۔ جب ماں باپ ان کے مر گئے۔ یہ دونوں بھائی ورثہ اُن کا پاکر خوش گزران کرنے لگے۔ اور بڑے بھائی کو اس مال سے کچھ نہ دیا۔ اس نے چھوٹے بھائی سے کہا۔ اے بھائیو۔ جیسا ماں باپ کے وقت میں کھانے پینے کو پاتا تھا۔ ایسا ہی اب مجھ کو دو۔ میں اور کچھ نہیں مانگتا ہوں مائس کی رندی یہ بات سُن کے تضیہ کرنے لگی۔ ایک رات اس بیچارے نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک آدمی کہتا ہے۔ کہ فلاں جگہ سو دینار سونے کے گھڑے ہیں تو نکال لے۔ اس نے اعتبار نہ کیا۔ آخر یہی بات تین رات پیہم خواب میں دیکھا کیا بعد اس کے جو اُس جگہ کو کھودا۔ تو وہ دینار پائے"

میرزا جان طپش

تذکروں میں آپ کا اصلی نام مرزا محمد اسماعیل ہے مگر آپ مرزا جان کے عرف سے ہی مشہور ہیں۔ طپش تخلص تھا۔ آباؤ اجداد بخارا کے رہنے والے تھے اور

Marfat.com

سلسلۂ نسب بخارا کے مشہور بزرگ اور صوفی سید جلال الدین معروف بہ سید بخاری تک پہنچتا ہے۔ والد مرزا یوسف بیگ سپاہی پیشہ تھے طپش دہلی میں پیدا ہوئے۔ غالباً ۱۱۶۰ھ میں ولادت ہوئی اور دہلی ہی میں نشو و نما پائی۔ بچپن اور جوانی کا بہت بڑا حصہ علمائے دہلی کی صحبت میں گزرا۔ عربی فارسی کے علاوہ سنسکرت زبان بھی حاصل کی اور خاص مہارت بہم پہنچائی۔ فن بلاغت میں بھی آپ کو بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ اور مرزا محمد یار بیگ سائل سے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ شروع میں شاہ عالم بہادر کے ولی عہد مرزا جواں بخت جہاندار شاہ کے دربار میں ملازم ہوئے۔ چونکہ آپ موروثی سپاہی پیشہ تھے۔ اس لئے جہاندار شاہ کے یہاں بھی فوجی خدمت ہی پر مامور ہوئے۔ شعر گوئی کا شوق ۱۱۹۰ھ میں ہوا۔ پہلے مرزا محمد یار بیگ سائل کے شاگرد ہوئے۔ اور پھر حضرت خواجہ میر درد کو کلام دکھانے لگے۔

مرزا جہاندار شاہ کے انتقال کے بعد طپش نے صوبہ بنگال کا سفر اختیار کیا۔ اور ڈھاکہ میں نواب سید احمد علی خاں شمس الدولہ کے مصاحب مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ میں نواب موصوف الصدر کے ایماء سے اپنی کتاب شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان لکھی۔ وہاں سے کلکتہ کا رخ کیا۔ اور کالج میں ملازم ہوگئے۔ جو کتابیں کالج کی طرف سے شائع ہوتی تھیں۔ ان کی نظر ثانی آپ کے سپرد تھی۔ آپ نے ایک فارسی قصہ کو بہار دانش کے نام سے لکھا ہے۔ جو نظم میں ہے ۱۸۱۱ء میں کالج کی طرف سے آپ کا کلیات شائع ہوا۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے۔ کہ ۱۸۱۶ء سے قبل فوت ہوئے۔ طبقات الشعرائے ہند اور خمخانۂ جاوید وغیرہ میں ان کے کلام کی صفائی فصاحت اور مضمون کی تازگی کی تعریف کی گئی ہے شیفتہ نے بھی چند اشعار بطور نمونہ درج کئے ہیں۔ اور کلام کی تعریف کی ہے۔ ذیل میں آپ کے کلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

قطعہ

ہر طرف دھوم ہے بسنت ہی کی　　سیر میں ہے ہر اک تماشائی
کتنے گل رو جو ہیں بسنتی پوش　　جی میں کھٹکے ہے جن کی رعنائی

Marfat.com

کہتے ہیں آن کے مجھے ہنس ہنس　　دیکھ کر میری ناشکیبائی
ہو مبارک تمہیں جنون طپش　　پھر نئی رت نئی بہار آئی

شمس البیان فی مصطلحات ہندستان

یہ کتاب اردو محاورات اور روز مرہ پر ۱۷۹۳ء میں لکھی گئی تھی۔

اس موضوع پر غالباً یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ۱۲۶۵ھ میں مرشد آباد سے شائع ہوئی تھی مصطلحات و محاورات کی تشریح و تصریح فارسی میں کی گئی ہے۔ اور فارسی زبان ہی میں اس کا دیباچہ بھی لکھا ہے۔ مؤلف نے نہایت محنت و جانفشانی سے کام لے کر ۷۰۵ محاورات کو ردیف وار مرتب کیا ہے۔ اور ہر محاورہ کی سند میں اساتذہ کا کلام پیش کیا ہے۔ عبارت ذیل بطور نمونہ درج کی جاتی ہے:-

"انگاروں پر لوٹنا۔ کنایہ از بیقراری کہ در عالم رشک لاحق گردد۔ ملی دکنی گوید

شعلہ خوجب سے نظر آتا نہیں　　تب سے انگاروں پہ لوٹے ہے ملی

رفو چکر میں آنا۔ حیران ماندن بہ مشاہدۂ امر عجیب و عوام بازاری استعمال کنند سراج الدین سراج دکنی گوید

رفو گر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے　　اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

لونی۔ بہ واؤ مجہول بیائے معروف کنایہ از شورہ بستن دیوار است کہ در ایام برسات بر دیوار گلی عارض گردد۔ شاہ عزیز اللہ عزیز دکنی گوید

کان نمک ہوا ہوں ترا حسن سبز دیکھ　　لونی برہ کی جیب سے لگ گل گیا ہوں میں

بہار دانش

طپش نے میر حسن کی سحر البیان کے طرز پر ایک مثنوی بھی کہی ہے اس میں جہاندار شاہ اور بہرہ ور بانو کے عشق کا حال درج ہے اور جہاں تک ان سے ہو سکا۔ میر حسن کے انداز بیان کی تقلید کی ہے۔ اس مثنوی کا قصہ شیخ عنایت اللہ بنگالی کے فارسی قصے سے لیا گیا ہے۔ ۱۸۰۱ء میں یہ مثنوی ختم ہوئی۔ اور طپش نے یہ تاریخ آخر کتاب میں درج کی ہے:-

Marfat.com

ہوا جس گھڑی ترجمہ یہ تمام ، بہ طرزِ لطیف و بہ حسنِ کلام
طپش نے وہیں فکر کر ایک بار کہی اس کی تاریخ باغ و بہار

عجیب اتفاق ہے ۔ کہ اس سال میں جتنی کتابیں اتمام کو پہنچیں ۔ سب کی تاریخ اسی مادہ سے نکالی گئی ہے ۔ (۱) میر امن کا قصۂ چہار درویش (۲) نو طرزِ مرصع از محمد عوض زرین (۳) بہار دانش ۔ میرے نزدیک یہ اتفاق نہیں ہے ۔ بلکہ طبیعتیں دوسروں کے چبائے ہوئے نوالوں کو کھانا اپنی دون ہمتی نہیں خیال کرتیں ۔

سب سے پہلے یہ کتاب سنہ ۱۲۵۰ھ میں کلکتہ کے محمدی پریس سے شائع ہوئی ۔ بعد ازاں بمبئی میں طبع ہوئی ۔ سن طباعت سنہ ۱۳۱۲ھ ہے ۔ لکھنؤ سے بھی سنہ ۱۸۰۲ء میں طبع ہوئی ۔ لیکن آجکل یہ کتاب مشکل سے دستیاب ہوتی ہے ۔ بقول مؤلف خمخانۂ جاوید اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے :-

"سنو آگے تم اب ادھر کا بیاں پدر مہربانو کا ہو شادماں
اہالی موالی سے اپنے کہا کہ نقار خانہ میں دو حکم جا
کہ نوبت دھریں آج سے بیاہ کی کہ شادی ہے اس عزتِ ماہ کی
محل میں بھی ہیں گائنیں جو تمام مچاویں بدھاون کی اب دھوم دھام
کرو شہر کو یکسر آئینہ بند کہ دسے روشنی لطف جس سے دو چند
امیروں کو تورے بٹیں رنگ رنگ شتابی کرو بس نہ ہووے درنگ
زری بادلے کے بچھیں فرش سب تکلف کے خلعت ہوں تیار اب
صندوقچے جواہر کے بھی وا کرو جو مطلوب ہے سب مہیا کرو
جب ارکانِ دولت یہ لائے بجا اور اسباب سب کچھ مہیا کیا
تو بھیجا ملک زادہ کو پھر پیام کہ اے شاہ فرخندہ والا مقام
معین ہے اب ساعتِ سعد کل بس اب کل کرو روشن آکر محل
جلوس و تزک کا جو سامان تھا وہ سب کچھ ادھر سے روانہ کیا
ملک زادہ بس وقتِ موعود پر رفیقوں کے تئیں اپنے سب جمع کر

Marfat.com

براتی ہر اک کو بخوبی بنا، بنا آپ دولھا بہ ناز و ادا
گیا دھوم سے اور بڑے اوج سے اُسی لاو لشکر اُسی فوج سے
اُٹھے بہر تعظیم امیر و وزیر گئے آگے لینے صغیر و کبیر
لگی تھی جہاں مسندِ زر نگار بٹھایا وہاں لا کے با اقتدار
طوائف جو تھی پھر رہیں ناز سے لگیں ناچنے اُٹھ کے انداز سے

پڑے پھر گلے میں جو پھولوں کے ہار مبارک سلامت مچی ایک بار
گھڑی ایک دو جب رہی باقی رات تو رخصت کی پھر آن کر ٹھیری بات
اُٹھا گود میں اپنی دُلھن کے تئیں ملک زادہ نکلا محل سے وہیں

بجاتا ہوا نوبتیں شان سے
رہا پھر اُسی باغ میں آن کے

بعض الفاظ اس مثنوی میں ایسے استعمال کئے ہیں۔ جو شاید اُسی وقت بول چال میں رائج ہوں۔ لیکن تحریر میں کبھی اُن کو صحیح نہیں مانا گیا۔ مثلاً صندوقچے کے بجائے صندوقچے ایک جگہ طرف بجائے طَرَف لکھا ہے۔ بعض اُستادوں نے بھی ایسا کیا ہے۔ لیکن ایک مقام پر گُل کا قافیہ گُل ہی استعمال کیا ہے اور یہ جائز نہیں ہے ؎

کہ صدقے ہوا سب پہ سے صد بوئے گُل کہاں گل نے پائی یہ بو باس گل

شاید دوسرے گُل سے مراد معشوق ہے۔ اور اب گُل ایک جگہ بہ معنی پھول اور دوسری جگہ بہ معنی محبوب نظم ہوا ہے۔ ایسی صورت میں ایک ہی لفظ جہاں ایک جگہ ایک معنی اور دوسری جگہ دوسرے معنی ہوں۔ ہم قافیہ ہو سکتا ہے۔

بہرحال فورٹ ولیم کالج میں جس قدر اصحاب نثر و نظم لکھنے والے تھے۔ اُن سب میں بلحاظ شاعری آپ کا درجہ بلند ہے۔ اور یہی وہ شخص ہیں۔ جن کو شاعر کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ تُک بندی کے لئے تو وہاں ہر مصنف شاعر بھی ضرور تھا۔ اگر اور بھی کچھ نہیں تو اپنی کتاب کی تاریخ اکثر خود ہی کہہ کر شاعری کو زیر بار احسان فرمایا ہے۔

Marfat.com

کہتے ہیں کہ آپ نے "یوسف زلیخا" بھی لکھی تھی۔ لیکن اس قول کی سند نہیں ملتی۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا۔ کہ یہ روایت کہاں تک صحیح ہے

آپ کی نہایت مفید کتاب شمس البیان فی مصطلحاتِ ہندوستان ہے۔ آپ نے یہ کتاب کلکتہ کی ملازمت سے قبل نواب سید احمد علی خاں کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

آپ کی اردو نثر کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے نہیں ہے لیکن محاورات کی کتاب تحریر کر کے انہوں نے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ وہ اردو نثر بھی لکھتے تھے۔ آپ کی دوسری خدمت یعنی کالج سے جو کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ اُن پر نظرِ ثانی کرنا کچھ کم قابلِ قدر نہیں ہے۔ دراصل اسی خدمت کی وجہ سے ہم نے آپ کو نثارانِ اردو میں شامل کیا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ جو اصحاب نظرِ ثانی کرتے ہیں وہ مصنف سے زیادہ قابل ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کی قابلیت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ صاحبِ تصنیف و تالیف کا کارنامہ تو پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ لیکن اُن کی اصلاحات پردۂ خفا میں مستور رہتی ہیں۔

خلیل علی خاں اشک

[خ] لیل علی خاں اشک کے حالات زندگی گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ آج تقریباً پچیس برس کے بعد ہم اپنی اس کتاب کو دوبارہ طبع کرا رہے ہیں۔ اور بعض اصحاب نے اس عرصہ میں تحقیق و تدقیق سے کام لے کر کچھ کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ لیکن ان کے سوانحِ زندگی ہنوز دستیاب نہیں ہوئے۔ اربابِ نثرِ اردو کے مولف نے صرف خلیل اللہ اشک کی بجائے اُن کا نام خلیل علی خاں اشک لکھا ہے۔ مگر ان کے حالات پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ آیندہ چل کر دوسرے اصحاب کی طرح ان کے بھی کچھ حالات معلوم ہو جائیں۔ یہ ظاہر ہے کہ فورٹ ولیم کالج سے ان کا بھی کچھ نہ کچھ

Marfat.com

تعلق تھا۔ ورنہ ڈاکٹر گلکرائسٹ کے ایماء سے ۱۲۱۵ھ میں امیر حمزہ کی داستان نہ لکھتے۔"

آپ کی دو کتابیں (۱) داستانِ امیر حمزہ۔ (۲) اکبر نامہ کا اردو ترجمہ کافی شہرت رکھتی ہیں پہلی کتاب کافی ضخیم ہے بچپن میں اس قصہ کو راقم آثم نے بھی پڑھا تھا۔ اُس وقت اتنی سمجھ نہ تھی۔ کہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی کہ یہ قصہ کس کا لکھا ہوا ہے۔ البتہ جو عبارت کا انداز اب تک خانۂ دماغ میں محفوظ ہے۔ اُس سے میں یہی اندازہ کرتا ہوں کہ وہ اشک ہی کا تحریر کردہ نسخہ تھا۔ اُس کی عبارت صاف اور سادہ تھی، ہرگز فسانۂ عجائب کی طرح نہ تھی۔ جیسا کہ تصدق حسین مشہور مصحح نول کشور پریس نے اس کو سرور کے ڈھنگ پر لکھ کر پیچیدہ اور گنجلک بنا دیا ہے۔

اشک نے لکھا ہے۔ کہ یہ قصہ سلطان محمود غزنوی (۹۹۸ء تا ۱۰۳۰ء) کے خوش کرنے اور اس فاتحِ اعظم کو ملک گیری و کشور کشائی کے لئے آمادہ اور تیار رکھنے کے لئے کئی راویوں اور داستان گویوں نے چودہ جلدوں میں تصنیف کیا تھا۔ دوسری روایت خود اشک نے یہ بھی لکھی ہے۔ کہ اصلی قصہ ملا جلال بلخی سے منسوب ہے۔ برٹش میوزیم میں جو فارسی نسخہ محفوظ ہے۔ اس میں اس داستان کا مصنف شاہ ناصر الدین احمد کو بنایا گیا ہے۔ اور لطف یہ کہ میوزیم مذکور میں ایک دوسرا نسخہ ابو المعالی کے نام سے بھی منسوب ہے۔ بعض لوگوں نے فیضی کو اس داستان کا مصنف قرار دیا ہے۔ بہر حال جو کچھ ہو، اشک نے کسی فارسی قصہ سے اس داستان کو لیا ہے۔ اور موقع بہ موقع ہندوستانی عناصر کو داخل کر کے کتاب کو کافی ضخیم بنا دیا ہے۔ اشک نے اپنی کتاب کا آغاز اس طرح کیا ہے:۔

"مخفی نہ رہے کہ بنیاد اس قصۂ دلچسپ کی سلطان محمود بادشاہ کے وقت سے ہے اور اس زمانہ میں جہاں تک راویانِ شیریں کلام تھے، انہوں نے آپس میں مل کر واسطے سنانے اور یاد دلانے منصوبے، لڑائیوں اور قلعہ گیری اور ملک گیری کے خاص بادشاہ کے واسطے امیر حمزہ صاحب کے قصہ کی چودہ جلدیں تصنیف کی تھیں۔ ہر رات کو ایک

Marfat.com

داستان حضور میں سُناتے تھے، انعام واکرام پاتے تھے۔ اب شاہ عالی جاہ عالم بادشاہ کے عہد میں مطابق سنہ بارہ سو پندرہ ہجری اور سنہ اٹھارہ سو ایک عیسوی کے خلیل علی خاں نے جو متخلص بہ اشک ہے۔ حسب خواہش مسٹر گلکرائسٹ صاحب عالیشان والا مناقب بنا بر آموزان زبانِ ہندی اس قصّہ کو اُردوئے معلّیٰ میں لکھا۔ تاکہ صاحبان مبتدیان کے پڑھنے کو آسان ہووے۔"

طرزِ نگارش خلیل علی خاں کا ترجمہ صاف اور شُستہ زبان میں ہے۔ گنجلک اور تعقید کا پتہ نہیں۔ لیکن تصدق حسین کا ترجمہ مقفیٰ عبارت میں ہے۔ اور اس لئے قابلِ اعتنا نہیں۔ صنائع دبدائع اور لفظی تکلفات سے جی اُکتا جاتا ہے۔ آجکل سادگی کے ساتھ کشش ہونی چاہئے۔ ذیل میں بطور نمونہ دونوں کتابوں سے کچھ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ جو ایک ہی مضمون کے متعلق ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہو جائے گا۔ کہ اشک کا طرزِ بیان تصدق حسین کے اندازِ بیان سے کہیں بہتر اور قابلِ تعریف ہے۔

از خلیل علی خاں اشک

یہاں سے دو کلمہ داستان ملک القش کے ملاحظہ فرمایئے۔ جبکہ وہ باغ تیار ہوا۔ ایک دن بادشاہ کے حضور میں عرض کی غلام نے ایک باغ حضور کی بدولت بنایا ہے۔ اور بندہ امیدوار ہے۔ کہ ظلِ سبحانی وہاں رونق افروز ہو کر ایک چمچہ آش نوشِ جان رمائیں۔ کہ باعثِ عزت از دیادِ خانہ زاد ہے۔ ع

"شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا"

فرمایا کیا مضائقہ تم جاکر تیاری کرو، ہم بھی

از تصدق حسین

نخلبندانِ بوستانِ اخبار، چمن پیرایانِ گلستانِ اظہار، تختۂ کاغذ صاف میں اس طرح اشجارِ الفاظ موقع موقع پر نصب فرماتے ہیں۔ صحنِ شفافِ قرطاس کو گل و ریاحینِ مضامین رنگا رنگ سے یوں رشکِ تختۂ ارژنگ بناتے ہیں۔ کہ جب باغ بیداد تیار ہوا۔ نمونۂ بہشتِ شداد نمودار ہوا۔ القش خوشی سے پھول گیا۔ فکرِ دارین بھول گیا۔ فرطِ مسرت سے پھولا نہ سماتا تھا، جامۂ تن سے باہر

Marfat.com

آتے ہیں۔ الفش حضور سے رخصت ہو کر
واسطے تیاری کے آ گیا۔ بعد اُس کے جانے
کے بادشاہ بھی زمرد کے تخت پر سوار
ہو کر اور تمام وزراء و امراء ہمراہ لے کر
طرف باغ بیدار کے رونق افروز ہوئے
جبکہ سواری قریب باغ کے آئی۔ ملک
الفش نے ایک تخت ہوادار واسطے
بادشاہ کے ایسا تیار کیا تھا کہ اس میں
گل اور بوٹے، لعل اور الماس کے تھے
اور چاروں کونوں پر اس کے چار طاؤس
زمرد کے بنائے تھے۔ کہ جنہوں کے پیٹ
میں لخلخے خوشبو کے رہتے تھے اور واسطے
تخت کی شان کے طاؤس کے پہلو میں
دونوں طرف ایک ایک نرگس دان رکھا
تھا۔ کہ جن کے کونے مرصع کے مثل زمرد
سرسبز تھے۔ اور الماس کے پھول جنہوں
کی زردی پکھراج کی سی تھی۔ اُس کو مع
ہودجوں اور چالیس ہاتھیوں جن پہ جھولیں
زربفت کی پڑی ہوئی اور عماریاں کا رزری
جواہر انہوں کی پیٹھ پر کسی ہوئیں۔ اور دو
سو گھوڑے عربی، عراقی، ترکی، تازی مع
جواہر مرصع اور کئی اونٹ بغداد کے دو
کوہانی کہ جن کے کجاوؤں پر کار چوبی زربفت

ہوا جاتا تھا۔ بادشاہ کی خدمت میں
عرض کیا۔ کہ غلام نے حضور کی بدولت
اقبال ایک باغ تیار کیا ہے۔ انواع
انواع کے درخت ثمردار اور گل بوٹے
کے لگائے ہیں۔ دُور دُور سے بہ صرف
زرکثیر نادر نادر درخت منگوائے ہیں،
باغبان نادر کار نخلبندی میں ہوشیار
بہم پہنچائے ہیں۔ ہزارہا روپیہ صرف
کر کے سیکڑوں اُستاد اس فن کے
بلوائے ہیں۔ ہر ہر شخص یکتائے زمانہ ہے
اپنے اپنے ہنر میں یگانہ ہے، بیل بوٹے
ایسے لگائے ہیں۔ کہ مانی و بہزاد اپنی صنعت
سے شرمائے ہیں۔ مگر جاں نثار کی نظروں
میں سماتا نہیں۔ خزاں کا رنگ باغ میں
معلوم ہوتا ہے۔ جب تک ظل سبحانی
خلیفۃ الرحمانی کا قدم مبارک اس میں
جاتا نہیں۔ ناسخ ؎

سرسبز وہ جو سبزہ ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

امیدوار ہوں۔ کہ حضرت خاقانِ جہاں
نوشیروانِ زماں بطریق گلگشت کبھی
اس طرف توجہ فرمائیں۔ خانہ زاد موروثی
کا رتبہ فلک الافلاک تک پہنچائیں حضرت کے

Marfat.com

کی چادریں کسی ہوئیں اور کتنے خیمے اور کتنی کشتیاں سلاح کی اور جواہرات کی اور پارچہ جات سوتی اور ریشمی اور پشمینے اپنے ساتھ لئے اور بار کے جلوخانہ تک استقبال کرکے بادشاہ کو یہ سب نذر گزرانا اور تخت کا پایہ پکڑ کر بوسہ دیا۔ اور ہمراہ ہوا۔ جبکہ بادشاہ اندر باغ کے گئے دیکھا۔ تو واقعی عجیب گلزار ہے۔ کہ شاید اور کہیں ایسا نہ ہوگا۔ اس کی وہ چار دیواری سنگ مرمر کی جس میں تمام فیروزے کی تحریر اور طرح بہ طرح کی بیل ہے۔ اور نیچے ان دیواروں کے ہر طرف سنہری پوریوں کی دارلپشت بنی ہوئی کہ اس میں پتے زمرد کے اور خوشے موتیوں کے لگے ہوئے ہیں۔ اور وہ صاف روشنی سبزہ کا عالم، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ پھولوں کی خوشبو ہر دم جس سے دماغ کو قوت ہوتی تھی کیاریاں اقسام اقسام کی، گلزار ہر قسم کے، پھول جس میں پھولے ہوئے مثل گل لالہ، نافرمان بابونہ، گیندا۔ جوہی سوسن، چنبیلی، موتیا، موگرا، رائے بیل گلاب، سیوتی، کلغا، گل مہندی، گل شبو، نرگس، داؤدی، ہر ایک طرح کی بہار تھی اور دونوں طرف روش کے دو بڑے پیڑ

قدموں کی برکت سے باغ میں بہار آجائے ہر گل و غنچہ اپنا اپنا رنگ دکھائے۔ از راہِ غلام نوازی اگر دو ایک میوے نوش جاں فرمائیں، غلام کو ثمرِ مراد حاصل ہو اشجارِ امید بار لائیں۔ بادشاہ نے اس کے التماس کو قبول فرمایا۔ معروضہ اس کا درجۂ اجابت میں لایا۔ القش نے تسلیم بجالاکر نذر گزرانی، رخصت ہوا، باغ میں آکر سامانِ دعوت کرنے لگا۔ آناً فاناً سب اسباب ضیافت کا مہیا ہوگیا اقسام اقسام کے کھانے تیار ہونے لگے طرح طرح کے میوے کشتیوں میں چنے گئے۔ اربابِ نشاط کو حاضری کا حکم ہوا آتش بازوں نے آتشبازی چھوڑنے کا موقع ڈھونڈھ رکھا۔ روشنی کا سامان ہونے لگا۔ ہزارہا گلاس چڑھ گیا جھاڑ فانوس دیوارگیریاں صاف ہونے لگیں۔ مومی کافوری شمعیں چڑھائی گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ جم جاہ فلک رفعت خورشید طلعت دادگرِ انصاف پرور معہ ارکانِ دولت اعیانِ سلطنت بہار افزائے باغ بیداد ہوا۔ القش کا شجرِ مقصود بار لایا۔"

(داستان امیر حمزہ از تصدق حسین)

Marfat.com

چمپا اور مولسری کے بہت خوبصورت پھول
جن کی تمام ٹہنیوں پر اور شاخوں پر غرارے
اسپادلے چڑھے ہوئے وہ مہندی اور
رائے بیل کی ٹہنیوں پر شان، وہ چوپڑ
کی نہر مثل لوح الماس بلب پانی کے ہر چہار
طرف گئی۔ کہ جس کے فواروں پر ہزارہ کی جا
طوطے، بلبل، فاختہ، مور، عندلیب، جواہرات
کے بنے ہوئے۔ کہ جن کے پر و بال سے ہزارہ
چھٹا ہوا ایک لطف دیتا تھا۔ اور سفید عالم
عمارت کا۔ کہ جس میں سنہری، روپہلی الماس
تراش استادوں پر تمام تمامی کے سائبان
کھنچے ہوئے۔ کہ جن میں سراسر موتیوں کی جھالر
تھی۔ اور سونے کی تیلیوں کی چلمنیں بہت
سے رنگی ہوئیں۔ پوتی اردوں پر کلابتوں
کی ڈوریوں کی زربفت کے پردوں کے ساتھ
بندھی ہوئی۔ غرض بادشاہ اس باغ کو
دیکھ کر اپنے باغ کو بھول گیا۔

(قصہ امیر حمزہ از اشک)

(تصدق حسین کا ذکر سیر المصنفین جلد دوم
میں مطبع منشی نول کشور کے تحت میں کیا گیا
ہے۔ تنہا)

خلیل علی خاں اشک نے ۱۸۰۹ء میں اکبر نامہ کا ترجمہ اردو میں واقعات اکبر کے
نام سے کیا تھا۔ جو شائع نہیں ہوا۔ افسوس ہے کہ ایسی اہم تاریخی کتاب کے چھپنے کی
نوبت نہیں آئی۔

Marfat.com

مرزا محمد فطرت

م | رزا محمد نام، فطرت تخلص لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کے دیگر اصحابِ قلم کی طرح یہ بھی شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے۔ لیکن معمولی موزوں طبع تھے انہوں نے ۱۸۱۰ء سے کچھ قبل جارج ہانڈلے کی قواعد اردو کا ایک ترمیم شدہ اڈیشن تیار کیا تھا۔ جو ۱۸۱۰ء میں لندن سے شائع ہوا۔ قواعد زبان کے علاوہ ہندوستان کی معاشرت اور رسم و رواج پر کچھ ناقص معلومات بھی اس کتاب سے حاصل ہو سکتی تھیں یہ قواعد اردو چند بار شائع ہوئی۔ اور اس وقت کے نوجوان انگریزوں کے مطالعہ میں رہی۔ انجیل مقدس کا ترجمہ بھی ول ہنٹر کی مدد سے مرزا فطرت نے اردو میں کیا تھا۔ اس ترجمہ کو ۱۸۰۵ء میں پہلے پہل شائع ہونے کا موقع ملا۔ بعدہ برٹش اینڈ فارن سوسائٹی کی جانب سے انجیل کا ایک اور ترجمہ ۱۸۱۴ء میں شائع ہوا۔ اس کی ترتیب اور ترجمہ میں مرزا فطرت نے پادری مارٹن کی مدد سے بہت کام کیا۔ یہ ترجمہ ۱۸۱۴ء میں شائع ہوا۔ آجکل "عہدِ جدید" کے جو نسخے رائج ہیں۔ وہ فطرت ہی کی ترتیبِ عبارت کا نمونہ ہیں، اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے کچھ الفاظ میں ردّ و بدل کر دیا گیا ہے۔ فطرت کا طرزِ بیان سادہ اور زبان سنجیدہ ہے انجیل مقدس کا صرف عہدِ جدید فطرت کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔ عہدِ عتیق کا ترجمہ کسی اور صاحب کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔

سید حمید الدین بہاری

س | ید حمید الدین صوبہ بہار کے رہنے والے تھے ان کا تعلق بھی فورٹ ولیم کالج

Marfat.com

سے تھا۔ ڈاکٹر گلکرائسٹ کے ایما سے انہوں نے ہندوستانی کھانوں کی کتاب "خوانِ الوان" مرتب کی۔ اِس کتاب کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب ۱۸۰۳ء میں یا اس سے کچھ قبل تصنیف کی گئی تھی۔ خوانِ الوان دو سو پچاس صفحات کی کتاب ہے۔ اور چوبیس ابواب پر مشتمل ہے مضمونِ کتاب کی مناسبت سے باب کی جگہ خوان کا عنوان رکھا گیا ہے۔ ہر ایک کھانے کے اجزا اور اس کے پکانے کا طریقہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آخری باب میں "مصطلحات طعام خانہ" کی ایک فرہنگ ہے۔ اور اس میں تمام الفاظ متعلقہ کی تشریح کی گئی ہے۔ فرہنگ کی ترتیب حروفِ تہجی کے مطابق نہیں بلکہ ابواب کے موافق ہے۔

سید حمید الدین بہاری کا یہ کارنامہ قابلِ تعریف ہے۔ اِس قسم کی تصنیفات سے اردو ادب میں اضافہ ہوتا ہے اور ہر نوع کی کتاب تحریر کرنا اپنے ادب کو مکمل کرنا ہے ابتدا میں اگر اِس امر کا خیال کیا جاتا۔ تو آج ہمارا علم ادب ہر طرح کی کتابوں سے مالا مال نظر آتا۔

میر محمد حسین کلیم

محمد حسین نام اور کلیم تخلص ہے۔ آپ کے والد کا نام میر حسن تجلی ہے۔ میرد مرزا کے معاصر تھے۔ فارسی میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ میر تقی میر کے قریبی عزیز تھے۔ نکات الشعرا میں میر نے کلیم کی بیحد تعریف کی ہے۔ یہاں صرف اس وجہ سے آپ کا ذکر کیا گیا۔ کہ آپ نے فصوص الحکم کا ترجمہ اردو میں کیا ہے۔ لیکن کتاب مذکور ہم کو نہیں ملی۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں صرف ایک فقرہ نقل کیا ہے۔

"کل تک تھے شاہ و وزیر، آج ہو بیٹھے اندھے فقیر"

اگر کتاب دستیاب ہو جاتی۔ تو ہم کچھ عبارت بطور نمونہ نقل کر دیتے۔ اور ناظرین کو

Marfat.com

معلوم ہوجاتا کہ آپ کی تحریر کا کیا انداز ہے ؟ ۔لیکن اِس ایک فقرہ سے بھی یہ اندازہ ہوجاتا ہے ۔کہ آپ نے مقفیٰ عبارت لکھی ہے ۔جیسا کہ اُس وقت عام رواج تھا ۔

خاتمہ

١ اس دور میں حقیقتاً فورٹ ولیم کالج نے اُردو کی بڑی خدمت کی ۔ہم نے جن ہتو سلین اصحاب کا ذکر کیا ہے ، اُن کی کتابوں کے علاوہ کالج کے اثر سے اُس زمانہ میں اور لوگوں نے بھی جن کا کالج سے کوئی تعلق نہ تھا ۔اُردو کتابیں تحریر کیں ۔اور کالج کی مطبوعات کا اُردو زبان پر اور اہلِ زبان کے ذوق پر یہ نتیجہ خیز اثر پڑا ۔کہ لوگوں میں نثر نگاری کا بہت اچھا سیلقہ پیدا ہو گیا ۔ورنہ جو نثر مرزا رفیع السودا اور فضلی مرحوم نے لکھی تھی ۔غالباً عرصہ تک اسی قسم کی نثر لکھی جاتی اور ایک مدت کے بعد نثر میں کچھ تبدیلی اور ترقی ہوتی کالج کی بدولت سلیس اور با محاورہ اُردو نثر کا جلد رواج ہو گیا ۔اور اسی طرز کو آخر کار مقبولیت حاصل ہوئی ۔دوسرے دور کے نثارانِ اُردو نے مقفیٰ و مسجع عبارت لکھنی پسند کی اور مضبوطی کے ساتھ اُس پر قائم رہے ۔لیکن تیسرے دور کے مصنفین نے پھر اپنا رنگ بدل دیا ، سلاست کو پھر اپنا نصب العین بنایا ۔اور رنگینی سے دست کشی اختیار کی ۔

جیسا کہ عام خیال ہے ۔فورٹ ولیم کالج نے صرف قصے کہانیوں کی کتابیں ہی تالیف و ترجمہ نہیں کرائیں ۔بلکہ تاریخ اور رسومِ ہند کے متعلق بھی کتابیں لکھوائیں ۔مثلاً افسوس کی آرائش محفل ، حیدری کی تاریخ نادری ، ولا کی تاریخ شیر شاہی ، حسینی کی تاریخ آسام تاریخی لحاظ سے معتبر اور عمدہ کتابیں ہیں ۔تذکروں میں شعرائے اُردو کا تذکرہ جو مرزا علی لطف نے ترتیب دیا ۔اور گلشنِ ہند سے موسوم کیا ۔ایک قابلِ قدر کتاب ہے بعض خالص علمی ، مذہبی اور اخلاقی کتابیں مثلاً اخلاقِ جلالی کا ترجمہ ، ہدایت الاسلام ، تنبیہہ الغافلین وغیرہ بھی قابلِ ذکر ہیں ۔بارہ ماسہ ، رسومِ ہند کے متعلق اچھی کتاب ہے ۔ہندوستانی

Marfat.com

کھانوں کے متعلق نوانِ الوان بھی ایک عمدہ کتاب ہے۔ دو ایک کتابیں اردو قواعد کے متعلق بھی تحریر کرائیں۔ الغرض فورٹ ولیم کالج کے مصنفین ہر طرح لائق ستائش و قابلِ آفریں ہیں۔ ان کے علاوہ سید انشاء اللہ خاں انشا۔ اور شاہ عبد القادرؒ وغیرہم بھی ہر طرح ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اول الذکر کی لسانی تحقیقات سے جو دریائے لطافت میں مذکور ہے۔ ہم آج بھی بہرہ مند ہیں۔ اور آخر الذکر اصحاب کے احسانات تو بیحد ہیں۔ ان بزرگوں کے ترجمۂ قرآن نے مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بہت عرصہ تک واقف رکھا۔ اور تقریباً ایک صدی تک اسی خاندان کے ترجمۃ القرآن سے ہم لوگ مستفیض ہوتے رہے۔

Marfat.com

دوسرا دور

۱۸۲۱ء سے ۱۸۵۷ء تک

پہلے دور کے بزرگ اس دنیائے فانی سے منہ موڑ کر عالم بقا کو راہی ہوئے۔ اور دوسرے دور کے نوجوانانِ عالی مقام نثرِ اردو کی بزم میں جلوہ افروز ہوئے۔ اگرچہ پہلے دور کے بزرگوں نے اس خیال کو پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ اب فارسی زبان کا عہدِ حکومت ختم ہوا۔ اور اردو کا طفلِ مکتب سریر آرائے سلطنت ہوا۔ لیکن ان نوجوانوں کی رگوں میں فارسی زبان خون کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اور فارسی کو ان سے جدا کرنا گوشت سے ناخن جدا کرنا تھا۔ یہ فارسی کی بچھڑی ہوئی محفلوں کی یاد میں مستِ الست تھے اور ان کو نئی مجلس قائم کرنا دشوار تھا۔ لیکن زمانہ بآوازِ بلند ان سے کہہ رہا تھا۔ کہ نیند کے ماتو! اُٹھو اور اس گری پڑی پریشان چیز یعنی ریختہ کی دستگیری کرو۔ اب فارسی اور تمہارے درمیان منزلوں کا فاصلہ ہوگیا ہے۔ اور روز بروز تم سے فارسی دور ہوتی جائیگی۔ ملک کی زبان اردو قرار پائیگی اور اب ہندوستان میں اردو ہی کا سکہ رواں ہوگا۔ دہلی اور لکھنؤ اس سکہ کے دار الضرب قرار دئے گئے۔ اور ان دو شہروں کے علاوہ ہر جگہ کی بولی ٹکسال باہر سمجھی گئی۔ آخر کار فقیر محمد خاں گویا، انوارِ سہیلی کے ترجمہ میں مصروف ہوئے۔ اور میرزا رجب علی سرور فارسی کی تقلید میں نثرِ اردو کی نئی طرز نکالنے میں مشغول ہوئے، ادھر مرزا غالب نے باوجودیکہ فارسی کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے۔ وہ عجیب و غریب نثرِ اردو کا نمونہ پیش کیا جس پر آج بھی لوگ سر دھنتے ہیں، عبارت میں سادگی، روانی اور شگفتگی ایسی ہے کہ باید و شاید یہ سچ ہے کہ مرزا کے خطوط اگرچہ کتاب کی شکل میں شائع ہو گئی ہیں لیکن کتاب نہیں کہلائے جا سکتے۔ تاہم اُن میں وہ دلآویزی

Marfat.com

ہے۔ کہ سینکڑوں کتابیں اُن پر نثار ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ اِن خطوط نے ہمارے طرزِ مکاتیب نویسی کو بالکل بدل ڈالا۔ اور زبانِ اُردو کی ایک بڑی خدمت ادا کی۔ غلام امام شہید کی عبارت اگرچہ رنگین ہے۔ اور فارسی کا تتبع پایا جاتا ہے۔ مگر قابلِ تعریف ہے۔ اور اپنے رنگ ڈھنگ سے صاف صاف بزبانِ حال کہتی ہے۔ کہ میں نہ پہلے دَور کی سیدھی سادی اُردو ہوں۔ اور نہ تیسرے دَور کی علمی و ادبی زبان ہوں بلکہ دوسرے دَور میں پیدا ہوئی ہوں۔ جبکہ پہلے دَور کی سادگی سے قطع نظر کر کے کسی اور طرز کی ضرورت تھی۔ تاکہ ہر دلعزیز اور لائقِ تحسین و آفریں بنوں، غلام غوث بیخبر بھی اپنے دَور کی انشاپردازی سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے بھی اُسی لَے میں اپنی راگنی چھیڑی۔ جو اُس زمانہ کے لوگوں کو مرغوبِ خاطر تھی۔ رہے منشی امیر احمد مینائی یہ بھی سرور کے ڈھنگ پر چلے۔ ان کی رفتار گفتار، وضع و قطع بالکل سرورؔ کی سی ہے کبھی یہ لوگ جوان تھے۔ اور انہوں نے اپنی شیریں زبانی سے سب کو مسخر کر رکھا تھا۔ اب بڑھاپے سے بھی گزر کر کنارِ گور میں آرام سے سو رہے ہیں اور ان کی طرزِ عبارت آرائی بھی متروک و مفقود ہو گئی ہے۔ البتہ مرزا غالبؔ کا اندازِ بیان اب بھی محبوب و دلفریب ہے۔ بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے موت کی آبنائے سے گزر کر آبِ حیات کے چشمے کو پا لیا ہے۔ اور ابدالآباد تک آپ کی طرزِ تحریر کو قبولیت حاصل رہے گی۔ اور آپ کے گلہائے عبارت مشامِ جان کو ہر زمانہ اور ہر فصل میں اپنی خوشبو سے معطر کرتے رہیں گے۔

افسوس ہے کہ ہمارا لٹریچر زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ نہیں رہا۔ ورنہ ہم نے جن بزرگوں کا حال اِس دَور میں بیان کیا ہے۔ وہ مصنفین کے اُس جمِ غفیر کے سامنے جو اس دَور میں ہو گزرے ہیں۔ معدودے چند معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تمام مصنفین کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف بہم پہنچانا کارے دارد کا مضمون ہے۔ بیشک انڈیا آفس لندن سے اِس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ جیساکہ عبارتِ ذیل سے ظاہر ہوگا:-

Marfat.com

اتفاق سے ایک اور رسالہ معارف اعظم گڑھ کا جون ۱۹۲۰ء کا نمبر ہماری نظر سے گزرا اور ہم نے اُس میں ایک مضمون نوشتہ سید سلیمان صاحب ندوی بعنوان "انڈیا آفس لائبریری میں اُردو کا خزانہ" دیکھا۔ چونکہ اس مضمون میں اُردو کی بہت سی کتابوں کا ذکر ہے جو مضمون نگار نے لندن میں دیکھی تھیں اور یہاں یعنی ہندوستان میں ناپید ہیں۔ اس لئے ہم وہ فہرست جہاں تک اُس کا تعلق اس دور کی تصنیف شدہ کتابوں سے ہے۔ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اور افسوس کرتے ہیں۔ کہ ہم اُن کتابوں کے نمونے پیش نہیں کر سکتے۔ اور نہ مصنفین کے حالات بہم پہنچا سکتے ہیں۔ ایسے ہمارے ناظرین کا فرض ہوگا۔ کہ اگر وہ اِن نایاب کتابوں میں سے کسی کتاب کے مالک ہوں۔ تو ہم کو اُس کے اقتباس سے بہرہ یاب کریں۔ اور اگر ممکن ہو تو مصنف کے حالات زندگی بھی جو کچھ معلوم ہوں۔ تحریر فرمائیں۔ تاکہ ہم طبع آیندہ میں اس کمی کو پورا کر سکیں۔ سُنا گیا ہے کہ انڈیا آفس لائبریری ہندوستان کو منتقل ہو رہی ہے۔ اگر ایسا ہوا اور کتب خانہ محفوظ ہمارے ہاتوں میں آگیا۔ تو ممکن ہے۔ کہ ہم اپنے اس نقص کو دور کر سکیں۔

سید سلیمان لکھتے ہیں :-

"مطبوعہ اُردو کتابوں کی اہمیت بھی یہاں میری نگاہ میں کچھ کم نظر نہ آئی۔ اور تھوڑی دیر کے لئے مجھے مغرور ہونا پڑا۔ کہ اللہ اللہ ہماری زبان بھی اس قدر ترقی یافتہ ہے۔ کہ تین سو صفحوں میں اس کی فہرست تمام ہوئی ہے۔ یہ فہرست ۱۹۰۰ء میں چھپی۔ اس لئے موجودہ بیسویں صدی کی کتابیں اس فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ اس فہرست کو دیکھ کر یہ تعجب ہوا۔ کہ اُردو زبان غدر کے پہلے ہی سے ایک علمی زبان بن رہی تھی۔ دوسری بات یہ نظر آئی کہ اس زبان کو علمی زبان بنانے میں مسلمان اور ہندو دونوں اہل قلم کا برابر کا ساجھا ہے یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو یونیورسٹیوں کی تاریخ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو حصوں میں منقسم نہیں کیا تھا بلکہ جب تک مسلم اور متحدہ ہندوستانی بنا اب جبکہ ہندوستان تقسیم ہو چکا ہے اور اس کا متحد رہنا ناممکن ہے، یہ خیالات ہر دل خوش کن ہیں۔ سری للو لال کوی اور دیگر ہندی مصنفین کو کس نے روکا تھا۔ کہ وہ بھی اُردو زبان کو اپنا لیتے۔ صوبہ بہار کے ہندوؤں نے میکڈانلڈ لفٹنٹ گورنر کو درخواستیں دے۔

Marfat.com

کیوں اُس صوبہ کی زبان کو ہندی قرار دلایا؟ صوبہ متحدہ میں مالوی جی نے کیوں علم افتراق بلند کیا۔ اور ہندی کا پرچار کر کے اُردو سے نفرت پھیلائی؟ گاندھی جی نے اردو کی بجائے ہندی یا تھوا ہندوستانی رائج کرنی چاہی۔ اب جبکہ ان لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آگیا ہے تو صوبہ مدراس میں برماشہ وزارت تو ہندوؤں کو ہندی نہ سیکھنے پر خوب سزائیں دیں اور صوبۂ متحدہ میں یک قلم اُردو زبان کو کشتنی اور گردن زدنی قرار دے دیا۔ یہ یونیورسٹیوں کا تنہا قصور نہیں ہے۔ بلکہ اس میں طبیعتوں کا خبث بھی شامل ہے۔ اور جہالت ان سب سے بڑھ کر کار فرما ہے۔ یہ لوگ جو علم و تدبر کے دعویدار ہیں۔ ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں ہے کہ زبان زبردستی نہیں پھیلائی جاتی۔ بلکہ قدرتی طور پر خود بخود اُس کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں۔ تو وہ زبان پھیلتی اور پھولتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ مثلاً سنسکرت مردہ زبان ہے اس کو زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اہل علم ہمیشہ دوسری زبانوں کو بھی ترقی دیتے ہیں۔ اُن کے مٹانے کی کوشش نہیں کرتے۔ مسلمانوں نے ہندی کی سرپرستی کی۔ بنگالی زبان کو بنگال میں رواج دیا۔ خود اُردو جو یہاں پیدا ہوئی۔ اس کو اپنا لیا۔

اُردو زبان اپنی دلکشی سے پھیل رہی ہے۔ اور پھولے پھلے گی۔ اس میں ہندو مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ خود اس کی ساخت اس امر کی مقتضی ہے۔ کہ لوگوں کے دلوں پر احاطہ کرے۔ اس کی عام فہمی اس کی ہمیشہ سفارش کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی کوششوں کا اس میں زیادہ دخل نہیں ہے۔ غیر ملکی اصحاب اِس کو بہت جلد بولنے لگتے ہیں۔ اور اس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ برطانوی اصحاب نے اسی زبان کو ملک کی زبان قرار دیا کیونکہ حقیقتاً یہی ملک کی زبان تھی۔ ورنہ ہندوستان میں انگریزی تاریخ وہ سیہ کارنامہ ہے جس سے مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے موافق ہر امر پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن انگریز دانا دشمن تھا۔ نادان دوست نہ تھا۔ کہ ہندوؤں کی دوستی میں اپنا بھی نقصان کر بیٹھتا یا مسلمانوں کی دشمنی میں ایسا کام کر بیٹھتا۔ کہ اُس کا یہاں رہنا ناممکن ہو جاتا۔

بہر حال اُردو کتابوں کی یہ فہرست جو صرف مطبوعات پر مشتمل ہے۔ چھ عنوانوں پر منقسم ہے۔ علوم و فنون، تاریخ و جغرافیہ، ادبیات، کتب تعلیمی، الٰہیات اور متفرقات

Marfat.com

ہر ایک عنوان کے تحت میں حسبِ ذیل تقسیمات ہیں:۔

۱:۔ علوم و فنون

(۱) زراعت و نباتات (۲) صنعت و حرفت (۳) ہیئت و نجوم (۴) علم الطبخ (۵) نیرنگ و طلسمات (۶) علم المنزل و قواعدِ صحت (۷) نقشہ کشی (۸) اخلاق (۹) ورزش و سپہ گری (۱۰) قانون (۱۱) انگریزی قانون (۱۲) ہندو قانون (۱۳) اسلامی قانون (۱۴) منطق و فلسفہ (۱۵) طب و تشریح (۱۶) علم الحرب (۱۷) موسیقی (۱۸) لغت (۱۹) علم السنہ (۲۰) طبعیات (۲۱) معاشیات (۲۲) علم المعانی والبیان (۲۳) اجتماعیات (۲۴) طبِ حیوانات۔

۲:۔ تاریخ و جغرافیہ

(۲۵) عام سوانحعمریاں (۲۶) سوانح محمد صلعم (۲۷) سوانح آئمہ (۲۸) حالاتِ قبائل و فرق (۲۹) علم الانساب (۳۰) جغرافیہ و تقویم البلدان ٹاپوگرافی (۳۱) عام تاریخ۔ (۳۲) مقامی تاریخ (۳۳) سفرنامہ۔

۳:۔ ادبیات

(۳۴) دواوین (۳۵) ڈراما (۳۶) خطوط و مکاتیب (۳۷) انتقادات ادبیہ (۳۸) شاعری (۳۹) عام شاعری (۴۰) تذکرۂ شعراء (۴۱) مذہبی شاعری (۴۲) مذہبی ہندو شاعری (۴۳) مذہبی اسلامی شاعری (۴۴) محاورات و امثال (۴۵) قصص و افسانہ (۴۶) قصصِ منظومہ (۴۷) قصص منثوریہ

۴:۔ کتب تعلیمی

(۴۸) قواعد (۴۹) قواعد عربی (۵۰) قواعد برگسنا پشتو (۵۱) قواعد انگریزی (۵۲) قواعد ہندی (۵۳) قواعد ہندستانی (اردو) (۵۴) قواعد کشمیری (۵۵) قواعد فارسی (۵۶) علم النحو (۵۷) ریاضیات (۵۸) علم الجبر و مقابلہ (۵۹) علم الحساب (۶۰) علم الحساب الکلیات و الجزئیات (۶۱) اقلیدس (۶۲) علم المساحت (۶۳) علم وزن و پیمائش (۶۴) علم المخروطات و الاشکال (۶۵) علم المثلثات (۶۶) کتب ابتدائیہ (ریڈرس) (۶۷) انتخابات۔

Marfat.com

۵:- الٰہیات

(۶۸) برہمنی اور لامذہبی (۶۹) بودھی (۷۰) عیسائی (۷۱) بائبل (۷۲) بائبل لٹریچر۔
(۷۳) تاریخ کلیسا (۷۴) تعلیمات (۷۵) ادعیہ ومزامیر (۷۶) قصص (۷۷) مناظرہ وموازنہ ادیان (۷۸) ہندو مذہب (۷۹) جینی مذہب (۸۰) اسلام (۸۱) عبادات (۸۲) عقائد (۸۳) قرائیات (۸۴) حدیث (۸۵) سکھ مذہب۔

۶:- متفرقات

(۸۶) تعلیمات (۸۷) تعلیم النسواں (۸۸) تعلیم الصبیان (۸۹) مجموعہ ہائے تقریر ومضامین (۹۰) رسائل موقت الشیوع (۹۱) روداد مجلس۔

ذیل میں ہر عنوانات سے ہیں سے چند کتابوں کے نام بقید نام مصنف، و تاریخ طبع لکھے جاتے ہیں۔ اس انتخاب میں قصداً صرف وہی کتابیں لی ہیں۔ جو غدر سے پہلے یا اُس کے بعد کسی قریب زمانہ میں لکھی گئی ہیں۔ قصص و منظومات کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ کہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ اردو میں اس کا بڑا ذخیرہ ہے۔ صرف علمی کتابیں لی ہیں۔ ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ علوم جدیدہ کی مختلف شاخوں میں کس سرعت سے اردو اس وقت تک ترقی کر رہی تھی۔ جب تک وہ تمام ملک کی مسلّم زبان تھی۔ اور تعاقب قومی سے ناآشنا تھی۔

فن زراعت

۱:- چائے لگانے کی کتاب (۱۰ صفحات) مطبوعہ لاہور ۱۸۵۴ء
۲:- گنگا کی نہر مترجمہ سدا سکھ لال از انگریزی (صفحات ۲۴) ۱۸۵۴ء مطبوعہ آگرہ
۳:- کھیت کرم مصنفہ کالی رائے تین حصے مطبوعہ دہلی ۱۸۴۶ء
۴:- پند نامہ کاشتکاری مصنفہ موتی لال، آگرہ ۱۸۵۲ء
۵:- ریشم کا کیڑا - از موتی لال، لاہور ۱۸۵۳ء
۶:- توصیف زراعت از کلب حسین خاں، آگرہ ۱۸۴۹ء

Marfat.com

کتب حکمت

۱:۔ بحر الحکمۃ (اسٹیم انجن کا بیان) ریورنڈ پارکن ۱۸۴۷ء لکھنؤ۔

۲:۔ بخار کی کل (اسٹیم انجن کا بیان) ایشوری لال ۱۸۵۵ء بنارس

۳:۔ نورالنواظر احمد علی کانپور ۱۸۵۴ء

۴:۔ قانونِ انطباع (چھاپہ) سیتل سنگھ دہلی ۱۸۴۸ء

کتب نجوم و ہیئت

۱:۔ خلاصۂ نظامِ آسمانی پنڈت واسمی دھیرا۔ آگرہ ۱۸۵۲ء

۲:۔ مختصر احوالِ نظامِ آسمانی۔ آگرہ ۱۸۵۲ء

۳:۔ مختصر دقائق۔ النجوم۔ بڑے صاحب گھٹلے۔ مدراس ۱۸۴۸ء

۴:۔ احوالِ علمِ ہیئت۔ رام چندر۔ دہلی ۱۸۴۸ء صفحات ۳۳۵

جغرافیہ

۱:۔ فتح گڑھ نامہ (احوال ضلع فتح گڑھ) کالی رائے دہلی ۱۸۴۹ء صفحات ۲۰۴

۲:۔ علم جغرافیہ مترجمۂ میر غلام علی کلکتہ ۱۸۵۱ء صفحات ۱۰۹

۳:۔ جغرافیۂ عالم۔ دہلی ۱۸۵۳ء صفحات ۱۰۹

۴:۔ خلاصۃ الجغرافیہ۔ آگرہ ۱۸۵۴ء

۵:۔ جغرافیہ کا پہلا رسالہ مترجم از انگریزی۔ میر غلام علی، مدراس ۱۸۵۳ء

۶:۔ جغرافیۂ ہند از انگریزی پنڈت سواروپ نرائن وسیوروپ نرائن دہلی ۱۸۴۵ء صفحات ۱۲۲

طبعیات

۱:۔ عجائب روزگار۔ رام چندر دہلی ۱۸۴۷ء

۲:۔ جے ڈبلو۔ بیل، آگرہ ۱۸۵۴ء

۳:۔ ہوا کا بیان، بدری لال بنارس ۱۸۵۴ء

۴:۔ علمِ حکمت (میکنکس) چارلس فنک کلکتہ ۱۸۴۳ء صفحات ۳۰۱

Marfat.com

۵:۔ معدنیات، جواہر لال، آگرہ ۱۸۵۵ء
۶:۔ خلاصۃ الصنائع (ترجمہ انگریزی) بھولا ناتھ۔ آگرہ ۱۸۵۴ء صفحات ۱۱۲
۷:۔ مرآۃ العلوم، ہری مدن لال، بنارس، ۱۸۴۹ء
۸:۔ رسالۂ مقناطیس ترجمہ از انگریزی۔ سید کمال الدین۔ دہلی ۱۸۵۰ء صفحات ۲۷۱
۹:۔ تحصیل فی جر الثقیل۔ سید احمد خاں آگرہ ۱۸۴۴ء
۱۰:۔ اصولِ علمِ طبعی، ترجمہ از انگریزی۔ اجودھیا پرشاد سیوا پرشاد۔ دہلی ۱۸۴۳ء صفحات ۱۶۱۔
۱۱:۔ اصولِ جرِ ثقیل، محمد احسن، بنارس ۱۸۵۴ء
۱۲:۔ اصولِ قواعدِ مائیات، ترجمہ انگریزی، اجودھیا پرشاد، دہلی ۱۸۵۰ء صفحات ۲۶۴
۱۳:۔ مقاصد العلوم، ترجمہ انگریزی۔ سید محمد میر ۱۸۴۱ء کلکتہ
۱۴:۔ دائرۂ علم (نیچرل فلاسفی) محمد کرم بخش، لکھنؤ ۱۸۶۶ء

معاشیات (پولیٹیکل اکانومی)

۱:۔ ترجمہ معاشیات مل۔ وزیر علی، دہلی ۱۸۴۴ء صفحات ۸۱۴
۲:۔ اصولِ علمِ انتظامِ مدن۔ ترجمہ انگریزی۔ دھرم نرائن دہلی ۱۸۴۶ء

منطق

۱:۔ ترجمۂ شمسیہ، مولوی سید محمدؐ، دہلی ۱۸۴۴ء "

Marfat.com

مولوی محمد عمران رامپوری[ل]

م ولوی محمد عمران نے ایک رسالہ "تجہیز و تکفین مسلمانوں کی" کے نام سے ۱۲۲۶ھ میں تصنیف کیا تھا۔ چنانچہ وہ سببِ تالیف میں لکھتے ہیں: "بعد حمد و صلوٰۃ کے بندہ کثیر العصیان ضعیف البنیان محمد عمران متوطن شہر مصطفےٰ آباد عرف رام پور کا کہتا ہے۔ کہ ایک شخص محتاج جو بظاہر خوار و بے اعتبار اور حقیقت میں دیانت دار اور تقوی سے آراستہ کمال دین دار، رہنے والا دار الامارۃ کلکتے کا بنگالی الاصل، شب و روز قال اللہ اور قال الرسول میں سرگرم، لیکن بسبب تقدیر الٰہی کے علم سے بے بہرہ تھا۔ جس کو سنتا کہ وہ عالم، فاضل، پرہیزگار، دیندار، مقبول درگاہ الٰہی کا ہے۔ اُس سے جا کر استفادہ کرتا۔ اور جو کچھ شک و شکوک مسائل دینی میں ہوتے تو پوچھتا، اتفاقاً جناب ارشاد مآب مولوی سید محمد حیدر علی صاحب قبلہ رام پور سے دار الامارۃ کلکتہ کو تشریف فرما ہوئے یہ فقیر بھی اُن کی خدمت میں ہمراہ رکاب سعادت انتساب علم کا استفادہ کرتا وہاں تک پہنچا، اُن کے علم و فضل اور کمالات کا شہرہ اطراف و جوانب میں بنگالے کے ہوا، وہ شخص تو طالب ایسے ہی شخصوں کا تھا، سنتے ہی آ کر حاضر ہوا، الغرض ایک مدت تک تو یوں ہی آتا رہا۔ ایک روز بولا کہ حضرت ہم کہاں تک مسائل پوچھ سکیں گے۔ التماس بندے کا یہ ہے کہ مسائل مسلمانوں کی تجہیز و تکفین کے کہ یہ نہایت ضروری ہیں۔ اور ہر مسلمان کو اُن کی احتیاج ہے۔ اگر اردو زبان میں مذکور ہوں تو نہایت فیض عام ہو۔ اور قریب فہم عوام ہو۔"

اس عبارت کو اُن کی طرز تحریر کا نمونہ سمجھنا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اردو میں اس وقت عام طور پر لوگ صاف اور سادہ عبارت لکھنے لگے تھے۔

ل آپ کے متعلق اور ازاب قطب الدین کے بارہ میں معلومات مولوی محمد اسحاق نگینوی برادر حافظ محمد ابراہیم وزیر لوپی ڈی سے بھی حاصل ہوئیں جن کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تنہا

Marfat.com

سیّد اعظم علی اکبر آبادی

آگرہ کے رہنے والے ہیں۔ مولوی ببر علی کے بیٹے تھے۔ اُن کے نانا آگرہ کے مشہور بے نظیر عالم و صاحبِدل بزرگ مولوی ولی محمد (شارح مثنوی مولانا روم) تھے۔ اِن کے سایہ میں مولوی اعظم علی نے پرورش پائی تھی۔ تحصیلِ علوم کے بعد مین پوری میں محصّل لگان رہے پھر آگرہ کالج میں فارسی کے مدرس ہو گئے۔ علمی مذاق رکھتے تھے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں سکندر نامہ کا ترجمہ کیا۔ ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں فسانہ سرور افزا اردو میں لکھا۔ ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں ایک فارسی مثنوی "اکسیرِ اعظم" لکھی۔ یہ آخری تصنیف ہے۔ مرزا غالب سے مولوی اعظم علی کے مراسم خط و کتابت تھے۔ غالب کے پنج آہنگ میں مولوی صاحب کے نام بھی ایک فارسی کا رقعہ ہے۔ فسانۂ سرور افزا کا نمونہ یہ ہے۔ حمد باری تعالیٰ لکھتے ہیں:

"احسان ایسے بادشاہ عادل اور شہنشاہ باذل کا، کہ جس کے واسطے عبادت و معرفت اپنی ذات کے انسان ضعیف بنیان کے تئیں تہ خانۂ ظلمات عدم سے نکال کر خلعت جواہر نگارِ حیاتِ ابدی کا عنایت فرمایا، مقدور کس بشر کا ہے کہ زبان بیان سے ادا کر سکے۔ اور شکر ایسے ہادیِ برحق و کریم مطلق کا۔ کہ ایسے مشتِ خاک سراسر ناپاک کے تئیں تمامی مخلوقات و موجودات سے ممتاز و سرفراز کر کے نورِ عقل و شمع ایمان سے منور کیا۔ طاقت کس کی ہے جو ایک حرف اس دفترِ بے پایاں سے بیان کرے۔ ایسا خداوندِ حقیقی ہے۔ کہ ہر ذی حیات کو بے رعایت سلسلہ طاعت و عبادت کے، شام و صباح وظیفہ خوار نعمتوں بے قیاس کا رکھتا ہے اور عجب رزاقِ مطلق ہے۔ کہ مدت العمر تک کسی جاندار کو اپنے فائدہ فضل و نوال سے محروم و مایوس نہیں کرتا ہے۔"

Marfat.com

سید صالح محمد دہلوی

سید صالح محمد دہلوی کے حالاتِ زندگی تو معلوم نہیں۔ البتہ آپ کی کتاب تنالیق الصبیان کا نمونہ تاریخِ نثرِ اردو سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس میں اس کتاب کو ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۵ء کی تصنیف بتلایا گیا ہے۔

"جان تو، جو نیک بخت کرے تجکو اللہ تعالیٰ بیچ دونوں جہان کے، کہ اس فقیر پُر تقصیر نے بیچ اس رسالے کے صفت ایمان کی اور عقیدے اور فرض اور واجب اور سنت اور مستحب اور مسائل ضروری نماز اور روزے اور حج اور زکات کے کتابوں معتبر سے چن کر اور مختصر کر کر واسطے فائدہ اٹھانے خاص اور عام لکھے، اور ترجمہ کئے، اور واسطے آسان ہونے اور جلد سمجھنے عورتوں اور مردوں امی پڑھ کے نظم نہ کیا یعنی بیتوں میں نہ لکھا۔ اور اوپر ایک مقدمے اور پانچ باب اور ایک خاتمے کے منقسم کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک بات میں کئی کئی فصلیں اور ہر ایک فصل میں کتنے کتنے مسئلے ہیں۔ اور نام اس کا تنالیق الصبیان رکھا گیا۔ اور بعد تمام ہونے کے اس ضعیف نحیف نے واسطے دور ہونے شک کے جو بعض مسئلوں میں رکھتا تھا۔ اور خوف آخرت کے سے کہ یہ مقدمہ دینی ہے، شاید کہیں غلطی یا کہ زیادتی نہ ہوئی ہو، اول سے آخر تک اس رسالے کو چنے ہوئے فاضلوں اور پیشوا عالموں مولوی محمد اسحٰق صاحب یعنی نواسے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے کو، سلامت رکھے اللہ ان کو جو ساتھ علم اور حلم اور اخلاق کے تعریف کئے گئے ہیں سنایا۔ اور انہوں نے اول سے آخر تک خیال دل سے سن کر جس جگہ شک اور غلطی تھی، اصلاح فرمائی۔ اور بہت پسند کیا۔ اور آفریں فرمائی، بلکہ کئی سطریں عبارت عربیہ کی مقدمے اس کے بیں ہاتھ مبارک سے دستخط فرمائیں، اور ان کو اس عاجز نے تبرکاً اور تیمناً اور دستاویز معتبر سمجھ کر داخل اس رسالے کے کیا۔"

Marfat.com

عام رائے اِس عبارت میں تعقید بیحد ہے "کا، کی، کے" کو اُس زمانہ کے مولویانہ رواج کے مطابق استعمال کیا ہے۔ حالانکہ عام مصنف بہت صاف عبارت لکھتے تھے۔ لیکن مولوی صاحبان پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی قدیم طرز کو برابر نباہتے رہے۔ پھر تیسرے دور میں جاکر کچھ بدلا تھا، وہ بھی پورے طور سے نہیں۔ البتہ اب چوتھے دور میں صاف اور سلیس عبارت لکھنے لگے ہیں۔ مولوی سید صالح محمد صاحب کو ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ اردو عبارت صاف ہو۔ ان کو تو صرف مسائل کو اردو میں لکھنا مقصود تھا، یعنی لوگ عربی کے بجائے اردو میں پڑھ لیں۔ خواہ ان کی سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ ممکن ہے اُس زمانہ کے لوگ اس قسم کی اردو بخوبی سمجھ جاتے ہوں کیونکہ یہ حضرات ایسے ہی بولتے بھی ہونگے۔ اور ان لوگوں کی باتوں کو سمجھنے کیلئے عوام کو توجہ سے کام لینا ہی پڑتا ہوگا۔

محمد بخش مہجور

شخ رفائے دہلی سے تھے۔ رسمی علوم میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ شاعرانہ مذاق کے بھی مالک تھے۔ جرأت کے شاگرد تھے۔ میر و سودا کا زمانہ دیکھا تھا۔ نثر اردو میں طرز مقفیٰ ان کو پسند تھا۔ گلشنِ بہار ان کی تصنیف سے ہے۔ ان کی کتاب سے حمد باری تعالیٰ کی چند سطریں نقل کی جاتی ہیں:۔

"حمد و سپاس و ثنائے بے قیاس، اس کریم کارساز، بے نیاز بے انباز بندہ نواز، بے چون و بے چگوں کو، کہ جس نے ساتھ ابر کرم اور بہار قدرت کے گلہائے گوناگوں انسان ضعیف البنیان سے گلشن تکوین کو سرسبز و شاداب کرکے اپنے تئیں بہ رنگِ نکہت ہر غنچہ گل میں جلوہ گر کیا ہے۔ فی الواقع بقول میاں جرأت کے ؎

اسے دیکھو تو ہے ہر رنگ میں وہ   عیاں گل میں، نہاں ہے سنگ میں وہ
وہ ہے ہر رنگ میں اور پھر جدا ہے   خدا ہے وہ، خدا ہے وہ، خدا ہے"

Marfat.com

فقیر محمد خاں گویا

آپ کا نام فقیر محمد خاں ہے۔ اور گویا تخلص ہے۔ حضرت ناسخ کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زمانۂ شاہی میں رسالدار تھے۔ اور حسام الدولہ کے خطاب سے مشرف تھے، عمائد اراکین و اعیانِ سلطنتِ اودھ میں سے تھے۔ آپ نے انوار سہیلی کا ترجمہ اردو میں کیا۔ اور اُس کا نام بستانِ حکمت رکھا۔ یہ کتاب چودھویں ذیقعدہ ۱۲۵۱ھ کو خود اُنہی کے الفاظ میں بوقتِ صبح جبکہ ہنوز نیرِّ اعظم نے علم نورانی اُفقِ مشرق سے بلند نہیں کیا تھا۔ مقام دار السلطنت لکھنؤ میں ختم ہوئی۔ اور شیخ ناسخ نے اس کے اختتام پر یہ تاریخ کہی:۔

زہے نسخۂ حکمت آمیز ناغع — کہ ہر باب وا کرد صد باب حکمت
مسمّٰی بہ بستانِ حکمت نمودند — برائے تماشائے اربابِ حکمت
گل و برگ و شاخ و ثمر جملہ حکمت — شد ایں باغ سرسبز باآبِ حکمت
بہ لطفِ مسبب کہ زیبا ستہ شکرش — فراہم شدہ جملہ اسبابِ حکمت
پئے سالِ تاریخِ اتمام، ناسخ — خرد گفت بستانِ سیرابِ حکمت

ترجمہ پر رائے

مترجم ممدوح الصدر نے باتفاق مشورۂ چند اُستادانِ نامی و گرامی و زباں آوران لکھنؤ خاص مثل شیخ امام بخش ناسخ و خواجہ وزیر صاحب وزیر یہ ترجمہ فرمایا ہے۔ اُس زمانہ کی تحریر کے مطابق ترجمہ بہت اچھا ہے۔ لیکن عربی فارسی الفاظ بکثرت استعمال کئے ہیں، اکثر جگہ فارسی اشعار بدستور رہنے دئے ہیں۔ اور عربی ضرب الامثال یا مقولے بھی جوں کے توں پائے جاتے ہیں۔ اِسی وجہ سے عبارت آسان اور زود فہم نہیں رہی اور بعض الفاظ ثقیل اور مشکل بھی ہیں کہیں کہیں فارسی اشعار کا اردو اشعار میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ کتاب فی الجملہ

Marfat.com

اصل مضمون کی بدولت قابلِ مطالعہ ہے۔ اور نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ اگر یہ کتاب بچوں کو گلستاں اور بوستاں کی طرح اردو میں بھی پڑھائی جائے۔ تو خاصی لیاقت پیدا ہو جائے۔ اور پند و نصیحت کی بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں۔ اب ہم ذیل میں کچھ عبارت بطور نمونہ درج کرتے ہیں:۔

بستانِ حکمت کا نمونہ

"اور بلاشک جب تک میرے دم میں دم ہے امرِ خیر خواہی میں دریغ نہ کرونگا۔ کہ حقِ نمک میری گردن پر ہے گو اس میں جان جائے یا رہے، اب انصاف اس کا بادشاہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور الحق مُرٌّ یہ بات بھی سچ ہے۔ اس صورت میں کب میں کسی کو بھلا معلوم ہونگا۔ بیت

جس جس سے راست بولا وہ مجھ سے کج ہوا ہے

خاموش رہ ہمیشہ، سچ بولنا برا ہے

اور میں یہ جانتا تھا کہ اہلِ نفاق میرے قتل پہ اتفاق کریں گے۔ پر مجھے یہ یقین نہ تھا کہ مکافاتِ خیر خواہی اور نتیجۂ خدمت گزاری یہ ہوگا۔ کہ میری بقا بادشاہ کو متردد اور رنجور رکھیگی۔ جبکہ دمنہ نے یہ بات یہاں تک پہنچائی اور شام قریب آئی، بادشاہ نے حکم دیا کہ دمنہ کو دار القضا میں سپرد کرو تا قاضی اس کا حال دریافت کرے۔ کہ احکامِ سیاست میں جب تک شرائط شرعی تمام نہ ہونگے کچھ حکم نہ کیا جائے گا۔ دمنہ نے کہا۔ کہ کون حاکم راست کار بادشاہ سے زیادہ ہے۔ اور کون قاضی، عادل، شہریار سے بالاتر ہے، الحمد للہ کہ ضمیرِ منیرِ بادشاہ، آئینہ ہے باصفا، بلکہ جام ہے جہاں نما کہ صورتِ حال ہر ملازم اور رعایا کی اس میں ہویدا ہے۔ رباعی سودا

ایمانِ عدالت میں تمہارے ہے نثار | ہے ظلم کو کیا دخل عیاذاً باللہ
شیشے کا اگر طاق سے ٹوٹے ہے پاؤں | پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

اور یہ یقین اتنا جانتا ہوں۔ کہ کشفِ شبہات اور رفعِ حجاب میں کوئی چیز برابر فراستِ بادشاہ جمجاہ کے نہیں ہے۔ اگر خود شہریار بنفسِ نفیس، رائے جہاں آرا کو قاضی میرے حال کا فرمائے تو کذب اور صدق میرا مانندِ صبحِ صادق کے، روشن ہو جائے جیسا کہ

Marfat.com

حافظؒ نے فرمایا، بیت

عرضِ حاجت در حریمِ حضرتت محتاج نیست راز کس مخفی نہ ماند بر فروغ رائے تو

شیر نے کہا کہ اے دمنہ اندیشہ نہ کر کہ اس مہم میں جستجوئے تمام کی جائے گی اور تحقیق اس کام کی اس طرح پر کہ زیادتی اس سے متصور نہ ہو عمل میں نہ آئے گی نظم

جُدا کریں گے ہم اس طرح حق و باطل کو کہ جیسے دودھ سے مکھی نکال لیتے ہیں

نکال لیتے ہیں جس طرح عطر پھولوں سے ہر ایک بات کا ہم جی نکال لیتے ہیں

دمنہ نے کہا کہ میں بے گناہی کے سبب مبالغہ میں زیادہ اہتمام کرتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس تحقیق سے اخلاص میرا زیادہ تر ظاہر ہوگا۔ اگر میں اس کام میں گنہگار ہوتا۔ تو حاضر درگاہ شہریار نہ رہتا۔ اور فرار اختیار کرتا۔ بلکہ فسیروا فی الارض پڑھ کر دور اقلیم کی راہ لیتا۔ کہ ملکِ خدا تنگ نہیں اور پاؤں بندے کا لنگ نہیں ہے۔ شیر کی ماں نے کہا کہ اے دمنہ تیرا مبالغہ دغدغے سے خالی نہیں ہے، مگر تو زیرکی سے چاہتا ہے۔ کہ آپ کو بے گناہ کر دکھائے۔ ولیکن اگر کوئی اچھی طرح دریافت کرے گا تو اس تحقیق سے خلاصی پاتا۔ تیرا فکر محال اور سودائے باطل ہے۔ دمنہ نے کہا۔ کہ میرے دشمن بے شمار ہیں، اُمیدوار ہوں۔ کہ میرا کام ایسے امین کو سپرد ہو۔ کہ غرض اور شبہ سے پاک ہو۔ اور جو کچھ کہ راست براست ہو حضور میں بار یابانِ بادشاہی کے عرض کیا کرے۔ اور بادشاہ عالی جاہ بعد استماع مشورہ اپنی رائے جہاں آرا کے کہ آئینۂ جہاں نما ہے بحکم فرمائے۔ تا میں بجرد شبہے کے مارا نہ جاؤں۔ اور شہریار روزِ جزا خونِ ناحق میں مبتلائے باز خواست سلطانِ حقیقی نہ ہو۔ اور یہ مطلع مؤلف کا میرے حال کے موافق ہے۔

غم نہیں اس کا مجھے میں مر گیا غم یہ ہے قاتل کا خنجر بھر گیا"

سببِ ترجمہ کتاب

اب سُنا چاہئے۔ کہ ایک روز بندہ اور خواجہ وزیر اور میاں فرخ شاعر کہ یہ دونوں شاگرد ارشد شیخ ناسخ صاحب کے ہیں اور چند احباب اور بھی باہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وقتِ شغل انوار سہیلی

کے مطالعے کا تھا۔ اور اس کے مصنف کی فکرِ رسا پر سب نے زبانِ ثنا کھولی تھی۔ کہ سبحان اللہ مصنف اس کا عجیب حکیم بے مثل تھا۔ اور عجب کتاب تصنیف کی ہے کہ گنجینہ ہے اسرارِ الٰہی کا۔ اور خزینہ ہے فیضِ غیر متناہی کا، بلکہ قرینہ اس پہ دال ہے کہ جو کچھ اس نے بیان کیا ہے، مظہر ہے۔ کہ بامدادِ الہامِ غیبی ہوا، ورنہ اے انسان، ضعیف البنیان، کب مجھ کو اس قدر جزئیاتِ عالم کے پہنچ سکتی ہے، اگر مطالب اس کتاب کے کوئی بچشم غور دیکھے۔ تو کوئی دقیقہ فوائد دینی اور دنیوی سے باقی نہیں چھوڑا ہے، اور اگر کوئی غریب و فقیر خواہ رئیس و امیر خصوصاً بادشاہ اس کتاب کے مطالب کو اپنا قبلۂ مقاصد کرے۔ تو یقین ہے۔ کہ سعادتِ دارین سے سرفرازی پائے۔ اور رونق اس کے ہر امر کی روز بروز ترقی کرتی جائے۔ اس گفتگو میں سب اہلِ محفل نے اصرار کیا۔ کہ اکثر زبانوں میں ترجمہ اس کا ہو چکا ہے، اگر تم اردو میں اسے ترجمہ کرو۔ تو خوب چیز ہو، راقم نے ہر چند عذر کیا، پیش رفت نہ ہوا پکچھ منجانب اللہ بندے کو بھی توفیق رفیق ہوئی۔ اور ہمت اس پر آئی کہ وما توفیقی الا باللہ کہہ کر ارادہ کرو۔ اگر فضلِ الٰہی شاملِ حال ہے۔ تو سب بخیر و خوبی انجام ہوگا۔ لہذا خدا کی عنایت پر تکیہ کر کے شروع کیا جاتا ہے۔"

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں:۔

جس نے انوارِ سہیلی کو دیکھا ہوگا، آپ نظرِ تامل سے مطالعہ کرے گا، اس پر خود منکشف ہو جائے گا کہ گویا صورت کتاب کی اور ہی ہو جائے گی۔ برائے نام ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ورنہ یہ کتاب حقیقت میں جدا جانے۔ لیکن حق یوں ہے کہ یہ احسان نقاشِ اول کا ہے۔ ورنہ مجھ سے بے مایہ کو کہاں طاقت اس کے بیان کی تھی۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے آزادی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے، مکھی کی جگہ مکھی نہیں ماری۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ شگفتہ اور معنی خیز ہے۔

اس ترجمہ کو بھی تقریباً سوا سو سال کا زمانہ گزر چکا ہے۔ لیکن گویا کی عبارت

Marfat.com

میں اور آج کل کی تحریریں کچھ بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ اور یوں تو ہر عہد کی زبان دوسرے دور سے علیحدہ ہوتی ہے۔ اور بہت کچھ فرق ہو جاتا ہے۔ اندازِ بیان بدل جاتا ہے۔ بعض الفاظ متروک ہو جاتے ہیں۔ بعض نئے الفاظ داخل ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا سبب ترجمۂ کتاب میں ایک فقرہ ہے " فوائد دینی اور دنیوی سے باقی نہیں چھوڑا" آجکل اور کی بجائے صرف واؤ عطف استعمال کرتے۔ کیونکہ ترکیب اضافی نے اس جملہ کو فارسی جملہ بنا دیا ہے۔ اور فوائد دینی و دنیوی پڑھنا قواعد فارسی کی بنا پر زیادہ صحیح ہے۔ آجکل اردو میں بھی ان باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسے ہی بولتے ہوں گے۔ ورنہ فارسی کے قواعد وغیرہ کا کون کہہ سکتا ہے۔ کہ گویا خیال نہ رکھتے تھے۔

سدا سکھ لال

سدا سکھ لال نے ۱۸۳۴ء میں مجموعۂ قوانین مرتب کیا جس میں ۱۷۹۳ء سے ۱۸۳۳ء تک جملہ قوانین مروجہ ممالک مغربی وشمالی شامل تھے۔ پہلی جلد ۱۸۶۲ء میں مطبع نور الابصار آگرہ نے چھاپی۔ بعد کی تین جلدیں اسی مطبع سے ۱۸۶۶ء میں چھپ کر شائع ہوئیں۔ دیباچہ کی چند سطریں بطور نمونۂ عبارت درج کی جاتی ہیں:۔

" فائدے اس تالیف کے ایسے نہیں ہیں۔ کہ احتیاج ان کے بیان کی ہو۔ فی الواقع یہ جلدیں آئینہ نمائے انتظام جملہ سررشتہ ہائے سلطنت عظیم الشان سرکار دولت مدار انگلشیہ کی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ہر بات میں کتنے قوانین مجاریۂ وقت ہیں اور کتنے منسوخ ہو گئے۔ واضح ہو کہ مصنف نے ترجمہ اردو میں کہ مدہ مسلمۂ گورنمنٹ اور مندرجہ گزٹ سرکاری تھا کچھ تصرف نہیں کیا ہے۔

اس کے علاوہ منشی سدا سکھ لال نے فن زراعت کے متعلق ایک کتاب انگریزی

Marfat.com

سے اُردو میں ترجمہ کی۔ اور اس کا نام گنگا کی نہر رکھا ۱۸۵۵ء میں یہ ۲۴ صفحہ کا رسالہ آگرہ میں طبع ہُوا۔

نیم چند کھتری

آپ نے قصۂ گل باصنوبر فارسی زبان سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ لارڈ آکلینڈ کے عہد میں داتارام برہمن کی تصحیح سے چھاپا گیا۔ نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ جو تاریخ نثرِ اُردو سے نقل کیا گیا ہے۔ مترجم کے حالاتِ زندگی بالکل پردۂ خفا میں ہیں اور افسوس ہوتا ہے۔ کہ اِن بزرگوں نے اپنا تھوڑا بہت حال اپنی کتاب میں بھی لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یہ قصہ ۱۲۵۱-۱۲۵۲ھ میں ترجمہ ہوا تھا۔

"بعد ازاں فقیر حقیر رضائے الٰہی پر خرسند نیم چند یوں لکھتا ہے۔ کہ اس عالم ناپائدار میں کسی چیز کو قرار نہیں اور نیستی پر سب کا مدار ہے، اُس کی ذات لازوال کے واسطے بقا اور باقی اور سب کو فنا ہے۔ مگر ایک گلستانِ سخن کہ خزانِ جہاں اُس کے گلوں پر نہیں آتی، چوروں کی چوری اور رہزنوں کی سرزوری سے یہ دولت کہیں نہیں جاتی، چمن اُس کا ہمیشہ تازہ و خرم رہتا ہے۔ اور اس کی نہروں میں زلالِ زندگی بہتا ہے، اس کے مکان کی نیو کو حادثے کے بھونچال کا کچھ خطرہ نہیں ہوتا۔"

یہ مختصر نمونہ کم از کم اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ کہ نیم چند کھتری خاصی عبارت لکھتے تھے۔ مقفی عبارت لکھنے کا تو سب کو شوق تھا۔ اس لئے یہ بھی اس سے بری نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن عبارت میں صفائی پھر بھی کچھ نہ کچھ ضرور پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

آغا امانت لکھنوی

سید آغا حسن نام، امانت تخلص ہے ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ شاعری مرثیہ گوئی سے شروع کی۔ میاں دلگیر مرثیہ گو کے شاگرد ہوئے۔ پھر مرثیہ چھوڑ کر غزل گوئی شروع کی۔ بیس برس کی عمر میں کسی بیماری سے زبان بند ہوگئی۔ اور دس برس تک گونگے رہے۔ زبان کا کام تحریر سے لیتے تھے۔ اسی حالت میں کربلا گئے۔ وہاں زبان کھل گئی لیکن لکنت باقی رہی۔ زیادہ تر آپ شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ لیکن تمام کلام ضلع، جگت، ایہام، مراعاۃ النظیر سے معمور ہے۔ امانت کا منظوم ڈراما یا ناٹک اندر سبھا نہایت مشہور و مقبول ہوا۔ اردو میں یہ اپنی نوع کی پہلی کتاب ہے۔ دیوان غزلیات اور واسوخت بھی آپ سے یادگار ہیں۔ ۱۸۵۸ء میں انتقال فرمایا۔

چونکہ آپ نے اپنی منظوم اندر سبھا کی توضیح و تشریح نثر میں شرح اندر سبھا کے نام سے لکھی تھی۔ اس لئے آپ کو بھی نثر نگاران اردو میں شامل کیا گیا۔ اگرچہ عبارت مقفیٰ ہے جیسا کہ عام رواج تھا لیکن الجھاؤ اور گنجلک نہیں ہے۔ سبب تالیف اندر سبھا کا اقتباس ذیل میں بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ حاجی مرزا عابد علی یگانۂ ازلی، رفیق شفیق، مونس و غمخوار قدیمی جاں نثار، شاگرد اول موزوں طبیعت، تخلص عبادت، عاشق کلام امانت، انہوں نے از راہ محبت کہا کہ بیکار بیٹھے بیٹھے گھبرانا عبث ہے، ایسا کوئی جلسے (یعنی ناٹک) کے طور پر طبع زاد نظم کہا چاہیئے۔ کہ دو چار گھڑی دل لگی کی صورت ہووے۔ اور خلق میں شہرت ہووے۔ آخر الامر موافق ان کی فرمائش کے بندہ اس کے کہنے پر آمادہ ہوا۔ دمبدم شوق زیادہ ہوا، چونکہ یہ جلسہ کہنا سب کو مرغوب تھا، مگر اپنے نزدیک معیوب تھا، اس لحاظ سے اپنا تخلص بدل کر اس میں استاد تخلص کیا۔ لیکن لوگوں نے

Marfat.com

غزلوں کے سبب سے بندے کا کلام دریافت کر لیا۔ غرض کہ چودھویں تاریخ شوال کی ۱۲۶۸ھ میں اندر سبھا اس جلسہ کا نام رکھ کر بجائے چار باب، چار پریاں قرار دیکر شروع کیا۔ شہرت گھر گھر ہوئی۔ اہل محلہ کو خبر ہوئی، دو شخص اس جلسہ کی تیاری پر آمادہ ہوئے۔ ہجوم حد سے زیادہ ہوئے۔ رفتہ رفتہ بعد ہزاراں ہزار شور و فساد اور حجت و تکرار کے ڈیڑھ برس میں جلسہ تیار ہوا۔ مگر اپنے نزدیک بیکار ہوا کہ کس ریاض سے ایک درخت لگایا، آخر کو اس سے رنج کا پھل پایا، خیر جو ہوا سو بہتر ہوا۔ اپنا تو یہ قول ہے، ع

تقدیر سے گلہ ہے کسی سے گلہ نہیں،

لالہ گوبند سنگھ

آپ شاہجہاں آباد (دہلی) کے رہنے والے ہیں۔ لیکن مدتوں لکھنؤ میں رہے۔ اور وہاں سے کلکتہ پہنچکر نغمۂ عندلیب کے نام سے ایک قصہ ۱۲۶۱ھ میں تصنیف کیا۔ چوہدری نبی احمد نے اس کتاب کو از سر نو ترتیب دیا ہے۔ اور سلطانیہ بک ایجنسی نے حال ہی میں نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا ہے۔ اس میں ۲۳۰ صفحات ہیں۔ طرز تحریر وہی ہے جو اس زمانہ کے دیگر نثر نویسوں کا ہے۔ بہت سے محاورے اب متروک ہو گئے ہیں۔ جو اس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً طوطیا باندھنا۔ تہمت لگانا۔ رنڈی، عورت اگر یہی حال ہے تو ہم مارے پڑے۔ وزرا نے نذر گزرانیاں۔ مبارکباد کی صدائیں ہر طرف سے آئیاں۔ عاشقی کا پڑھان ہے۔ پیٹ مارنا اب پیٹ کاٹنا کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قصہ میں جادو۔ جنات اور طلسم وغیرہ کا ذکر ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں عام رواج تھا اس وقت عام طور پر اردو زبان کو بھی ہندی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا چنانچہ ایک جگہ مصنف نے اپنے مربی اور استاد کی نسبت دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ:-

Marfat.com

ازبس کہ جناب آقائے نامدار ممدوح (امیر حسن خان بہادر بسمل) کو خیال کامل زبان فارسی پر تھا۔ ہندی سے کیا علاقہ۔ لیکن بندہ مجبور ہوا۔ جس زبان میں چاہے کہلائے"

چونکہ یہ کتاب دوبارہ شائع ہو چکی ہے۔ اور دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس کا کوئی طویل نمونہ یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔

مولوی مسیح الزماں

مولوی مسیح الزماں، مولوی نور محمد کے بیٹے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں تعلیم مکاتب کے لئے ایک کتاب معلم الحساب ملقب بہ مکتب نامہ لکھی، جس میں لڑکوں کے لئے نصائح حکایات، انشائے رقعات، اور قواعد حساب درج کئے۔ اس میں ایک جنتری بارہ سو برس کی بھی شامل ہے۔ کتاب کے اول صفحہ پر انگریزی مہینوں کے نام اور نیچے ایک مہینہ کی تاریخیں خانوں میں لکھی ہیں۔ بیچ میں جو جگہ خالی ہے۔ اس میں کاغذ کا گول ٹکڑا لگا ہوا ہے جس پر ایک سو بارہ سنہ عیسوی لکھے ہوئے ہیں۔ اوپر کے کاغذ کا کوئی سنہ کسی مہینے کے سامنے لانے سے نیچے اسی مہینے کی تاریخیں نکل آتی ہیں۔ اس وضع کی جنتریاں آجکل تو بہت عام ہیں۔ لیکن ایک صدی پہلے کی کتاب میں یہ بات عجیب و دلچسپ معلوم ہوتی ہے بطور نمونہ ایک قاعدۂ حساب درج کیا جاتا ہے:۔

"قاعدہ۔ ہر اپریل کے مہینے میں جو سنہ فصلی ہووے۔ جب اس پر ساڑھے چھ سو (۶۵۰) برس اور بڑھائے جائیں۔ تو سنبت بن جاویگا۔ جیسے اپریل ۱۸۵۹ء میں ۱۲۶۶ء فصلی اس پر ساڑھے چھ سو اور بڑھائے، اونیس سو سولہ ہوئے، یہی سال سنبت ہے۔"

چونکہ مکتب نامہ دوسری بار ۱۸۵۹ / ۱۲۷۵ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا۔ اس لئے متذکرہ بالا قاعدہ میں اسی سنہ کی مثال دی گئی ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۸ میں یہ کتاب چھپی تھی جیسا کہ تاریخ نثر اردو سے ظاہر ہوتا ہے۔

Marfat.com

منشی چرنجی لال

منشی چرنجی لال الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ فلسفہ و ریاضی کا بہت شوق تھا ایک کتاب مصباح المساحت ۱۸۵۴ء میں لکھی۔ اس کے بعد مسٹر ہنری کارٹر کی تحریک اور مسٹر چارلس فنک کی اعانت سے علم نفسیات کی ایک کتاب انگریزی سے ترجمہ کی، اور اس کا نام تعلیم النفس رکھا۔ یہ کتاب گورنمنٹ پریس میں ۱۸۵۹ء میں طبع ہوئی اس کا ایک نقرہ یہ ہے :۔

"سنین ماضیہ میں اکثر اساتذہ بہ سبب اس کے کہ ان کو بہ تعمق و تامل سیر کتب کی عادت تھی ۔نامور اور مشہور ہو گئے ہیں ۔ اور کبھی ممکن نہیں ہے ۔کہ کوئی بلا حصول اس عادت کے فضیلت پیدا کرے ۔"

اس ایک نقرہ سے ظاہر ہے کہ ہندو اور مسلم دونوں اپنی عبارت میں کافی فارسی اور عربی الفاظ استعمال کرتے آئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے ۔کہ علمی کتاب میں عربی اور فارسی کے الفاظ کے بغیر کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں ہے ۔کیونکہ عربی زبان کی جامعیت ظاہر ہے اور جب تک مختصر الفاظ سے بڑے بڑے مطالب کا اظہار نہ کیا جائے ۔ تو عبارت طولانی اور بھونڈی ہو جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہماری زبان فارسی، عربی، ہندی الفاظ سے پر ہے ۔ یہ کوشش ہی فضول ہے۔ کہ اس زبان میں عربی لفظ نہ آنے پائے ۔ یا ہندی لفظ استعمال نہ کیا جائے ۔ جب ہماری زبان بہت سی زبانوں سے مرکب ہے ۔ تو ان زبانوں کے مناسب اور مروج الفاظ ضرور استعمال ہونے چاہئیں ۔ یہ صرف تنگ نظری اور تعصب ہے ۔کہ اس قسم کے خیالات پھیلائے جائیں۔ انگریزی زبان اس قسم کا بخل جائز نہیں رکھتی۔ ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے۔ کہ اس قسم کی باتوں سے بے حد منافرت کا اظہار ہوتا ہے ۔ لہذا قوموں میں جذبۂ نفرت پیدا کرنا صرف دشمن انسان کا کام سمجھنا چاہئے۔ اور اس سے محترز رہنا ہر انسان کا فرض ہے ۔ بشرطیکہ انسان ہو۔ اور دیو آنت

Marfat.com

کا غلبہ اُس پر طاری نہ ہو۔

سید فدا حسین

آپ کا نام سید فدا حسین ہے اور عرف نبی بخش ہے۔ آپ نے تاریخ افغانستان ۱۲۵۵ھ ۱۸۳۹ء میں لکھی تھی۔ تاریخ مذکور کے سے عبارت ذیل بطور نمونہ درج کی جاتی ہے:۔

اما بعد، یہ آوارہ، عاجز و ناکارہ، درماندہ و درافتادہ سید فدا حسین عرف نبی بخش بخاری الحیدری نسب علاقہ روزگار سرکار انگریزی میں بعہدۂ جمعداری تُرک سواروں میں ملازم ہوا تھا، زمانۂ ناہنجار کے ہر روز بازی تازہ بروئے کار لاتا ہے۔ اور شعبدہ نیا اُٹھاتا ہے چنانچہ صاحبان عالی شان کو بحمایت شاہ شجاع دُرانی بادشاہ کابل کے مہم اُس ملک کی اور بادشاہ کرنا اُس کا مصمم ہوا۔ اور رسالہ ہمارا مقام چھاؤنی میرٹھ سے اس مہم میں مقرر ہوا، خاصی بھی چارو ناچار بندگی دلے چارگی مثل مشہور ہے۔ سب دوست و بیگانہ سے رخصت ہوکر مستعد و آمادۂ سفر ہوا تاریخ ۳ ماہ نومبر ۱۸۳۹ء عیسوی مطابق ۲۵ شعبان ۱۲۵۵ھ کو شاہ جہاں آباد سے دو تین منزل آگے گئی تھی۔ کہ فضلِ الٰہی سے بیماری ہیضۂ وبائی فوج میں پڑ گئی۔۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب پھر آیا میں اوپر مطلب اپنے کے۔ عرض یہ کہ خدمت صاحبانِ کتاب کے یہ ہے۔ کہ دس ہزار فوج لڑائی پر گئی سب ماری گئی۔ ، ہزار آدمی وہاں سے بچکر آئے اور باقی وہیں مدفون ہوئے"

"یہ عبارت بھی اتنی پیچیدہ نہیں ہے۔ جتنی کہ سید محمد صالح صاحب کی ہے۔ یہ ایک فوجی آدمی ہے۔ اور معمولی لکھنے والا ہے۔ تاہم خاصی عبارت لکھتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے عربی داں ہوتا تو اس کی عبارت بھی اپنا مولویانہ رنگ ظاہر کئے بغیر نہ رہتی۔"

Marfat.com

مفتی صدرالدین آزردہ

و الد کا نام مولوی لطف اللہ کشمیری ہے۔ مفتی صاحب دہلی میں ۱۲۰۴ھ ۱۷۹۸ء میں پیدا ہوئے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، مولانا محمد اسحاق، مولانا فضل امام خیرآبادی، مولانا فضل حق خیرآبادی سے کی۔ انگریزی حکومت کی طرف سے دہلی میں صدرالصدور اور مفتی تھے۔ تعلیم و تدریس کا اس قدر شوق تھا کہ "صدر الصدور" ہونے کی حالت میں بھی طالبعلموں کو پڑھایا کرتے تھے۔ شاعری کا بھی ذوق تھا۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آزردہ تخلص تھا۔ اردو میں شاہ نصیر، میاں ممنوں اور میاں مجرم اکبرآبادی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ اردو کے شاعروں کا ایک تذکرہ فارسی میں مرتب کیا تھا۔ خط و کتابت اردو میں بھی کرتے تھے۔ ایک اردو خط کی نقل بطور نمونہ یہاں پیش کی جاتی ہے:-

نامۂ آزردہ، بنام نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ

"شکر ہے اُس پروردگار عالم کا جس نے مجھ کو ایسی دلدل سے کہ ہمہ تن اس میں غرقاب تھا نکالا۔ کیسے علائق میں جکڑبند تھا کہ نکلا۔ اس سے سوائے ایسی صورت کے جو پیش آئی ممکن نہ تھا۔ مقدمات اصلی کا فیصل کرنا۔ منصفوں اور صدر امینوں کے مقدمات کا مرافعہ سننا۔ رجسٹری کے وثائق پہ دستخط کرنا۔ مقدمات دورہ میں فتویٰ دینا۔ کمیٹیوں میں حاضر ہونا۔ طلبائے مدرسۂ سرکاری کا امتحان ماہواری لینا احکامِ اخیر کو اپنے ہاتھ سے لکھنا۔ ہزارہا کاغذوں پہ دستخط کرنا۔ پھر گھر میں آکر طالب علموں کو پڑھانا۔ اور اطراف و جوانب کے سوالات شرعی کا جواب لکھنا۔ وہابیوں اور بدعتیوں کے جھگڑے میں حکم ہونا۔ مجالسِ شادی و غمی اور اعراس میں جانا، شعر و شاعری کی صحبت کو گرم رکھنا۔ باغات کی سیر کو اور خواجہ صاحب کی زیارت

Marfat.com

کو اکثر جانا . . . . "

مفتی سعد اللہ رامپوری

آپ نے ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء میں ترجمۂ فقہ اکبر کے نام سے ایک کتاب تحریر کی تھی۔ ذیل میں بطور نمونہ مختصر عبارت تاریخ نثر اردو سے نقل کی جاتی ہے:۔

"یہ کتاب ہے اصل توحید اور اعتقاد صحیح کے بیان میں، واجب ہے ہر مسلمان پر کہ کہے صدق دل سے یقین لایا میں اللہ پر اور اُس کے سب فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر اور بہشت کے اور دوزخ پر، اور جلا اُٹھانے پر پیچھے مرنے کے، اور خیر و شر کی تقدیر پر، کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور حساب ہونا اور تلنا اعمال کا قیامت میں اور بہشت اور دوزخ سب حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایک ہے، عدد سے نہیں۔ پر اس راہ سے کہ اُس کا کوئی ساجھی نہیں"

یہ تو ظاہر ہے۔ کہ یہ مولویانہ عبارت ہے۔ مگر پھر بھی صاف ہے۔ اس قدر پیچیدہ نہیں کہ مطلب سمجھنے میں دقت ہو۔

ذیل میں مفتی صاحب کے کچھ حالات تحریر کئے جاتے ہیں

آپ کے والد کا نام مولوی محمد نظام الدین تھا۔ اصل وطن مراد آباد ہے ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ علمائے عصر سے تحصیل علوم کی جن میں مفتی صدر الدین آزردہ بھی ہیں۔ دہلی میں تعلیم حاصل کر کے لکھنؤ گئے، وہاں تکمیل علم کے بعد مدرسۂ شاہی میں مدرس رہے۔ الحاق اودھ ۱۸۵۶ء تک وہیں سکونت پذیر تھے۔ پھر رامپور چلے گئے۔ نواب یوسف علی خاں اور منشی امیر احمد مینائی بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں انتقال کیا۔ مولوی صاحب کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ جن کی تعداد اٹھائیس ہے۔ اس تعداد میں چھوٹی بڑی سب تالیفات شامل ہیں۔ بعض چھپ گئی ہیں۔ بعض غیر مطبوع ہیں۔ بعض ناتمام بھی ہیں۔

Marfat.com

عباس بن ناصر علی المورخ

مولوی عباس نے عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ایک رسالہ صبح کا ستارہ ترجمہ کیا۔ اس کے متعلق خود مترجم آغازِ کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"بعد ازاں عباس بن ناصر علی المورخ بن فضل اللہ العلامہ الجاجموی غفر اللہ لہم کہتا ہے۔ کہ سنہ بارہ سو انچاس ہجری میں جب میرے بھائی قاسم علی نے کہ نہایت سخی و شجاع و مجاہد تھا۔ اور میری والدہ نے انتقال کیا، میں نے کتاب دقائق الاخبار کو کہ حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے احوال میں تصنیف کی تھی، متعلق عربی سے سلیس اردو میں ترجمہ کیا تاکہ فائدہ اس کا عام ہو جائے۔ اور ثواب اس کا میں نے ان دونوں کی روح کو بخشا . . . . اور اصل کتاب میں میں نے کچھ کمی و بیشی نہیں کی۔ مگر بعض جگہوں میں بضرورت یا بقصد اختصار۔ اور نام اس ترجمہ کا صبح کا ستارہ ہے"

یہ رسالہ ۱۸۳۲ء (۱۲۴۹ھ) میں مرتب ہوا۔ اور ۱۰ شوال ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) کو مطبع مصطفائی شہر کانپور محلہ پٹکاپور میں چھاپا گیا۔ اس میں موت اور بعد موت کا حال لکھا ہے۔ ہر بیان کو آیات و احادیث و اقوال علماء و اولیاء سے مدلل کیا ہے۔ ترجمہ دقائق الاخبار کے بعد مترجم نے اپنی طرف سے چند اخلاقی مسائل پر روشنی ڈالی ہے ایک مسئلہ بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے:۔

مسئلہ۔ حق تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگنا کہ الٰہی بحرمت نبی یا ولی کے میری حاجت روا کر، روا ہے، ملا علی قاریؒ نے قواعد البیان میں لکھا ہے۔ کہ "اگر بحرمت مصطفےٰ گوید، شاید، چہ در دعائے استفتاح الشہر الحرام والمشعر الحرام و قبر نبیک علیہ السلام ماثور و مروی است" اور حصن حصین میں صحیح بخاری وغیرہ سے منقول ہے کہ دعا میں توسل

Marfat.com

بانبیا و صلحا جائز و مستحب ہے۔ اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ کہ "دعا میں بحق فلاں کہنا ابوالفضل کرمانی ؒ نے مکروہ لکھا ہے، اس واسطے کہ حق تعالیٰ پر کسی مخلوق کا حق نہیں۔ ولیکن روایات و آثار سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ انتہیٰ راقم عفا اللہ عنہ کہتا ہے۔ کہ اگلے زمانہ میں معتزلہ کا بہت غلبہ تھا۔ اس واسطے کرمانی وغیرہ نے بحق کہنا مکروہ لکھا ہے۔ تا بخوبی ثابت ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں۔ اور کسی کا حق نہیں، وہ مالک مختار ہے جو چاہے کرے پس منع کرنا اس لفظ کا احتیاطاً تھا، ورنہ اس کے جواز میں شبہ نہیں، قال اللہ تعالیٰ وکان حقاً علینا نصر المؤمنین۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی ؒ نے جذب القلوب الی دیار المحبوب میں لکھا ہے۔ کہ جب حضرت علی ؓ کی ماں نے وفات پائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللھم اغفر لہا بحقی وبحق جمیع الانبیاء من قبلی"

امام بخش صہبائی

آپ دہلی کے رہنے والے، فارسی کے بڑے عالم و فاضل اور محقق تھے۔ فارسی کی بعض نہایت ادق کتب درسیہ مثلاً "سہ نثر ظہوری" وغیرہ کی شرحیں بڑی تحقیق کے ساتھ فارسی میں لکھی ہیں۔ غدر سے پہلے دہلی کالج میں پروفیسر تھے اور مولوی محمد حسین آزاد، ماسٹر پیارے لال آشوب وغیرہ ان کے شاگرد تھے۔ سرسید احمد خاں سے صہبائی کے خاص تعلقات تھے۔ انہوں نے سرسید کو آثار الصنادید کی تیاری میں بڑی مدد دی تھی۔ شاہی قلعہ معلیٰ سے بھی صہبائی کی رسم و راہ تھی۔ شاہی خاندان کے بعض افراد ان کے شاگرد تھے۔ شعر و سخن میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ کے سلسلے میں جن لوگوں پر مصیبتیں نازل ہوئیں ان میں صہبائی کا حصہ بھی کسی سے کم نہ رہا یعنی قتل کئے گئے۔ اور ان کا مکان کھود کر زمین کے برابر کر دیا گیا۔ مفتی صدر الدین آزردہ نے کس درد سے کہا ہے۔

Marfat.com

کیونکہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو"

قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو"

آپ نے دہلی کالج کی ملازمت کے زمانہ میں ۱۲۵۸ھ ۱۸۴۲ء منشی شمس الدین فقیر کی تصنیف حدائق البلاغت کا اردو ترجمہ مرتب کیا۔ یہ اردو میں اس فن کی پہلی مکمل و مستند کتاب خیال کی جاتی ہے۔ صہبائی اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

نسخۂ حدائق البلاغت علم بیان اور بدیع اور عروض میں شمس الدین فقیر رحمۃ اللہ علیہ کے قلم بلاغت رقم کا ثمرہ ہے۔ اور اس کتاب کا اس فن کے استیعاب میں شہرہ ہے۔ صاحب والامناقب بلند مراتب حاکم دادور، داور دانش گستر، بوترس صاحب بہادر دام اقبالہ نے کہ شہر سعادت بہر شاہجہان آباد کے مدارس کے پرنسپل ہیں۔ فقیر سراپا تقصیر خاکپائے علماء گدائے سرکوچۂ فضلاء سرگشتۂ وادیٔ ناتوانائی، امام بخش صہبائی کو کہ طلبۂ فارسی کی تعلیم کے لئے مدرسی اول کے عہدے پر مشرف ہے۔ ارشاد کیا کہ اگر یہ نسخہ فارسی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا جاوے۔ اور اس میں عربی اور فارسی مثالوں کی جگہ اشعار اردو زباندانان ہند کے مندرج ہوں۔ تو ان لوگوں کے واسطے کہ اردو اشعار سے ذوق رکھتے ہیں۔ اور اس قدر استعداد نہیں رکھتے کہ عربی اور فارسی کتابوں سے ان مطالب عالیہ کو سمجھیں۔ بہت مفید ہوگا، اس واسطے اس خاکسار نے بموجب اس کے کہ المامور معذور، باوجود کمی استعداد کے تقدیم امر میں سعی کر کے اسی رسالہ کو سنہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں مرتب کیا۔ لیکن مستعدان انصاف پسند پر مطالعہ کے وقت ظاہر ہوگا کہ اس کم استعداد نے مسائل علمی کے لکھنے اور امثلۂ اردو کے فراہم کرنے میں کس قدر سعی کی ہے۔ اور جو کہ یہ مقصود تھا کہ علم بیان اور بدیع اور عروض سے طالبین کو فائدۂ تام حاصل ہو۔ اس واسطے بہت مسائل اصل کتاب سے زیادہ کر دئے، تاکہ از بسکہ لفظ بلفظ کے ترجمے میں مطلب کی توضیح خوب نہیں ہوتی، اس لئے ترجمہ میں اس امر کا مفید نہیں ہوا۔"

ترجمۂ حدائق البلاغت کا مختصر نمونہ یہ ہے:۔

صنعت تلمیح۔ یہ اس طرح پر ہے کہ کلام مشعر ہو کسی واقعۂ مشہورہ پر، یا ایسی چیز

Marfat.com

پر اشارہ کیا جائے کہ کتب مستعملہ میں مذکور ہو۔ جیسے شعر سودا کا ؎

دکھلائیے جاکر تو تجھے مصر کا بازار یہ پروا کوئی خواہاں نہیں اس جنس گراں کا

اس شعر میں اشارہ ہے طرف قصہ حضرت یوسفؑ کے کہ وہ مشہور ہے۔ اور یہ شعر فقیر محمد خاں گویا کا ؎

منہ دکھانا تو کہاں باتیں تھیں اُس کی مجھ تک
لن ترانی کی بھی آئی نہ صدا میرے بعد

اس شعر میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کی طرف اشارہ ہے، حق یہ ہے کہ جو لوگ کہ چاشنی انصاف اور مذاق شعر سے رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ شعر جواب نہیں رکھتا۔ اور جیسے یہ شعر ؎

خزاں میں اس لئے لوٹے ہے خاک پر غنچہ
کہ یہ علاج ہے اُس کا جسے ہو استسقا

اس شعر میں اشارہ ہے طرف مسئلۂ طب کے"

حدائق البلاغت کے حاشیہ پر یہ ترجمہ مطبع نول کشور واقع شہر کانپور نے دسمبر ۱۸۸۱ء میں چھاپا تھا درج ہے۔

ترجمہ پر رائے صہبائی مرحوم کی زبان صاف اور رواں ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ پروفیسر ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایسی عبارت لکھی ہے۔ تاکہ طلاب کو دقت نہ ہو۔ ورنہ آپ کے اکثر ہمعصر خصوصاً وہ لوگ جو علم وفضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ تعقید کے بغیر اپنی عبارت نہیں لکھ سکتے۔ الفاظ کو آگے پیچھے رکھ کر اُس کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ آپ کی اصل عبارت اور ترجمہ یکساں معلوم ہوتا ہے۔ اور دونوں عبارتیں نہایت صاف و سلیس ہیں۔ چونکہ یہ ترجمہ پرنسپل صاحب کی فرمائش پر کیا گیا ہے۔ اس لئے

۱ے تمام طبعہ پہ پہلا مصرعہ [illegible] خطوطِ غالب میں ہے۔ لوگ اس طرح پڑھتے ہیں اور کلیاتِ سودا میں بھی یوں ہی لکھا ہے۔ ح

دکھلائیے لے جاکے تجھے مصر کا بازار

اس کو شگفتہ عبارت میں لکھنا بھی لازمی تھا۔ بہرحال یہ بھی صہبائی مرحوم کی قادرالکلامی ہے۔ کہ وہ ایسی عبارت لکھ سکتے تھے۔ سرسید کی کتاب آثارالصنادید میں آپ نے قافیہ پیمائی فرمائی تھی۔ اور اس زمانہ کے لحاظ سے رواج کی پابندی کی تھی۔ لیکن سرسید کو یہ طرزِ تحریر پسند خاطر نہ ہوا۔ اور آثارالصنادید کی عبارت صاف اور سادہ زبان میں خود تحریر کی۔

سید باقر حسین

آپ کا نام باقر حسین ہے۔ سید علی خاں کے بیٹے تھے۔ دہلی وطن ہے۔ آپ نے عجائب القصص کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ کتاب حکیم احسن اللہ خاں نے فارسی زبان میں تحریر کی تھی۔ اس کا دیباچہ فخرالدین حسین نے لکھا تھا۔ دیباچہ نگار اور مترجم دونوں کی عبارتوں کا مختصر نمونہ تاریخ نثر اردو سے نقل کیا جاتا ہے:۔

عبارتِ دیباچہ

"بعد حمد ایزدِ منّان اور نعت و منقبت رسولِ آخرالزماں، ابجد خوانِ دبستانِ دانش و شعور معتصم بذیلِ رسول الثقلین محمد فخرالدین حسین نقشِ پرداز اس دیباچہ کا زیبِ بیان سبب تالیف اس کتاب فیض نصاب کے گزارش کرتا ہے۔ اور پر ناظر خفیہ ارباب عقل و تمیز کے پوشیدہ نہ رہے کہ تحریکِ سلسلہ انجام اس کام کی بوساطت دست و قلم سیادت مرتبت نجابت منزلت سید باقر حسین خلف رشید سید علی نقی خاں کے عمل میں آئی اور اس بزرگوار شائستہ کردار نے بمشاطگی ذہن سلیم و فکرِ مستقیم کے عرائس مضامین اس کتاب کو پیرایہ پوشش زبان اردو سلیس سے آرائش دی"

یہ منشیانہ عبارت ہے۔ اگر عبارت میں تعقید نہیں ہے۔ تو موٹے موٹے عربی الفاظ ٹھونسے گئے ہیں۔ غرض اپنے فضل و علم کا مظاہرہ ضروری تھا اس بات کو ہاتھ نہ جانے

Marfat.com

نہیں دیا۔

عبارتِ مترجم

نامۂ اسکندر بنام والدۂ خود

"یہ نامہ ہے بندۂ خدا پسر تیرے اسکندر کی طرف سے کہ مدت اندک اور زمانۂ قلیل میں اہلِ زمین کے ساتھ بے حد رفاقت کی اور اب زمانہ ہائے دراز اور قرنہائے بے شمار مجاورت اہلِ آخرت کرے گا، بسوئے والدہ کہ سرائے غربت میں مواصلت اور ملازمت اس کی سے متمتع نہ ہوئے۔ اگر خدا چاہے تو عالمِ نور کرامت اور دارالسرور بہجت میں مجاورت اُس سے منقطع نہ ہووے، اور یہ وہ نامہ ہے طویل الذیل کہ مفصلاً تاریخ مبسوط میں مذکور ہے"

سیّد فضل علی

س ید فضل علی (شاہجہان آباد) دہلی کے رہنے والے تھے۔ شہزادوں کی تعلیم و تعلم کا کام ان کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ سید شاکر علی کے بیٹے تھے۔ ذیل میں آپ کی کتاب مفید الاجسام سے جو ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۴ء میں لکھی گئی تھی۔ اور فنِ جراحی کے متعلق ہے، عبارتِ ذیل تاریخِ نثرِ اردو سے نقل کرتا ہوں۔ اس سے آپ کے دیگر حالاتِ زندگی پر بھی روشنی پڑے گی۔

"سید فضل علی بن شاکر علی ابنِ میر کرم علی رہتے والے قدیم شاہجہاں آباد کے، اُستاد پڑھانے اور لکھوانے میں بادشاہ زادوں کے ہوتے آئے ہیں۔ اور اب بھی اُسی خدمت پر بھائی صاحب عالی درجات اور پر نوکری روزگار کے بیچ سرکار بادشاہ کے جلوہ گستر ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو سلامت باکرامت رکھے۔ لیکن اپنی خرابی اور بربادی کا کیا کروں اور کیا کہوں۔ کہ سینۂ قلم کا چاک درچاک ہوتا ہے۔ کہ پروردگارِ عالم نے بزرگوں کی تقدیر میں ریاست اور

Marfat.com

امیری لکھی تھی۔ اور اس نالائق ردّ خلائق کے مقسوم میں ندامت اور فقیری ۔ ۔ ۔ ۔ "

الغرض یہ بے سروسامان اور سرگردان ننگِ خاندان اپنے کا ہوا، رات اور دن اس سوچ میں رہتا۔ کہ ایامِ طفلی میں اس گردشِ کج رفتار و زمانۂ ناسازگار نے مانندِ اوراقِ گنجفے کے سب عزیز و اقربا سے جدا کرکے ایسا ابتر پریشان یا دلِ بریاں کیا۔ کہ باگ اختیار کی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور رہوارِ برق رفتار حواسِ خمسہ کا تا در حیرانی جائے جنگل پر مستعد ہوا۔ اور کچھ تدبیر بن نہ آئی۔ القصہ منزلیں طے کرتا رفتہ رفتہ کلکتے میں پہنچا۔ کہ وہاں نہ کوئی یار نہ مددگار سوائے ذاتِ پروردگار کے مونس و غمخوار نہ تھا۔ نو برس کے سن میں کہ سنہ ۱۲۳۰ھ تھے، اس کم سنی میں یہ خیال دل میں گزرا۔ کہ کوئی فن کسب کسی طرح کا ہو۔ اس کو اختیار کیجئے۔ اور دل سے سیکھئے تاکہ آنکھوں میں لوگوں کی عزیز ہوجئے۔ الحاصل اسپتال انگریزی ڈاکٹر کلاک باٹن صاحب کہ نام اُن کا آج تک بیچ کلکتے کے مشہور اور معروف ہے۔ کہ فن جراحی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، اُن کی خدمت فیض درجت میں دست بستہ بہ ارادۂ شاگردی حاضر ہوا، اور سوال کیا کہ اُمیدوار اس بات کا ہوں۔ میری زبانی یہ حال سُنکر وہ صاحب فیلسوف ہمسرِ جالینوس، استادِ زمانہ اپنے فن کا یگانہ مہربان ہوا۔ اور یوں فرمایا کہ بہتر ہے، اگر رہنا یہیں ہوگا، جب تک اس کو خوب حاصل نہ کرلوگے، تب تک پرداگی کہیں جانے کی نہ ملے گی۔

اور پر عاقلوں کے چھپا نہ رہے۔ کہ اس فقیر نے جو یہ اجزا جمع کئے ہیں۔ تو ان میں آسان عبارت اور سلیس ترکیب علاج دیکھ کر واسطے تعلیم مبتدیوں کے۔ اگر ان اجزا کو دقیق کرکے لکھتا۔ تو فہم مبتدی اس کو بوجھ نہ سکتا۔ یہ کتاب شہر ذی الحجہ میں ختم ہوئی۔ اور تاریخ دسویں روز دوشنبہ اور سنہ ۱۲۵۹ھ ہجری، مطابق ۱۸۴۳ء "

نواب محمد قطب الدین خاں

آپ مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی اور مہاجر مکی کے شاگرد ہیں۔ خواجہ ضیاءالدین احمد اپنے دوست کی فرمائش پر ایک کتاب تحفۃ الزوجین تحریر کی۔ آپ کے والد کا نام محمد محی الدین خاں شاہجہان آبادی ہے۔ اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۲۶۱ھ ہے۔ آپ کی تصانیف اور بھی مشہور و معروف ہیں مثلاً مظاہر حق، شرح مشکوٰۃ شریف بزبان اردو۔ یہ ایک مبسوط کتاب ہے۔ تفسیر قرآن بزبانِ اردو غیر مکمل چھپی ہے تفسیر خوب لکھی ہے اور علماء اُس کو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ترجمہ حصن حصین درفن حدیث مشہور و معروف ہے۔ اور بھی متعدد کتابیں دینیات میں لکھی ہیں۔ آپ غدر کے بعد تک زندہ ہے ہندوستان کے بہت سے مشہور اور نامی علماء آپ کے شاگرد تھے۔ مثلاً مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی آپ سے علم و فیض حاصل کیا۔ مولوی عبدالقادر بھی آپ کے شاگرد تھے جن کی بعض تصانیف بزبانِ اردو دینیات میں ہیں۔ منجملہ اُن کے تفسیرِ الم نشرح وغیرہ ان سے یادگار ہیں۔ آپ نے ۱۸۷۲ء ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔

تحفۃ الزوجین میں ۱۳۲ صفحات ہیں۔ تقطیع ۱۰×۲۲ ہے۔ سید حیات علی نے دوسری بار ۱۲۶۸ھ میں مطبع مطبع الرحمٰن میں طبع کرایا تھا۔ اس کتاب میں عربی عبارتیں بہت زیادہ ہیں۔ حوالہ حدیث اور قرآن اور کتبِ فقہ سے دیا گیا ہے۔ نمونۂ عبارت حسب ذیل ہے:-

"بندہ مسکین محمد قطب الدین بن محمد محی الدین شاہجہاں آبادی تلمیذ بے تمیز شہرۂ آفاق مولانا محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ وغفر اللہ لہ ولوالدیہ والاستاذ ولجمیع المومنین والمومنات ووقہم اللہ عن بلیات الدین والدنیا والآخرہ، ان دنوں میں کہ مہینہ شعبان ۱۲۶۱ء کا ہے۔ فرمائش کی میرے محب صادق، برادر

Marfat.com

مجمع الحسنات خواجہ ضیاؤ الدین احمد صاحب نے حفظ اللہ تعالیٰ عن آفات الدارین کہ اگر ایک رسالہ حقوق میاں بیوی کے ہیں کہ متضمن ہو شادی غمی کی رسموں قبیحہ کو اور تستر وغیرہ کو تالیف کیا جاوے۔ تو بہت مناسب ہے۔ کہ اکثر مرد و عورت حقوق آپس کی ہیں بہت قصور کرتے ہیں۔ اور طرح بطرح کے منہیات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پس یہ ہیچمداں اگرچہ عدیم الفرصت تھا لیکن بہ نظر نفع اور فلاح مسلمین کے قصد کرنے والا اس کے لکھنے کا ہوا۔ اور اس کو اوپر ایک مقدمہ اور دو باب اور ایک خاتمہ کے روایات صحیحہ سے مرتب کیا۔ مقدمہ میں بیان و فائدہ ہے۔ اتباع احکام خدا اور رسول کا اور بیان ہے تقویٰ اور شرک کا اور برائی اچھا اور سبک جاننے گناہوں کا اور ایک باب میں حقوق خاوند کے بیوی پر ہیں اور دوسرے باب میں حقوق بیوی کے کہ خاوند پر ہیں۔ اور اسی ضمن میں شادی غمی کی بری رسمیں وغیر ذالک مذکور ہیں۔ اور خاتمہ میں ایک خطبہ ہے مشتمل اوپر احادیث صحیحہ اور نافعہ کے اور اس کا نام تحفۃ الزوجین رکھا۔ ہر مسلمان کو چاہئے۔ کہ اس کو دستور العمل اپنا کرے۔ تا فلاح دارین حاصل ہو"

ظفر جلیل حصن حصین کا اردو ترجمہ ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"حمد بے شمار ہے۔ اس پاک پروردگار کے لئے کہ ہم کو توفیق دی اپنے ذکر کی، اور راہ بتائی اپنی فکر کی، یا الٰہی درود و سلام بیحد نازل کر ختم النبیین شفیع المذنبین سول اللہ میں پر اور ان کے اصحاب ابرار اور آل اطہار پر اور سب پر۔

مولوی کریم الدین

م ولوی کریم الدین شاہجہاں آباد (دہلی) کے رہنے والے ہیں۔ ان کا نام ان کی کتاب طبقات شعرائے ہند کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔ جس کو انہوں نے ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء میں لکھا تھا۔ ڈاکٹر فیلن نے ایک انگریزی اردو لغت تحریر کی ہے۔ اس میں بھی انہوں نے

بے حد مدد دی ہے۔ یہ تذکرہ شعرائے ہند (۹۶۴) شاعروں کے حال پر مشتمل ہے اور غالباً صرف ایک مرتبہ دہلی کے مطبوع العلوم میں باہتمام سید اشرف علی ۱۸۴۸ء میں چھاپا گیا تھا۔ فضول باتیں بہت کم ہیں، زیادہ تر مفصّل اور مفید حالات درج ہیں۔ عبارتِ ذیل بطور نمونہ تاریخ نثر اردو سے نقل کی جاتی ہے:۔

سب صاحبوں کی خدمت میں بندۂ کمترین کریم الدین یہ عرض کرتا ہے۔ کہ جب بندہ ایک تذکرہ شعرائے عرب کا زبانِ اردو میں واسطے سوسائٹی کے لکھ کر چھپوا چکا، اُس وقت یہ ارادہ پیرامونِ خاطر عاجز کے ہوا۔ کہ ایک تذکرہ شعرائے ہند کا بھی تاریخ وار جس سے ہر شاعر کے سنہ زندگی کا حال معلوم ہو جاوے۔ اور یہ معلوم ہو کہ وہ شاعر کس زمانے میں موجود تھا۔ مع اور حالاتِ صادقہ اُس کے لئے، جہاں سے پاؤں جمع کر کے چھپواؤں۔ اس لئے یہ تذکرہ چند تذکروں سے تالیف کر کے درمیان ۱۸۴۵ء کے فراغت پائی۔ گرچہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا۔ کہ بہت تذکرے جمع کر کے اس تذکرے کو فراہم کروں، لیکن مجھ سے پہلے چونکہ دی ٹاسی نے زبان فرنچ میں درمیان ملک فرانس کے ایک تذکرہ ان تذکروں مفصلۂ ذیل سے بہت اچھی طرح تالیف کر دیا تھا۔ اس لئے اور دوسرے تذکروں سے جو اُس کو دستیاب نہیں ہوئے اور اُس تذکرے سے مدد لے کر یہ تذکرہ میں نے فراہم کیا۔"

یہ تذکرہ اپنے تمام ماسبق تذکروں سے زیادہ مفصّل اور صحیح اور مفید تحقیقات سے مملو ہے۔ فضول تعریفیں اور غیر متعلق باتیں بہت کم ہیں۔ اس میں مسٹر ایف۔ فیلن بھی شامل ہیں اور دونوں نے مل کر اس کو مرتب کیا ہے۔

اس تذکرے میں دیباچے کے بعد اردو زبان کی مفصّل تاریخ لکھی ہے۔ اور حتی الامکان پوری تحقیقات کو مدِ نظر رکھا ہے۔ لیکن یہ امر بھی اربابِ دانش سے مخفی نہ رہے۔ کہ جس قدر کتابیں اب میسّر آگئی ہیں اُس وقت اِن اصحاب کی دسترس سے باہر تھیں۔ لہذا اردو زبان کی مفصّل تاریخ اِن کے بس کی بات نہ تھی۔ پروفیسر آزاد نے ضرور اس تذکرہ کو دیکھا ہوگا۔ پس جو کچھ آبِ حیات میں انہوں نے اردو کی تاریخ

Marfat.com

بیان کی ہے - وہ اس تذکرہ کی بیان کردہ مفصل تاریخ اردو سے کچھ زیادہ ہی سمجھنی چاہئے جب فی زمانہٗ آبِ حیات کی تحقیقات کو بھی مستند نہیں خیال کیا جاتا - اور اردو کی پرانی کتابوں پر دسترس نے واقعی بہت سی باتوں کو جھٹلا بھی دیا ہے - تو مولوی کریم الدین کے تذکرہ کی مفصل تاریخ پر کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

آپ نے موضح اللسان حصّہ اول بھی ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء میں تحریر فرمائی - نمونہ حسبِ ذیل ہے :-

"دو برس سے مجھ کو یہ خیال تھا کہ چونکہ سرکار گورنمنٹ پریسیڈنسی آگرہ کا ارادہ زبانِ اردو کی ترویج اور پھیلانے کا ہے، تو اس ارادہ کی تائید کے واسطے تو بھی کوشش کر۔ گرچہ سرکار عالی مقدار کے دربار میں مجھ جیسے بیشمار ہیں - اور مثل بھی مشہور ہے - کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے - پر تب بھی چونکہ نمک خوار اس سرکار فیض آثار کا ہوں - اور مدرسے آگرے میں جو کہ مقامِ اشاعت علوم و فنون کا ہے، مدرس اول اردو کہلاتا ہوں، اگرچہ بالتصریح مامور اس اشاعت کا نہیں ہوا ہوں، پر حقیقت میں ارادے سرکار کے برلانے میں جو کہ میرے عہدے سے تعلق اور لگاؤ رکھتا ہے ضمناً مامور ہو گیا ہوں، جس طرح سے ہو سکے کوشش کروں - یہ سوچ کر یوں ٹھہرائی - کہ مبتدیوں اور نوآموزوں کو اس زبان کی طاقت، بروقت ہونے اس کے قواعد کے ہو سکتی ہے - اور سوائے اس کے کوئی نظر نہیں آئی کیونکہ جب جڑ ہی مضبوط نہ ہو گی تو پھول پھل کس طرح سے لگیں گے۔"

جیمس کارکرن

مسٹر جیمس کارکرن ایک عیسائی ہیں - جو عدالتِ دیوانی صدر کلکتہ میں مترجم تھے - آپ نے تاریخِ ممالکِ چین ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء میں تحریر فرمائی تھی - ذیل میں تاریخ نثر اردو

Marfat.com

سے مختصر عبارت بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے :-

عبارت سرورق

تاریخ ممالک چین اور دوسرے ملکوں اور قوموں کی، جو فرمانبردار یا باجگزار فغفور ختا کے ہیں۔

ابتدائے نوآبادی دنیا بعد طوفانِ نوح سے لغایتہ زمانِ عہد و پیمان و مصالحت میانِ سلاطینِ ختا و انگلستان ۱۸۴۲ء مسیحیہ میں

تالیفِ نحیف

خوشہ چینِ خرمنِ اربابِ سخن جیمس کارکرن مصنف جواہر اخلاق مترجم عدالتِ دیوانی صدر کلکتہ۔ دو جلدوں میں تمام ہے۔ پہلی جلد طبعِ مؤلف کے اہتمام سے بہ مطبع پادری ٹامس صاحب واقع شہر کلکتہ۔ بماہ نومبر ۱۸۴۸ء ختم ہوئی۔

دیباچہ

صاحبانِ غور و تامل علمِ تاریخ کو اکثر علوم پر اس واسطے شرف دیتے اور بہتر سمجھتے ہیں۔ کہ تجربہ کاری اور مردم شناسی کے ملک میں پہنچنے کی راہ ہے، اور وہاں کا سفر جس نے تھوڑا سا بھی کیا وہ کچھ ہوشیار کیونکہ دنیا کے کارخانوں کی بے ثباتی اور اولادِ آدم کی بے ہادی اور نیک صفاتی سے آگاہ ہوتا اور انقلابِ روزگار سے عبرت حاصل کرتا ہے اور اکثر امورِ دنیوی میں ایسی آنکھ ہو جاتی ہے۔ کہ نفس کو قوت پیشینگوئی کی اور زبان کو توانائی فال بیانی کی حاصل ہوتی ہے۔ اور قیاس کو مزاولت کے باعث یہ ملکہ ہو جاتا ہے کہ سبب کے دریافت سے انجام کا حال آغاز میں کہہ دیتا ہے، جیسا کہ اہلِ منطق صغریٰ اور کبریٰ سے نتیجہ نکال لیتے ہیں . . . . اور نتیجہ سننے سے سبب کو معلوم کر لیتے ہیں۔ چنانچہ کسی ملک کے حکام اور اُمرا کے اطوار اگر مورخ کے روبرو بیان کئے جاوینگے تو اغلب ہے کہ فال حال کو بے تامل کہہ دے دیگا۔ سیوا (سوا) ان باتوں کے مورخ کا علم موجب اپنی فرصت اور غیروں کی راحت کا ہے، اس لئے کہ اہلِ دنیا کی عادات اور

Marfat.com

حرکات [illegible] نیرنگی زمانے دیکھے ہمیشہ دیکھنے اور سننے میں آتی - اور نادانوں کے دل [illegible] اور افسوس نو پیدا کرتی ہے - اس شخص کو کوئی اور اچھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ دنیا نے اپنی چال نہیں بگاڑی - اور آجکل کی باتوں کو تدبیریں ملقنہ کے اخبار میں ملتیاں (ملتی) اور تسکین بخشتیاں (بخشتی) ہیں - بہتان جہاں کی ناقدر دانی کا شکوہ حافظ شیرازی پانچ سو برس پیشتر کرتا ہے اور فرماتا ہے - بیت

ابلہاں را ہمہ شربت زگلاب و قند است
قوت دانا ہمہ از خون جگر می بینم

پنڈت سروپ نرائن ڈھیلو نرائن

کتاب حکمت العلم [illegible] مصنفہ ارنٹ صاحب کا ترجمہ ان دونوں صاحبان نے کیا ہے [illegible] یہ کتاب قاضی محمد سعید و قاضی محمد فرید ایم اے، [illegible] ولدان [illegible] عبدالوحید مرحوم مدیر تحفہ حنفیہ کے کتاب خانہ میں [illegible] مرحوم نے دیکھی تھی سنہ ۱۲۶۱ھ ۱۸۴۵ء کی چھپی ہوئی ہے - تاریخ نثر اردو سے عبارت ذیل بطور نمونہ درج کی گئی -

تپ بخار بن جانے کے

اثر بخارات کا گرمی کے پہنچنے میں پسینے کے نکلنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے - انسان کے جسم کے درجات گرمی ۹۶ درجے سے ۹۸ درجے تک ہوا کرتے ہیں، لیکن جبکہ بہت ورزش کریں اور یا جب کہ تپش گرمی کی ہمارے بدن پر از حد ہو تو گرمی کو بحالت زیادہ ہونے کا اسی حالت سے جو کہ واسطے ہماری صحت کے مفید ہے، تیار ہوتا ہے - اگر یہ بات پسینوں

Marfat.com

سے رفع نہ ہو جاوے تو بہت مضر اثر ہوتا ہے۔ جب کبھی یہ بات داقع ہونے کو ہوتی ہے تو پسینے جسم کے پوست پر آتے ہیں۔ تاکہ اسی کے بخارات میں مبدّل ہونے سے بدن اتنا سرد ہو جاتا ہے۔ جتنا واسطے صحت بدن کے مزدر ہے۔"

مرزا رجب علی بیگ سرور

مرزا رجب علی بیگ، مرزا اصغر علی لکھنوی کے بیٹے تھے، لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اردو میں تعلیم و تربیت حاصل کی، سرور تخلص اختیار کیا۔ اور فن و شعر میں آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگرد ہوئے۔ اگرچہ آپ مذاقِ سخن رکھتے تھے۔ اور صاحب دیوان تھے لیکن آپ کی شہرت زیادہ تر نثر نگاری کی وجہ سے ہے۔ آپ کی کئی تصنیفات ہیں لیکن فسانۂ عجائب اپنے خاص رنگ میں بہترین تصنیف ہے۔ جو ۱۸۲۵ء میں بعہد نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ لکھی گئی۔ اور جس کی عبارت مقفّٰی و مسجّع ہے۔ یہ رنگینی اور قافیہ پیمائی فارسی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اردو میں اس اندازِ تحریر کے آپ مالک ہیں۔ جس طرح اردو میں آجکل یہ رنگ پسند نہیں کیا جاتا۔ حال کی فارسی بھی اس قسم کی تکلفانہ عبارتوں سے معرا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ سرور کی یہ طرزِ عبارت آرائی اس دور کے جملہ مصنفین میں ہی نہیں۔ بلکہ پہلے دور کے لکھنے والوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ تاہم سرور بہترین لکھنے والوں میں سے ہیں۔ اگرچہ مرزا غالب مرحوم نے اردو خطوط نویسی میں اس طرز کو قائم رکھا ہے۔ لیکن اس میں تصنّع اور تکلف کو مطلق جگہ نہیں دی۔ البتہ کتابوں کی تقریظ یا دیباچہ لکھتے ہیں اُن کا قلم بھی سرور کی طرح اس طرز سے آزاد نظر نہیں آتا۔ ہاں مرزا غالب کی مسجّع نثر میں تصنع اور آورد کا رنگ کم ہے۔ کیونکہ دوسرے فقرے میں تقریباً ویسی ہی بے تکلفی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرے میں۔

سرور سلطانی۔ شمشیر خانی کا ترجمہ ہے۔ جو سلطانِ عالم واجد علی شاہ کے حکم سے

Marfat.com

کیا گیا تھا۔ گلزارِ سرور بھی حدائق العشاق کا ترجمہ ہے۔ اور مہاراج ایسری پرشاد نارائن سنگھ کی فرمائش سے کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ شگوفۂ محبت ایک اور قصہ ہے اور انشائے سرور ایک اور کتاب ہے۔ جو آپ سے یادگار ہے۔ ایک نثر اور ایک قصیدہ پرنس آف ویلز ولی عہد ملکہ وکٹوریہ کے جشنِ شادی کی تہنیت میں لکھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

باپ میں شوکتِ شاہی تھی پسر زینتِ تخت
ماں کے پرتو سے پریخانہ ہے شہرِ لندن

ایک نثر مہاراجہ بنارس کی سواری کی تعریف میں لکھی ہے۔ جملہ تصانیف کا رنگ ایک ہی ہے۔ جواب بالکل متروک ہے۔

ایک تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ۱۸۴۷ء تک لکھنؤ میں رہے، ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ خود سرور نے گلزارِ سرور میں لکھا ہے۔ کہ حضرت واجد علی شاہ نے نو برس تک حکومت کی۔ اور ۱۸۵۶ء میں اُن کو معزول کیا گیا۔ پس ۱۸۴۷ء سالِ جلوس ہوا۔ اور جب کہ آپ نے چند کتابیں بادشاہ کے حکم سے لکھیں۔ اور آپ کی دربارِ شاہی تک رسائی تھی۔ تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ آپ ترکِ وطن پر فوراً آمادہ ہوئے ہوں۔

گلزارِ سرور میں جس کا نمونہ ہم نے درج کیا ہے۔ عزلِ شاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ "شرفا معاش سے تنگ و حیران ہوئے، ایسے نکلے کہ بے نام و نشان ہوئے، از انجملہ فقیر وہاں کس شمار میں تھا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتزاعِ سلطنت تک آپ لکھنؤ میں رہے۔ اور بعد ازاں مہاراج ایسری پرشاد نارائن سنگھ کی خدمت میں باریاب ہوئے، سنا ہے کہ ۱۸۶۳ء میں آپ کلکتہ گئے تھے۔ اور وہاں سے واپس آکر تھوڑے ہی دنوں بعد لکھنؤ میں انتقال کیا۔

سرور کی انشا پردازی پر رائے ایک صاحب سرور کی انشا پردازی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

"فسانۂ عجائب نثر کی اُس طرزِ تحریر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جس کی بنا تصنّع اور بناوٹ پر ہے اور جس کی دلآویزی کا مدار مصنوعی حُسن پر ہے۔ ایک زمانہ میں اُردو کے انشاپردازوں میں یہ طرز نہایت مقبول تھی۔ مگر اب کچھ غالب اور آزاد کی تقلید اور کچھ انگریزی تہذیب کے اثر سے لوگوں نے اس کو ترک کر دیا ہے۔ تاہم فسانۂ عجائب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا انشاپرداز اس رنگ میں بھی کیا کیا رنگینیاں پیدا کر سکتا ہے گو اسی کے ساتھ یہ بات بھی اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ اِس طرز کا میدان کس قدر تنگ ہے۔ اور زمانۂ حال کی دواُدودش کے لئے کس قدر ناموزوں ہے۔"

نمونہ از فسانۂ عجائب

ذیل میں فسانۂ عجائب کی مختصر عبارت بطور نمونہ نقل کیجاتی ہے۔ یہ کتاب بازار میں عام طور پر فروخت ہوتی ہے۔ اس لئے اختصار مدِ نظر ہوا۔

طوطا خریدنا جانِ عالم کا

"ایک روز گزر جانِ عالم کا گذری میں ہوا۔ انبوہِ کثیر و جمِّ غفیر نظر آیا۔ شہزادہ اُدھر متوجہ ہوا۔ دیکھا ایک مردِ نحیف، ستّر اسّی برس کا سن نہایت ضعیف پنجرہ ہاتھ میں لئے کھڑا ہے۔ اُس میں ایک جانور مانندِ ساکنانِ جناں سبز پوش، بامنقارِ گلنار لطیفے رنگین اور نکتے قابلِ تعریف و نمکین بیان کرتا ہے۔ شاہزادے کو دیکھتے ہی طوطا اپنے مالک سے بولا اے شخص کو کب بخت تیرا افلاس کے بُرجِ تیرہ سے نکلا، نصیب چمکا۔ طالع برسرِ یاوری اور زمانہ آمادۂ مددگاری ہوا، دیکھ ایسا شاہزادۂ عالی تبار متوجہ اس بے مقدار پر ہوا ہے وہ بیکار شے کارگاہِ بے ثبات میں مَیں ہوں۔ جس کا طالب کہیں نہیں۔ بجز یکہ جانور ہول اور بلّی کا کھاجا۔ مگر جو یہ نظرِ عنایت کرے ابھی تیرا ہاتھ پر تر رہو۔ دامن گہر سے بھر جان عالم نے یہ سخنِ ہوش ربا اور کلمۂ حیرت افزا کو سُن، طوطے عقل کے اڑا، پنجرہ اُس طائر ہمہ داں، جانورِ سحر بیاں کا ہاتھ میں لے کے مالک سے قیمت پوچھی۔ طوطے نے کہا: بیت

"کب لگاتا ہے کوئی اِس دلِ بے حال کا مول
سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے غرض مال کا مول

مگر جو حضور کی مرضی۔ جانِ عالم نے لاکھ روپیہ خلعت کے سوا عنایت کیے اور پنجرہ ہاتھ میں لیے دولت سرا کو روانہ ہوا۔ گھر میں جا کر ماہِ طلعت کو طوطا دکھایا۔ یہ مصرعِ انشا کہا پڑھا

بازار ہم گئے تھے اک چوٹ مول لائے

طوطے نے شہزادے کو سخندانِ دلچسپ و قصصِ عجیب و حکایاتِ غریب سنا کر اپنے دامِ محبت میں اسیر کیا۔ یہ نوبت پہنچی کہ سوتے جاگتے دربار کے سوا جدا نہ ہوتا۔ جب دربار جاتا پنجرہ بتاکیدِ حفاظت ماہِ طلعت کو سونپ جاتا اور دربار سے دیوانہ وار [illegible] بے قرار جلد پھر آتا۔"

سرور نے ایک رقعۂ دعوتِ شادی لکھا ہے۔ چونکہ دلچسپ ہے۔ اس لئے اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

رقعۂ دعوتِ شادی

"اس سال نیا ساز و سامان ہے، ہولی شبِ برات بہار سے دست و گریباں ہے۔ باغبانِ ازل دفینۂ چمن نکالے گا۔ بوٹا پتا جوبن نکالے گا۔ نسیمِ سحر غنچوں کی گانٹھ ٹٹولنے لگی۔ عبیر اور گلال گرہ سے کھولنے لگی۔ تختۂ لالہ چراغاں کا ڈھنگ دکھاتا ہے، نہروں میں فوارہ پچکاری کا رنگ دکھاتا ہے۔ کوسوں تک سبز مخمل کا فرش بچھا ہے۔ شاداب کوہ و صحرا ہے۔ پتہ پتہ کانِ زمرد کا پتہ دیتا ہے۔ شبنم کا قطرہ درِ بے بہا کا آویزہ ہے۔ کوہ میں کبکِ دری کا قہقہہ ہے باغ میں بلبل کا نالہ ہے۔ صحنِ گلزار میں سبزے نے سر نکالا ہے۔ جس قلمتراش میں شاخ کا دستہ ہے۔ قوتِ نامیہ کے فیض سے یک قلم گلدستہ ہے۔ اس گلشنِ ایجاد میں ہر جا نمونۂ قدرتِ پروردگار ہے۔ دست و گریباں خزان و بہار ہے اگر شاخ سے کوئی پتہ مرجھا کر ٹوٹتی ہے۔ تو برابر سبز کونپل پھوٹتی ہے۔ گل کی ہنسی پر گریۂ شبنم ہے کہ مہلت یہاں بہت کم ہے۔ بشر کو لازم ہے کہ فرصت غنیمت جان کر ان خیالوں سے درگزرے۔ بہ امرِ ضروری ہوا سے گرگزرے۔ لہٰذا صدر نشینانِ بزمِ طرب و سرور۔ انجمن آرایانِ جلسۂ شادی و سور کی خدمت میں امیدوار ہوں کہ از راہِ دوستانہ بے عذر و بے بہانہ رونق بخشِ جلسۂ احباب ہوں۔ خاکسار رہینِ منت ہوگا۔"

Marfat.com

گلزارِ سرور ایک شخص رضی پسرِ محمد شفیع نے جو نظام الدولہ نواب الہ ویردی خاں حاکم بنگالہ کا مصاحب تھا، کتاب حدائق العشاق کو بعبارت فارسی تحریر کیا تھا - مرزا رجب علی بیگ سرور نے سلطنت اودھ کے الحاق کے بعد مہاراج ایسری پرشاد نارائن سنگھ بہادر کی فرمائش سے، اُس کو فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا - عبارت مقفیٰ و مسجع ہے - وہی فسانۂ عجائب کا انداز ہے - اور نام اِس کتاب کا گلزارِ سرور ہے - حسب ذیل عبارت بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے :-

نمونہ گلزارِ سرور مذکورِ آوارۂ وطن، خزاں دیدہ چمن، مترجم حدائق العشاق رجب علی بیگ سرور عفی عنہ -

یہاں سے نقاشِ ثانی، معترفِ ناوانی، گردش دیدہ، بلا رسیدہ، یار و دیار سے دور رجب علی بیگ سرور، اپنی گزشتہ داستان، حیرت بیان لکھتا ہے - بارہ سو چوہتر [۱۲۷۴] ہجری، شہر شعبان میں فلک نے وہ سامان کیا - گلزار لکھنؤ پر عین بہار میں خزاں آئی، اس شعبدہ بازِ کہن نے نئی نیرنگی دکھائی - بعیر خرابی شاہجہاں آباد، یہ زمین بسی، سب طرح کی خلقت کا یہاں قیام ہوا، دور دور اس شہر کا شہرہ ہوا : نام ہوا - اس سلیقہ سے آباد ہوا - کہ دنیا کی ملک اس کے روبرو ویران تھی، سرزمینِ شام کی صبح ہو گئی اپنے شہر کی کیفیت اور فضا پر ترجیح دیتے - ساکنانِ شیراز و اصفہان تھے - ہر گلی گلزار جو کوچہ نظر پڑا پرُ بہار تھا - خزاں یار نہ پاتی تھی - بہار کا دل نثار تھا - سببِ علم و فضل کے کامل، ہر فن کے اُستاد شامل ایک جا تھے، عقل حیران تھی - وہ کون تھے کیا تھے - جو کسی کمال کا کسی طرف سے آیا - جفا دیدۂ روزگار بے برگ و بار تھا - بچشم زدن سرسبز ہو کے نہال ہو گیا - قدر شناسی ہوئی مالا مال ہو گیا - سینکڑوں شہر اس کی بدولت بستے تھے اشرفی روپیہ کے مینہ برستے تھے - جو چیز گراں بہا جس ملک میں کسی کاریگر نے بنائی - وہ بکنے کو یہیں آئی - سر دفتر کا یاں ادا تھا - اور کہاں ایسا خریدار تھا - بے فکری اس جا کی دور دور مشہور تھی - بقول مشہور لنگوٹی میں پھاگ کھیلتی تھی، فاقہ کشی میں ڈنڈ پیلتی تھی - اپنے زعم میں قیصر و فغفور تھی - ایسی چمک دمک ہوئی - کہ حد سے گزر گئی - ہر کمالے را زوالے

Marfat.com

فلک کو اُجاڑنا، اس کا نام و نشان بنا کے بگاڑنا منظور تھا۔ وگرنہ بادشاہ کے دل میں، نہ یہاں کی رعایا کی طبیعت میں فتور تھا۔ حضرت واجد علی شاہ سلطانِ عالم نے نو برس محمد شاہی کی۔ اس پہ سرکار سے سرتابی نہ کی۔ بلکہ عذر خواہی کی۔ قیصر باغ کو غیرت گلزارِ ارم بنایا تھا۔ کیا لکھوں رات دن جو لطف اٹھایا تھا۔ خدا جانے کس کمبخت کی نظر اس شہر کو کھا گئی، امیر فقیر سب پر تباہی آ گئی۔ پہلی بسم اللہ یہ ہوئی، صاحبانِ عالیشان نے اس کی خرابی کا خیال کیا۔ دیا ہوا ملک بے سبب لیا۔ وہ کلکتہ فریاد کو گئے، اپنی داد کو گئے، بیگم صاحبہ ولی عہد بہادر، جرنیل صاحب یہ قافلہ لندن روانہ ہوا، قضا کو یہاں نہ ہوا۔ پہلے جناب بیگم صاحبہ نے رحلت فرمائی۔ بعد جرنیل صاحب کو مرگ جوانی آئی مصرع

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مُرد

ہند میں فوج سرکار، قدیم نمک خوار، پیادہ اور سوار، شامتِ اعمال سے پھر گئے غربا سے اُمرا تک بلا میں گھر گئے۔ جا بجا شور و شر مچا، قتل و غارت سے فساد ہوا۔ لچوں کا کیا بگڑا، ہندوستان اس بکھیڑے میں برباد ہوا۔ پہلے دہلی اُجڑی، پھاٹک ٹوٹا، پھر لکھنو لوٹا، یہاں تک کہ بے چراغ ہوا۔ بے بہمن و دے پامالِ خزاں خانہ باغ ہوا۔ شرفا معاش سے تنگ و حیران ہوئے۔ ایسے نکلے کہ بے نشان ہوئے، ازاں جملہ فقیر وہاں کس شمار میں تھا۔ نہ خلیفۂ رعیت، نہ غلامانِ شہریار میں تھا۔ مگر غربا نوازی، شرفا پروری کی راہ سے مہاراج بہادر دام دولتہم نے یاد فرمایا۔ سر کے بل یہ بے سر و پا چلا آیا۔ ملازمت حصول و نفی سعادت حصول ہوئی، مسافر پروری کی، نام وری کی۔ الحمد للہ امیر جوہر شناس قدر دان ہاتھ آیا، زیست باقیماندہ بسر کرنے کو مکان خوب پایا۔ اگر فلک سفلہ پرور حسد شعار جل نہ جائے۔ چکر کر کے رنگ نہ لائے۔

ایک روز حسبِ اتفاق نسخہ حدائق العشاق نظر سے گزرا۔ اس کے ترجمہ کرنے کو فقیر سے ارشاد فرمایا۔ ہر چند عذر کیا۔ کہ اب تحریر کا زمانہ نہیں۔ حواس مختلف، ہوش ٹھکانا نہیں۔ نشۂ جوانی، لطفِ زندگانی گھٹ گیا، جہاں کی قصہ کہانی ہو گئی، دل ہٹ گیا قبول نہ ہوا۔ ناچار الامر فوق الادب سمجھ کے احکام بجا لایا۔ اطاعت سے سر نہ پھرایا۔

Marfat.com

خزاں کی بار یابی سے معذور ہے، نام اس کا گلزار سرور ہے۔ گو مزے اور کیفیت سے یہ نثر عاری ہے۔ فقط تحریر فرماں برداری ہے۔ ناظرین پر تمکین سے عرض پیرا ہوں، کیا میرا لکھنا اور میں کیا ہوں، صاحبِ زباں، فارسی داں کے روبرو ہندی کیا چیز ہے۔ العاقل یکفیہ الاشارہ، شرط تمیز ہے۔

۱۲۶۴ھ میں مرزا رجب علی بیگ سرور نے شمشیر خانی کا ترجمہ اردو زبان میں بنام سرورِ سلطانی کیا۔ اس کتاب میں ایران کے مشہور بادشاہوں کا حال درج ہے۔ غالباً کسی نے فردوسی کے شاہنامہ کو نثر کر دیا ہے۔ اور اس کا ترجمہ سرور نے فرما دیا ہے۔ مختصر عبارت نقل کی جاتی ہے:-

نمونہ از شمشیر خانی

راویانِ اخبار و حاکیانِ آثار متفق ہیں کہ پہلے جس نے گلزارِ بے ثبات میں روشِ سلطنت نکالی، تخت و تاج کی بنا ڈالی، عدل و داد کو رواج دیا، محصول و خراج لیا۔ وہ کیومرث تھا۔ اِلّا بود و باش کوہ و بیابان کی، اور پوشاک پوستِ حیوان، بیٹا اُس کا سیامک نام تھا۔ اُس کو عبادت کے سوا اور نہ کچھ کام تھا۔ دیو نے اُس کو مارا۔ کیومرث کو بہت قلق ہوا ہوشنگ، سیامک کا بیٹا تھا۔ اُس نے باپ کے خون کا بدلہ لیا۔ دیو کو قتل کیا تیس برس کیومرث نے سلطنت کی۔ پھر دارِ فنا سے رحلت کی یہ قولِ فردوسی ہے اس نام کی تحقیق میں کیومرث کاف فارسی اخیر تاء فوقانی اور آئمۂ اخبار نے اختلاف کیا ہے۔ امام غزالی نے اس وادی سے رم کیا ہے۔ بزرگ ترین اولادِ صلبی آدم لکھا ہے۔ بعضے کہتے ہیں۔ دیلم بن لاؤ بن سام بن نوح ہے۔ اور مصنفِ روضۃ الصفاء لکھتا ہے۔ کریادشت بن ارح کا بیٹا ہے۔ عرب اُس کو عام عجم کیومرث کہتے ہیں۔ اور علمائے مجوس آدم اسی کو جانتے ہیں۔ کلشاہ کہہ کے مانتے ہیں۔ ہزار برس کا سن اور چالیس برس سلطنت کے دن۔"

اِس کتاب میں ۱۹۶ صفحات ہیں۔ جن کو سرور نے دو مہینے میں لکھا ہے۔ کتاب کے آخر میں مشکل الفاظ کی ایک فرہنگ بھی دی ہے۔ جس کو قاموس، برہان، سراج اللغات

Marfat.com

مویدالفضلا، فرہنگ شاہنامہ اور غیاث اللغات سے مرتب کیا ہے۔ اس فرہنگ کے آٹھ صفحات ہیں۔ اور اس طرح کل کتاب ۲۰۴ صفحات پر ختم ہو گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرہنگ منشی نول کشور نے لکھوائی ہے کیونکہ منشی صاحب نے پہلی مرتبہ اس کتاب کو ۱۸۸۶ء میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

سید ظہیر الدین حسین

حکیم احسن اللہ خاں وزیرِ اعظم بادشاہ نے ایک کتاب "قصۂ ممتاز" کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ دیباچہ میں سید ظہیر الدین حسین متخلص بہ ظہیر نے لکھا ہے کہ:-

"حاصلِ کلام خلاصۂ مرام یہ کہ جناب صداقت مآب حکمت انتساب قدر افزائے اہلِ ہنر سخن شناس نکتہ پرور مخزنِ سخا معدنِ عطا احترام الدولہ عمدۃ الحکماء معتمد الملک حاذق الزماں حکیم محمد احسن اللہ خاں بہادر ثابت جنگ کہ انھوں نے بمقتضائے عنایت و براہِ عاطفت بادشاہ جمجاہ ولی نعمت حضرت ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی سے مجھ ننگِ خاندان عار دودماں کو بہ نذر مرثیہ و قصیدہ خلعتِ فاخرہ چہار پارچہ و سہ رقم جواہر جیغہ و سرپیچ و گوشوارہ بخطاب باصواب سلطان الذاکرین وزین الشعراء نام نامی حضرت سے دلوایا ناگاہ بذریعہ رقعہ فیض مرقع وقت تشریف [illegible] کرولی مجھ ہیچمداں ضعیف البیان کو خدمتِ عالی درجت میں بلا کر واسطے جمع و تبدیل الفاظ مانوس اور فقراتِ نامربوط قصۂ عجیب و فسانۂ غریب ممتاز شاہزادہ انجم سپاہ کے اس کو لسانِ فارسی سے زبان اردو میں موجب فرمان واجب الاذعان جناب حکمت مآب ممدوح کے اور بہ نظر حصول عطائے موعود کے سید ظہیر الدین حسین متخلص بہ ظہیر نے فصاحت تمام و ملاحتِ مالا کلام ترجمہ کیا ہے۔ اکثر و بیشتر سخن فہموں کو بسبب بے تمادی

Marfat.com

ہونے عبارت کے پسند نہ آیا، اور موعود معوضہ رائیگاں گیا۔ اس نظر سے فرمایا۔ چنانچہ حسب الارشاد اُن کے موافق استعداد اپنے بہزار دقت وخرابی وبس محنت واضطرابی جو کچھ میرے فہم ناقص میں آیا۔ دیباچہ براعت الاستہلال میں بسبب تصحیح حزن وملال میں لکھ کر تصرف کیا اور جا بجا بنایا۔ ہر چند وہ ترجمہ بادی النظر میں بہمہ صفت موصوف اور عیوب نقص ظاہری سے پاک وصاف تھا۔ ولیکن ہرگاہ بنظر امتحان دیکھا۔ تو محاورۂ اُردو کے برخلاف تھا۔ واضح ہو کہ اکثر مقامات میں حاجت اصلاح تھی۔ اور اس میں تصحیح کرنے والے کی فلاح تھی۔ لہٰذا مرقوم اس بے نام ونشان نے بنابر امتثالِ امر جلیل القدر مجبور غلطیوں کو دُور کیا۔ اور حتی المقدور صحتِ کاملہ سے معمور کیا۔ مصرع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

بیت

بیا ساقی بدہ نامی فرو شم　　　کہ حتی الوسع در اصلاح کوشم"

بعض صاحبان اس قصہ کی بیحد مدح وثنا کرتے ہیں۔ اس کی زبان کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کے محاورات اور قافیوں کو بہت سراہتے ہیں۔ لیکن اس ہیچداں کے نزدیک یہ قصہ شروع سے آخر تک کیا بلحاظِ زبان اور بلحاظِ خیالات اور کیا بلحاظ قوافی اس قابل نہیں ہے، جس کا مقابلہ فسانۂ عجائب سے کیا جاتا۔ تاہم بعض صاحبان کے اصرار پر اس قصہ کو دیکھا گیا اور کچھ انتخاب بھی بطور نمونہ کر دیا گیا۔ ورنہ مذاقِ سلیم کو اس کی عبارت آرائی اور قافیہ پیمائی ضرور ناگوار ہوگی۔

ہمارے پیش نظر میور پریس دہلی (باہتمام منشی بلاقی داس) کا چھپا ہوا نسخہ ہے۔ ۳۱۹ صفحات ہیں۔ تقطیع ۲۲×۲۶ ہے۔ کتاب مذکور سے حسب ذیل انتخاب بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے:۔

از صفحہ ۲۷۷:۔ غواصانِ ساحر بیان وشناورانِ عمانِ بے کراں، اس داستان کے بحر تفکر میں غوطہ زن ہو کر گوہر مقصود کو یوں کف مطلوب میں لاتے ہیں۔ سخن آبدار رشکِ درِ شاہوار صدف دہن سحرِ معدن سے نکال کر سامعین وشائقین کو اس طرح سُناتے ہیں۔ جب دمساز

Marfat.com

سراپا گداز نے حالِ پر اختلال شہزادہ ممتاز بچشمِ خود معائنہ کیا۔ آہ سوزناک دلِ صد چاک سے بھر کر سر کو ٹکرایا۔ سخت گھبرایا۔ یقین کامل ہوا۔ آج مدعاء بوقلموں حاصل ہوا۔ بلاشبہ دست و پا شہزادہ باندھ کر دریا میں پھینکا ہوگا۔ گوہرِ گرامی جان اُس شناورِ بحرِ شجاعت کا صدفِ تن سے نکل گیا ہوگا۔ ورنہ اب تک کیا تھا۔ وہ محیطِ جلاوت اس ورطۂ ہلاکت سے نکل کر برقرار ہوتا۔ کبھی کا بیڑا پار ہوتا۔ بہ رتقی کہتے ہیں

ڈوبتے سر اس لئے چلتے ہیں ایسے ڈوبے کہیں نکلتے ہیں

یہ تو اسی شش و پنج میں تھا۔ جو سامنے سے تاج الملوک نے کہا۔ کیوں دمساز! اب تو پوہ پار سے ہیں، حریف زک پر زک اٹھا رہے ہیں۔ دشمن کا قافیہ تنگ ہوا۔ رنگ بدرنگ ہوا۔ غنیم کے چھکے چھوٹ گئے۔ جگ سے جگ ٹوٹ گئے۔ داؤں کی بازی ہاتھ آئی ہے۔ بوقلموں نے آگے دے کر زد پٹوائی ہے۔ بیٹھ بیٹھ کر گیارہ دو تیرہ ملے چھ میں نو کے پاسے پھرے اب ہاتھ پاؤں بوقلموں جاؤ دگر کھولیں گے بازی پانچ تین کی بولیں گے۔ پس ان کا پیچھا چھوڑ داغنی جلدی سے چلے چلو دمساز یہ کہنے لگا خاموش جائے دم زدن نیست آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہاں بارہ دو چودہ کے گھر پہ پنجڑی اور تین کانے نظر آتے ہیں۔ تقدیر کے پاسے اپنا رنگ جماتے ہیں۔ دشمن ایڑی کھا کر نکل گیا بازی کا رنگ بدل گیا۔

امام الدین طالب

۱ امام الدین نام اور طالب تخلص تھا۔ تقویت الشعراء کے نام سے آپ نے ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء میں ایک کتاب تحریر فرمائی تھی۔ یہ علم عروض کے متعلق ہے۔ سلطان المطابع لکھنؤ میں ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں چھاپی گئی۔ ذیل میں کچھ عبارت بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے:۔

Marfat.com

"یعنی اس رسالے کی اوپر دو اصل اور چند فرع کے ہے۔ اصل پہلی زیچ بیان علم عروض کے کہ اس میں ایک مقدمہ اور پانچ فرع ہیں۔

مقدمہ

جان تو کہ شعر کے معنی لغت میں "گفتگو بازناں کردن" ہیں، اور اصطلاح میں اہل بلاغت کی کلام موزوں مقفی کو کہتے ہیں کہ قصداً متکلم سے سرزد ہو۔ وگرنہ اس کو شعر نہ کہیں گے۔ جیسے بعض آیتیں قرآن کی کہ موزوں ہیں۔"

شیخ احمد علی

آپ گوپامئو کے رہنے والے ہیں۔ حملاتِ حیدری (تواریخ گزیدہ یعنی جنگ نامہ نواب حیدر علی والئے میسور) کا ترجمہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۶ء آپ سے یادگار ہے۔ ذیل میں ایک مختصر عبارت نقل کی جاتی ہے:-

فوج کشی کرنا جنرل ہارس کا سر بہ نگپٹن پر بموجب حکم لارڈ مارنگٹن بہادر اور مشورے ابوالقاسم خاں شوستری اور مشیرالملک بہادر دیوان حیدر آباد کے، لڑائیاں واقع ہونی سلطان اور اس سپہ سالار کے درمیان مسخر ہو جانا دارالسلطنت کے قلعہ کا، شہید ہونا سلطان حیدر علی کا جو سنہ ۱۲۱۳ھ میں واقع ہوا۔

ان دنوں سلطانِ عالی مقام نے (جو ملکی کاموں کو بے صلاح و مشورہ انجام کیا کرتا اور اس باب میں خیر خواہوں کا کہنا سننا اس کی جناب میں مقبول نہیں ہوتا تھا، دو سفیر تحفے ہدیوں سمیت ایک کو زماں شاہ کے پاس مع خطِ محبت نمط بھیج کر آئین دوستی تازہ کیا، اور دوسرے کو سلطانِ روم کے حضور میں روانہ کیا۔ اس عرصہ میں موریس بندر سے کئی فرانسیسی جن کا موشیر یوسی سرغنہ تھا۔ حضور میں آن پہنچے، چونکہ انگریز اور فرانسیسی کے درمیان سات برس سے ان کی ولایتوں میں جنگ و حرب کا ہنگامہ برپا ہو رہا تھا اس

Marfat.com

لئے یہاں اُن فرانسیسیوں کے وارد ہونے سے انگریزوں کے دل میں دھڑکا پیدا ہوا چنانچہ اُن لوگوں نے ڈرکر سلطنتِ خداداد کی بیخ کنی کے لئے تدبیریں کیں، اور فرانسیس کو اپنی چڑھائی کرنے کا بہانہ ٹھہرایا، مشیر الملک اور میر عالم کی صلاح سے شرح وار یہ روداد لارڈ مارنگٹن بہادر کے پاس جو کلکتے میں تھا لکھ بھیجا، لارڈ ممدوح تو ایسی فرصت کے وقت کا طالب ہی تھا۔ جھٹ پٹ گورے کی چار پلٹنیں ہمراہ لے شعبان کے مہینے میں مدراس میں داخل ہوا۔ اور یہاں سے اُس نے فوجیں اکٹھی کر جرنیل ہارس کے ساتھ سری رنگپٹن کو مسخر کرنے کے قصد پر آگے روانہ کردیں، اُدھر حیدرآباد کے کرنیل راپٹ اور کرنیل ڈالسن بھی چار پلٹن سمیت آکر جرنیل مذکور سے ملحق ہوگئے۔ اور میر عالم آٹھ ہزار سوار ساتھ لے اور روشن رائے مع چھ پلٹن انگریزی کی فوج میں آملے۔ اب لارڈ موصوف نے اتمام حجت کے لئے حضور میں سلطان کے پے در پے کئی مکتوب اس مضمون کے بھیجے کہ اتفاق اور دوستی کے آئین میں عہد شکنی پر کمر باندھنی جائز نہیں مقتضائے محبت خلوص کا تو یہ ہے۔ کہ پہلے تو اُن کئی فرانسیس تازہ واردوں کو اس مخلص کے حوالے فرمائے اور دوسرا التماس یہ ہے۔ کہ انگریز بہادر کی طرف کا وکیل بارگاہ سلطان میں حاضر رہا کرے۔ اور تیسرا یہ کہ کوڑیال بندر، منگلور، نفادر وغیرہ قلعے جو جہازوں کے آنے جانے کی جگہ ہیں۔ سرکار انگریز بہادر کو چھوڑ دیجئے۔ (ماخوذ از تاریخ نثر اردو)

یوسف خاں

آپ کا نام یوسف خاں، اور عرف کمبل پوش ہے حیدرآباد دکن کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے تاریخ یوسفی تحریر فرمائی ہے۔ یہ کتاب آپ کا سفرنامۂ انگلستان ہے مطبع العلوم دہلی میں چھپا ہے۔ سنہ طباعت ۱۸۴۷ء ہے۔ اور ۲۹۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ عبارت ذیل بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے جس میں مؤلف کا حال درج ہے۔

Marfat.com

آغاز حال مؤلف

"یہ فقیر بیچ سنہ اٹھارہ سو اٹھائیس عیسوی مطابق ۱۲۴۴ھ کے حیدرآباد وطن خاص اپنے کو چھوڑ کر عظیم آباد، ڈھاکا، مچھلی بندر، مندراج، گورکھپور، نیپال، اکبرآباد، شاہجہان آباد وغیرہ دیکھتا ہوا بیت السلطنت لکھنؤ میں پہنچا، یہاں بہ مددگاری نصیبی اور یاوری کپتان ممتاز خاں ہنکنس صاحب بہادر کے، ملازمت نصیر الدین حیدر بادشاہ سے عزت پانے والا ہوا، شاہ سلیمان جاہ نے ایسی عنایت اور خاوندی میرے حال پراختلال پر مبذول فرمائی کہ نہیں تاب بیان اور یارائے گویائی۔ رسالۂ خاص سلیمانی میں عہدہ جمعہ داری کا دیا، بعد چند روز کے صوبہ داری اسی رسالے کی دے کر مرتبہ بڑھایا۔ بندہ چین سے زندگی بسر کرتا۔ اور شکرانۂ منعم حقیقی کا بجالاتا، ناگہاں شوق تحصیل علم انگریزی کا دامن گیر حال ہوا، بہت محنت کر کے تھوڑے دنوں میں اسے حاصل کیا۔ بعد اس کے بیشتر کتابوں تواریخ کی سیر کرتا۔ دیکھنے حال شہروں اور اوضاع و رسم ملکوں سے محظوظ ہوتا۔ اکبارگی سنہ اٹھارہ سو چھتیس عیسوی میں دل پر غلبہ گار سیاحی جہاں خصوص ملک انگلستان کا ہوا۔ شاہ سلیمان جاہ سے اظہار کر کے رخصت دو برس کی مانگی۔ شاہ گردوں بارگاہ نے بصد عنایت و انعام اجازت دی، عاجز تسلیمات بجالایا، اور راہی منزل مقصود کا ہوا، تھوڑے دنوں بعد دارالامارہ کلکتے میں پہنچا، پانچ چھ مہینے وہاں کی سیر کرتا رہا۔ بعد ازاں جمعرات کے دن تیسویں تاریخ مارچ کے مہینے ۱۸۳۷ء اٹھارہ سو سینتیس عیسوی میں جہاز پر سوار ہو کر بیت السلطنت انگلستان کو چلا۔ نام جہاز کا "ازابیلا"، کپتان اس کا ڈبیڈ بین صاحب اچ ای بی بی کے تھا۔ جہاز دن میں بچہ ٹسوٹش کا کنارے گنگا پر لگا تھا۔ یہاں سے دریائے شور پہنچنے تک اس کی اعانت کو دخانی کا جہاز مقرر ہوا۔ تھوڑے دنوں میں اپنے زور سے ہمارے جہاز ازابیلا کو گنگا سے کھینچ کر سمندر میں لے گیا۔ وہاں سے جہاز چل نکلا۔"

اس عبارت کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معمولی پڑھے لکھے لوگ عالم و فاضل اصحاب

Marfat.com

سے بہتر اُردو لکھتے تھے کیونکہ اُن کے دِل میں یہ خیال موجزن رہتا تھا کہ عبارت صاف اور شستہ ہو علمیت کے اظہار پر اُس کی سادگی کو قربان نہ کرتے تھے۔ بے شک پرانی ترکیبیں جا بجا موجود ہیں یہ امر ناگزیر تھا۔ ہم اس سفرنامہ کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اگر دوبارہ چھپ جائے۔ تو کیا ہی اچھا ہو۔

سید احمد

آپ کا نام سید احمد ہے۔ اور سید درویش کے فرزند ارجمند ہیں۔ کرناٹک (جنوبی ہند) کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے مطلع القمرین فی احکام العیدین لکھی۔ اِس کتاب کے اِملا کے متعلق مؤلف تاریخ نثر اُردو کا بیان ہے۔ کہ املائے اُردو کی خصوصیات جن کو کرنل ہالرائڈ کی تحریک سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اِس میں موجود ہیں۔ مثلاً یائے معروف و مجہول اور دو چشمی ھ یا کھلی ہوئی (ہ) ہائے ہوز کی کتابت کا خاص التزام ہے۔ یا اُردو تلفظ کا لحاظ کرتے ہوئے چھاپہ خانہ کو چھاپے خانہ اور بارہ کو بارا لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۱۲۴ صفحات پر ختم ہوئی ہے اور مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی رئیس حبیب گنج ضلع علی گڑھ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ عبارتِ ذیل بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے:

عبارت سرورق

یہ ہندی (اُردو) رسالہ مطلع القمرین فی احکام العیدین نام، بنایا ہوا سید احمد ابن سید درویش ابن سید نور اللہ ابن سید علی محمد قادری حنفی کا، جو شامل ہے جزئیات و کلیات پر، مسائل عیدین کے۔ اس ہندوستان میں ایسی تفصیل و تحقیق سے ہندی (اُردو) زبان میں کوئی اور رسالہ دیکھنے میں نہیں آیا، سو، رجب کی ننانبیسویں بارہ سے بیسویں ہجری میں کشن راج کے چھاپے خانے میں چھاپے کیا، جتیں اس کی دو ہزار جلد تعداد

Marfat.com

ہیں۔ چھپوائے مولوی احمد حسین صاحب، فرزند مفتی امیر اللہ صاحب مرحوم و مغفور کے ہیں۔

دیباچہ بعد حمد و نعت

اما بعد سید احمد ابن سید درویش . . . . . قادری مشرباً حنفی مذہباً کہتا ہے کہ ان دنوں جو بارہ سے چوسٹھواں سال ہے ہجرت سے، ایک سید نامدار، نیک سیرت بردبار، دُردِ دریائے فرزانگی، گُلِ سرسبدِ گلشن دانائی نہنگِ دریائے دلاوری، شیرِ بیشۂ بہادری، رستم دل، شیر افگن، شریکِ دوستاں و رنجِ دشمن، سید محمود سلمہ اللہ الودود پڑے مبالغے سے استعمال کئے۔ کہ ایک رسالہ عیدین کے احکام میں کرناٹکی روزمرے میں نفعِ عام کے واسطے بنایا چاہیے، تا عوام مرداں اور عورتاں کو نمازِ عیدین کے مسائل اور قربانی کے احکام سہل میں معلوم ہو جاویں، اور ثواب اس کا آپ کو ملے۔ ہرچند اس عاصی نے قلتِ استعداد، و فقدانِ فرصت کا عذر کیا۔ پر اُس نے نہ مانا۔ ناچار اُس کے بنانے میں شروع کیا۔"

مرزا اسد اللہ خاں غالب

مرزا اسد اللہ خاں نام اور اسد و غالب دو تخلص تھے۔ عرف مرزا نوشہ اور خطاب نظام جنگ، نجم الدولہ دبیر الملک تھا۔ آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ کو شہر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ اِن کے آبا و اجداد قوم ایبک کے ترک تھے۔ سلسلۂ نسب تورا ابن فریدوں تک پہنچتا ہے۔ اِن کے خاندان میں تلوار کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اِن کے بزرگوں میں سے ترسم خاں نام ایک امیر زادے نے سمرقند میں بود و باش اختیار کرلی تھی۔ مرزا کے دادا جو شاہ عالم کے زمانے میں سمرقند سے ہندوستان میں آئے۔

Marfat.com

وہ اسی ترسم خاں کی اولاد میں تھے۔

مرزا کے دادا کی زبان بالکل ترکی تھی اور ہندوستان کی زبان بہت کم سمجھتے تھے۔ اُن کو سلطنت کی حیثیت کے مطابق ایک عمدہ منصب اور پہاسو کا سیر حاصل پرگنہ ذات اور رسالے کی تنخواہ میں دیا گیا۔ اُن کے کئی بیٹے تھے جن میں سے دو[1] کے نام معلوم ہیں۔ ایک مرزا کے باپ عبداللہ بیگ خاں عرف میرزا دولہا اور دوسرے نصر اللہ بیگ خاں۔ عبداللہ بیگ خاں کی شادی خواجہ غلام حسین خاں کمیدان کی بیٹی سے ہوئی تھی جو سرکار[2] میرٹھ کے ایک معزز افسر اور عمائد شہر آگرہ میں سے تھے۔ مرزا عبداللہ بیگ خاں نے بطور داماد اپنی تمام عمر سسرال میں بسر کی اور اُن کی اولاد نے بھی وہیں پرورش پائی۔ مرزا عبداللہ بیگ کے دو بیٹے ہوئے۔ ایک مرزا اسداللہ خاں اور دوسرے مرزا یوسف خاں جو ایام شباب میں مجنوں ہو گئے تھے۔ اور اسی حالت میں ۱۸۵۷ء میں انتقال کیا۔ خود میرزا نے ایک موقع پر جبکہ بھائی نے بیماری سے شفا پائی ہے۔ یہ مقطع کہا ہے۔

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالبؔ یوسفِ ثانی مجھے

مرزا کے والد اول لکھنؤ میں جا کر نواب آصف الدولہ کے ہاں نوکر ہوئے۔ اور چند روز بعد وہاں سے حیدرآباد پہنچے اور سرکار آصفی میں تین سو سوار کی جمعیت سے کئی برس تک ملازم رہے۔ مگر وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی اور وہ واپس آگرے میں چلے آئے۔ پھر الور میں ملازمت کی غرض سے گئے۔ اور وہاں ایک گڑھی کا زمیندار راج سے پھر گیا تھا۔ جو فوج اس کی سرکوبی کے لئے گئی۔ اس کے ساتھ مرزا عبداللہ بیگ خاں کو بھی بھیجا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اُن کے گولی لگی اور وہیں اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور راج گڑھ میں دفن ہے۔

---

[1]: خواجہ بدرالدین کے حالات میں ہم نے چار بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا حالی کو دو بیٹوں کا حال معلوم ہو سکا۔ تنہا

[2]: سرکار ملک کے اس حصے کو کہتے تھے۔ جو صوبہ کی نسبت چھوٹا اور پرگنہ و محال وغیرہ سے بہت بڑا ہوتا تھا۔ تنہا

Marfat.com

چنانچہ مرزا ایک قصیدہ میں کہتے ہیں:-

کافی بود مشاہدہ شاہد ضرور نیست
در خاکِ راج گڑھ پدرم را بود مزار

مرزا غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں سرکاری فوج میں (لارڈ لیک کے لشکر میں) بعہدۂ رسالداری ملازم ہوئے، اُن کی ذات اور رسالے کی تنخواہ میں دو پرگنے یعنی سونک اور سونسا جو نواحِ آگرہ میں واقع ہیں، سرکار سے اُن کے نام پر مقرر ہو گئے جب تک وہ زندہ رہے۔ دونوں پرگنے اُن کے نام زد رہے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے وارثوں اور متعلقوں کی پنشنیں سرکار انگریزی نے فیروز پور جھرکہ کی ریاست سے مقرر کرا دیں جس میں سے سات سو روپیہ سالانہ مرزا کو آخر اپریل ۱۸۵۷ء تک برابر ملتا رہا تین برس تک قلعے کے تعلقات کے سبب یہ پنشن بند رہی۔ لیکن پنشن پھر جاری ہو گئی۔ اور تین برس کی واصلات بھی سرکار انگریزی نے عنایت کی

تعلیم

مرزا غالب مع اپنے چھوٹے بھائی کے سنِ شعور تک آگرے ہی میں رہے۔ اگرچہ سات برس کی عمر سے وہ دِلّی میں آنے جانے لگے تھے۔ لیکن شادی کے بعد تک اُن کی مستقل سکونت آگرے ہی میں رہی اور شیخ معظم جو اُس زمانہ میں آگرہ کے نامی معلموں میں سے تھے۔ اُن سے تعلیم پاتے رہے۔ اُس کے بعد ایک شخص پارسی نژاد جس کا نام آتش پرستی کے زمانہ میں ہرمزد تھا۔ اور مسلمان ہونے کے بعد عبد الصمد رکھا گیا۔ غالباً آگرہ میں سیاحانہ وارد ہوا۔ اور دو برس تک مرزا کے پاس اوّل آگرے میں اور پھر دِلّی میں مقیم رہا مرزا نے اُس سے فارسی زبان میں کسی قدر بصیرت پیدا کی، مرزا نے جا بجا اُس کے تلمّذ پر اپنی تحریروں میں فخر کیا ہے اور اُس کو بلفظ تیمار جو پارسیوں کے یہاں نہایت تعظیم کا لفظ ہے یاد کیا ہے لیکن دو برس کی قلیل مدت اور مرزا کی عمر جو صرف چودہ برس کی تھی۔ پیشِ نظر رکھی جائے تو عبد الصمد اور اُس کی تعلیم کا عدم و وجود برابر ہو جاتا ہے۔ اس لئے مرزا کا یہ کہنا کچھ غلط نہیں۔ کہ مجھ کو مبدأ فیاض کے سوا کسی سے تلمّذ نہیں ہے

آنچہ در مبدأ فیاض بود آنِ من است
گل جدا نا شدہ از شاخ بدامانِ من است

Marfat.com

تاہل مرزا کے چچا کا رشتہ نواب فخر الدولہ کے خاندان میں ہو چکا تھا۔ اور اس لئے اُن کے خاندان سے ایک نوع کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ مرزا کی شادی نواب فخر الدولہ کے چھوٹے بھائی مرزا الٰہی بخش خاں معروف کے ہاں قرار پائی۔ تیرہ برس کی عمر میں، رجب ۱۲۲۵ھ کو اُن کا عقد ہو گیا۔ اس تقریب سے ان کی آمد و رفت دلّی میں زیادہ ہو گئی۔ اور آخر کار یہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور اخیر عمر تک دلّی ہی میں رہے۔

دلی و آگرہ شیراز و صفاہانِ من است

مرزا کے نانا کی آگرے میں ایک خاص سرکار تھی۔ جس کی بدولت اُن کے ملازم اور متوسلین دس دس بارہ بارہ ہزار کے مالگزار بن گئے تھے اور مرزا کا بچپن اور عنفوانِ شباب بڑے اللّے تلّوں میں بسر ہوا تھا۔ خود لکھتے ہیں۔ "اُس کٹڑے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا۔ اور راجہ بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے۔"

عنفوانِ شباب میں وہ شہر کے نہایت حسین و خوش رو لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے اور بڑھاپے میں بھی صباحت اور خوبصورتی کے آثار اُن کے چہرے اور قد و قامت اور ڈیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ مگر اخیر عمر میں وہ نحیف و زار و نزار ہو گئے تھے۔

مسکن دلّی میں وہ قریب پچاس برس کے رہے۔ لیکن اپنے لئے نہ کوئی مکان خریدا اور نہ بنایا۔ جب ایک مکان سے جی اُکتایا، اُسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا۔ مگر قاسم جان کی گلی یا حبش خاں کے پھاٹک یا اُس کے قریب و جوار کے سوا کسی اور محلے میں جا کر نہیں رہے۔

مطالعۂ کتب جس طرح مرزا نے تمام عمر رہنے کے لئے مکان نہیں خریدا۔ اسی طرح مطالعے کے لئے بھی، باوجودیکہ ساری عمر تصنیف کے شغل میں گزری، کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ الا ماشاء اللہ۔ کتاب فروشوں کی دکان سے کرایہ پر کتابیں منگا لیا کرتے تھے۔ اور مطالعہ کے بعد واپس کر دیتے تھے۔

سفرِ کلکتہ اپنی پنشن کے سلسلے میں وہ ایک مرتبہ کلکتہ گئے۔ اور اسی آمد و رفت

Marfat.com

میں چند ماہ لکھنؤ اور بنارس میں بھی ٹھہرے۔ دو برس تک کلکتہ میں قیام رہا۔ لیکن نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ وہاں کچھ لوگوں نے مرزا کے کلام پر اعتراض کئے۔ اور مرزا نے ایک مثنوی موسوم بہ بادِ مخالف تھی جس میں اپنی غریب الوطنی کا ذکر اور اہلِ کلکتہ کی نامہربانی کی شکایت اور اُن کے اعتراضات اور اپنے جواب نہایت عمدگی اور صفائی اور دردانگیز طریقے سے بیان کئے ہیں۔

انگریزوں نے دہلی کالج میں ۱۸۴۲ء میں مرزا کو فارسی مدرس مقرر کرنا چاہا تھا لیکن چونکہ اُن کی آؤ بھگت نہیں کی گئی جیسی کہ اُن کو توقع تھی۔ مرزا نے اس ملازمت سے انکار کر دیا۔ ایک مرتبہ چوسر کی بدولت ۱۲۶۴ھ میں مرزا کو کوتوال کی دشمنی کے باعث قیدخانہ میں جانا پڑا۔ لیکن آدھی میعاد گزرنے کے بعد وہ خود مجسٹریٹ ہی کی رپورٹ پر رہا کئے گئے۔

مرزا بدیہہ گو بھی تھے۔ اُن کے دیوان میں مکینی ڈلی کی تعریف میں جو نظم ہے وہ انہوں نے کلکتہ میں فی البدیہہ کہی تھی۔ مرزا صاحب کے اولاد کچھ نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے پے در پے ہوئے مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔

ایامِ غدر میں انہوں نے بہت صعوبتیں برداشت کیں۔ اگرچہ اُن کا مکان فوج کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رہا۔ اور طرح طرح کی کلفتیں انہیں اُٹھانی پڑیں۔ غدر کے دو برس بعد تک مرزا نہایت تنگ حال رہے۔ مگر دو برس بعد نواب یوسف علی خاں رئیس رامپور نے سو روپیہ ماہوار ہمیشہ کے لئے مرزا کے واسطے مقرر کر دیا۔ جو نواب کلب علی خاں نے بھی بدستور قائم رکھا۔

مرزا کی تصنیفات زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں۔ مثلاً مہرِ نیمروز، حالاتِ غدر و کتاب دستنبو، برہانِ قاطع، درفشِ کاویانی، کلیاتِ غالب وغیرہ۔ مرزا کو علمِ نجوم سے کسی قدر اور اس کی اصطلاحات سے پوری واقفیت تھی۔ علمِ تصوف سے بھی لگاؤ تھا۔ مرزا کا خطِ نستعلیق شفیعا آمیز نہایت شیریں اور دلآویز تھا۔ شعر پڑھنے کا انداز بھی خاصکر مشاعروں میں حد سے زیادہ دلکش اور مؤثر تھا۔

Marfat.com

مرزا نہایت خلیق تھے ہر شخص سے جو اُن سے ملنے جاتا تھا، بہت کشادہ پیشانی سے ملتے تھے۔ دوستوں کو دیکھ کر وہ باغ باغ ہو جاتے تھے۔ اُن کے دوست ہر ملت اور ہر مذہب کے نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے۔ مروت اور لحاظ بھی مرزا کی طبیعت میں بیحد تھا۔ فراخ حوصلگی بھی حد سے زیادہ تھی۔ حافظہ بھی نہایت قوی تھا۔ شعر فہمی میں تو وہ ایک مستثنیٰ آدمی تھے۔ ظرافت مزاج میں بیحد تھی۔ ان کے لطیفے آج تک مشہور ہیں۔ اُن کو مدت سے سونے وقت کسی قدر پینے کی بھی عادت تھی لیکن گلاب ملا کر پیتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

آسودہ باد خاطرِ غالب کہ خوئے اوست
آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را

مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے تمام عبادات اور فرائض و واجبات میں سے صرف دو چیزیں لے لی ہیں۔ ایک توحید وجودی اور دوسرے نبی اور اہلِ بیت نبوی کی محبت اور اسی کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔

اگرچہ مرزا کا اصل مذہب صلحِ کل تھا ؎

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

تاہم وہ تفضیلیہ تھے، شیعہ نہ تھے یعنی جناب امیر کو وہ رسولِ خدا کے بعد تمام اُمت سے افضل جانتے تھے۔ ورنہ جنازے کی نماز نواب ضیاء الدین احمد خاں، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ اور حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم کیوں طریقۂ اہلِ سنت پر ادا کرتے اور سید صفدر سلطان نبیرۂ بخشی محمود خاں کی استدعا پر کیوں نہ اُن کی تجہیز و تکفین شیعوں کے موافق ہونے دیتے۔ ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۹ء میں وفات پائی۔

مرزا کی اردو نثر میں زیادہ تر خطوط و رقعات ہیں چند تقریظیں اور دیباچے ہیں۔ اور تین مختصر رسالے ہیں۔ لطائف غیبی، تیغ تیز اور نامۂ غالب۔ اس کے سوا چند اجزا ایک ناتمام قصے کے بھی ہیں۔ جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے لکھنا شروع کیا تھا۔ ان کے

Marfat.com

خطوطِ اُردوئے معلّیٰ اور عودِ ہندی میں چھپ چکے ہیں۔ حال میں مکاتیبِ غالب کے نام سے ایک مجموعۂ خطوط جو ریاست رامپور میں دستیاب ہو گیا شائع ہوا ہے۔

ہم یہاں مولانا حالی کی رائے مرزا غالب کی نثرِ اُردو کے متعلق یادگارِ غالب سے نقل کرتے ہیں :-

"مرزا کی اُردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔ نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط و کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا، اور نہ اُن کے بعد کسی سے اُس کی پوری تقلید ہو سکی۔ انہوں نے القاب و آداب کا پُرانا اور فرسودہ طریقہ اور بہت سی باتیں جن کو مترسلین نے لوازمِ نامہ نگاری میں سے قرار دے رکھا تھا۔ مگر درحقیقت فضول اور دُور از کار تھیں سب اُڑا دیں۔ وہ خط کو کبھی "میاں" کبھی "بھائی صاحب" کبھی "مہاراج" کبھی کسی اور مناسب لفظ سے آغاز کرتے ہیں، اُس کے بعد مطلب لکھتے ہیں۔ اور اکثر بغیر اس قسم کے الفاظ کے سرے ہی سے مدعا لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔

ادائے مطلب کا طریقہ بالکل ایسا ہے۔ جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں . . . . بعض جگہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے اُس کو غائب فرض کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ مرزا کے اندازِ بیان سے واقف نہیں۔ وہ اُس کو مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں . . . . مرزا ایسے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے۔ اور نہ اُن کے نام کی علامت لکھتے ہیں۔ مگر سوال جواب کے ضمن میں ایک ایسا لفظ لے آتے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سوال کیا ہے؟ اور جواب کیا؟ شاید قصّے یا ناول میں یہ بات نہ چل سکے۔ مگر خطوط میں تو مرزا نے یہ راہ بالکل صاف کر دی ہے۔

مرزا کی طرزِ تحریر کی جو خصوصیتیں اوپر مذکور ہوئیں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اور لوگ اُس کی پیروی نہ کر سکیں۔ مگر وہ چیز جس نے اُن کے مکاتبات کو ناول اور ڈرامے سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے۔ وہ شوخیِ تحریر ہے۔ جو اکتساب یا مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خط کتابت میں مرزا

Marfat.com

کی روش پر چلنے کا ارادہ کیا ہے، اور اپنے مکاتبات کی بنیاد بذلہ سنجی و ظرافت پر رکھنی چاہی ہے۔ مگر اُن کی اور مرزا کی تحریریں، وہی فرق پایا جاتا ہے۔ جو اصل اور نقل یا روپ اور بہروپ میں ہوتا ہے۔ مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے ستار کے تاروں میں سُر بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور قوتِ متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلاق ہے۔ اُس کو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی۔ جو قوتِ پرواز کو طائر کے ساتھ

اگرچہ مرزا کے بعد نثرِ اردو میں بے انتہا وسعت اور ترقی ہوئی ہے، علمی، اخلاقی، پولیٹیکل سوشل اور مذہبی مضامین کے لوگوں نے دریا بہادئے ہیں، بائیوگرافی اور ناول میں بھی متعدد کتابیں نہایت ممتاز لکھی گئی ہیں۔ باوجود اس کے مرزا کی تحریر خط کتابت کے محدود دائرے میں بلحاظ دلچسپی اور لطفِ بیان کے اب بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے۔ کہ مکتوب الیہ اُس کو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رُتبے کا مکتوب الیہ ہوتا تھا۔ اُس کی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیاں کرتے تھے۔ مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے، اُس میں اُن کی لڑکی کو جو بچپن میں مرزا کے سامنے آتی تھی۔ اور اب جوان ہوگئی ہے، بعد دعا کے لکھتے ہیں "کیوں بھئی اب ہم اگر کول آئے بھی تو تم کو کیونکر دیکھیں گے؟ کیا تمہارے ملک میں بھتیجیاں چچا سے پردہ کرتی ہیں؟" یا مثلاً نواب امیر الدین احمد خاں کو جو اب رئیس لوہارو ہیں۔ ان کے بچپن کے زمانے میں اُن کے رقعے کا جواب جس میں مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا۔ اس طرح لکھتے ہیں "اے مردمِ چشمِ جہاں بینِ غالب! پہلے القاب کے معنی سمجھ لو، یعنی چشمِ جہاں بینِ غالب کی پتلی۔ چشمِ جہاں بیں تمہارا باپ مرزا علاؤ الدین احمد خاں بہادر اور پُتلی تم۔ میاں تمہارے دادا تو نواب امین الدین خاں بہادر ہیں۔ میں تو صرف تمہارا دلدادہ ہوں"

مرزا نے بعض اردو خطوں میں اور خاصکر اردو تقریظوں میں مسجع عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانہ میں ایسا التزام تکلفاتِ باردہ میں شمار کیا جاتا ہے، خصوصاً

Marfat.com

اردو جو بمقابلہ عربی یا سنسکرت وغیرہ کے ایک نہایت محدود زبان ہے۔ وہ اس قسم کے تصنع اور ساختگی کی متحمل نہیں معلوم ہوتی، مگر مرزا نے جس قسم کی مسجع عبارت اردو خطوں یا تقریظوں وغیرہ میں لکھی ہے اُس پر یہ گرفت مشکل سے ہو سکتی ہے . . . .

مسجع نثروں میں عموماً یہ عیب ہوتا ہے۔ کہ دوسرے فقرے میں جو پہلے فقرے کی رعایت سے خواہ نخواہ قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ تو اُس میں تصنع اور آورد کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور اس لئے پہلے فقرے کے مقابلہ میں دوسرا فقرہ بسبب لزوم مالا یلزم کے کم وزن ہو جاتا ہے۔ مگر مرزا کی مسجع نثر میں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے فقرے میں تقریباً ویسی ہی بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ جیسی پہلے فقرے میں اور یہ بات اُسی شخص سے بن پڑتی ہے۔ جو باوجود خوش سلیقگی اور لطف طبیعت کے شاعری میں غایت درجے کا کمال رکھتا ہو۔ اور وزن و قافیہ کی جانچ اور تول میں ایک عمر بسر کر چکا ہو۔ یہاں اس کی مثالیں لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ مرزا کے اردو رقعات میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ مگر یہ معلوم رہے۔ کہ مقفی عبارت مرزا خاصکر اُن خطوں میں لکھتے تھے۔ جن سے ہنسی، ظرافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا۔ ورنہ واقعات کا بیان یا مصائب کا ذکر یا تعزیت یا ہمدردی کا اظہار ہمیشہ سیدھی سادی نثر میں کرتے تھے

مرزا نے چند تقریظیں اور دیباچے بھی اردو زبان میں لکھے ہیں۔ اور ان سب میں مسجع و مقفی عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے، جو بے تکلفی اور صفائی مرزا کے اردو خطوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ ان تقریظوں اور دیباچوں میں نہیں ہے۔ خصوصاً مسجع کی رعایت نے اُن میں آورد اور تصنع کا رنگ زیادہ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن مرزا کو اُس میں معذور سمجھنا چاہئے۔ جو لوگ تقریظوں اور دیباچوں کی فرمائش کرتے تھے۔ وہ بغیر ان تکلفات بارد کے ہرگز خوش ہونے والے نہ تھے۔ جو طریقہ اس زمانہ میں ریویو لکھنے کا نکلا ہے۔ اُس کو اب بھی بہت کم لوگ پسند کرتے ہیں، اور مرزا کے وقت میں تو اُس کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

یادگارِ غالب میں سے بعض نثریں مرزا کی روشِ خاص میں نہایت ممتاز ہیں۔ خصوصاً

Marfat.com

وہ دیباچہ جو انہوں نے منشی میر لال صاحب کی کتاب سراج المعرفت پر لکھا ہے۔ اُس میں جس خوبی اور متانت سے تصوف کے اعلیٰ خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اُس کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اُردو زبان میں تصوف کے اعلیٰ خیالات نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد ایسی عمدہ نثر میں کسی نے لکھے۔"

مرزا غالب کی نثر بار بار پڑھنے کے قابل ہے جس قدر اس پر غور کیا جائیگا۔ اس کے اسرار و غوامض آنکھوں کے سامنے آتے رہیں گے۔ یہ دریائے بیکراں دُرہائے معانی سے پُر ہے۔ غوطہ زنی سے دُرِ شاہوار ہاتھ آتے ہیں۔ لبِ ساحل کھڑے ہونے سے کچھ نہیں ملتا۔ نہیں معلوم خاکسار نے کیسی طبیعت پائی ہے۔ کہ مرزا غالب کا ایک ایک لفظ دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ بار بار اعادہ کرتا ہوں۔ اور لطف اندوز ہوتا ہوں میری یہی مثل ہے۔ کہ

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار　　گلچینِ بہارِ توز داماں گلہ دارد

اب ہم دیباچۂ مذکور کا اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

دیباچہ سراج المعرفت

"حق یوں ہے۔ کہ حقیقت از روئے مثال ایک نامۂ درہم پیچیدہ سربستہ ہے۔ کہ جس کے عنوان پر لکھا ہے" لا موثر فی الوجود الا اللہ"۔ اور خط میں مندرج ہے" لا موجود الا اللہ اور اس خط کا لانے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آور اور نام آور ہے۔ کہ جس پہ رسالت ختم ہوئی ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے۔ کہ مراتب توحید چار ہیں، آثاری افعالی صفاتی، ذاتی، انبیائے پیشین صلوات اللہ نبینا و علیہم اعلان مدارج سہ گانہ پر مامور تھے خاتم الانبیا کو حکم ہوا۔ کہ حجاب تعینات اعتباری اُٹھا دیں، اور حقیقت بے رنگی ذات کو صورت الآن کما کان میں دکھا دیں، اب گنجینۂ معرفت خواص امت محمدی کا سینہ ہے، اور کلمۂ لا الہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ زہے عامۂ مومنین کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود جو اصل مقصود ہے۔ اُن کی نظر میں نہیں مگر جب لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہیں گے۔ اُسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی خدمت گاہ پر آ رہیں گے یعنی ہماری اس کلمہ سے وہ مراد ہے۔ جو خاتم الرسل کا مقصود تھا یہی حقیقت

Marfat.com

ہے شفاعت محمدی کی، اور یہی معنی ہیں۔ رحمۃ العالمین ہونے کے، اور اسی مقام سے ناشی ہے
ندائے روح افزائے "من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ"

قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے لیکن وحدت حقیقی کا راز داں ہے۔ گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے۔ کہ جی چاہتا ہے۔ کوئی سو بار کہے اور سنو بار سنئے۔ نبی کی حقیقت ذو جہتین ہے، ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے۔ اور ایک جہت خلق کہ جس سے فیض پہنچاتا ہے

نبی را دو وجہ است دلجوئے خلق   یکے سوئے خالق یکے سوئے خلق
بداں وجہ از حق بود مستفیض   بدیں وجہ بر خلق باشد مفیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے کہ " الولایۃ افضل من النبوۃ " معنی اس کے صاف اور از روئے انصاف یہ ہیں۔ کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی الحق ہے۔ افضل ہے نبوت سے، کہ وہ وجہ الی الخلق ہے۔ نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص سے، جس طرح نبی مستفیض ہے۔ حضرت الوہیت سے اسی طرح علی مستنیر ہے انوار نبوت سے، مستنیر کی تفضیل منیر پر اور مستفیض کو ترجیح مفیض پر ہرگز معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں۔ اب وہ ولایت کہ خاصۂ نبی تھی۔ نبوت کیساتھ منقطع ہوگئی۔ مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ نبوت سے ہنوز باقی ہے۔ نقل و تحویل ہوتی چلی آتی ہے۔ اور چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا ہے۔ اور یہ سراج ابدی تا صبح ظہور قیامت روشن رہے گا، اور اب اسی کا نام ولایت اور یہی شغل طریق ہدایت ہے۔ ولایت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے۔ کہ جو از روئے کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ مشہور دجوان اعیان امت اور منظور نظر اکابر ملت ہوتی ہے۔ مگر وہ بات کہاں کہ ایک بار لا الٰہ الا اللّٰہ کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جائے اور وہ ضامن زبردست کہاں کہ قائل لا الٰہ الا اللّٰہ کو اگرچہ اس کے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو، قدمگاہ توحید پر قائم کر دے۔ یعنی رسول مقبول واجب التعظیم قائل انا احمد بلا میم علیہ التحیۃ والتسلیم اب سعادت بقدر ارادت ہے۔ اور راحت بعد جراحت سچ بھی تو ہے، آدمی کیونکر سمجھ سکے اور بطلان بدیہیات کے جواز پر اس کو کیونکر تسلی ہو، یعنی

Marfat.com

اس مجموعِ موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال اسی میں ہیں نیست و نابود محض جان لے۔ اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے۔

اے کردہ بیانِ آفرینش گفتار بسیچ | در زلفِ سخن کشودہ راہ خم و پیچ
عالم کہ تو چیزِ دیگرش میدانی | ذاتیست بسیط منبسط دیگر ہیچ

جب اولیاء اللہ نے کہ وہ اطباء روحانی ہیں، دیکھا کہ نفوسِ بشری پر وہم غالب ہے اور بسبب استیلاء وہم کے مشاہدۂ وحدت ذات سے محروم رہ جاتے ہیں، ہر چند ان کو سمجھائیں گے، راہ پر نہ آئیں گے۔ ناچار اشغال و اذکار وضع کئے تا قوت متخیلہ اس میں الجھی رہے۔ اور رفتہ رفتہ بیخودی طاری ہو جاوے۔ وحدتِ وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ ہو۔ اور ہم اس کو بجبر یا بہ تکلف ثابت کیا چاہتے ہوں۔ ع

دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست

وہم صورت گری اور پیکر تراشی کر رہا ہے۔ اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے۔ پس جب وہ وہم شغل و ذکر کی طرف مشغول ہو گیا بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری اور پیکر تراشی سے معزول ہو گیا بے خبری اور بیخودی چھا گئی۔ اور وہ کیفیت جو موحدین کو بمجرد فہم حاصل ہوتی ہے۔ اس شاغل کے نفس کو بیخودی میں آ گئی۔ ایک دریا میں جان کر کودا، ایک کو کسی نے غافل کر کے ڈھکیل دیا۔ انجام دونوں کا ایک ہے۔ وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں ہیں۔ مگر ہاں کم ہیں اور کہیں کہیں ہیں اور ایسے نفوس کہ جو کسب حالتِ بیخودی کے واسطے محتاج اشغال و اذکار رہیں بہت ہیں بلکہ بیشمار ہیں"

ذیل میں ایک خط کی نقل درج کی جاتی ہے۔ جو میر مہدی مجروح کے نام ہے شوخی تحریر اور مکالمہ کا انداز نرالا ہے۔ لکھنا صرف یہ ہے۔ کہ میرن صاحب آئے۔ اور ان سے یہ باتیں ہوئیں۔ اس بات کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ خط تو لکھا جا رہا ہے۔ میر مہدی کو اور شروع اس طرح ہوتا ہے۔

"آئیے میرن صاحب!، السلام علیکم"۔ "حضرت آداب" "کہو صاحب آج اجازت

Marfat.com

میر مہدی کو خط کا جواب لکھنے کی؟" حضور! میں کیا منع کرتا ہوں؟ مگر میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں، پھر آپ کیوں تکلیف کریں؟" "نہیں میرن صاحب اس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔ وہ خفا ہوا ہو گا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔" حضرت! وہ آپ کے فرزند ہیں، آپ سے خفا کیا ہوں گے۔" "بھائی آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے باز رکھتے ہو؟" سبحان اللہ! اے لو حضرت، آپ تو خط نہیں لکھتے، اور مجھے فرماتے ہیں۔ کہ تو باز رکھتا ہے!" "اچھا تم باز نہیں رکھتے۔ مگر یہ کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں؟ کیا عرض کروں؟ سچ تو یہ ہے۔ کہ جب آپ کا خط جاتا۔ اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور حظ اٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں۔ تو نہیں چاہتا۔ کہ آپ کا خط جاوے۔ میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ میری روانگی کے تین دن بعد آپ شوق سے لکھئے گا۔" "میاں بیٹھو، ہوش کی خبر لو، تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ میں بھولا آدمی، تمہاری باتوں میں آگیا، اور آج تک اسے خط نہیں لکھا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!"

خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان

ر سالہ اردو اپریل ۱۹۳۱ء میں خواجہ امان مرحوم کے متعلق مرزا فرحت اللہ بیگ نے (جو اب خود مرحوم ہو گئے ہیں) ایک بسیط مضمون لکھا تھا۔ میرا یہ خیال تھا۔ کہ اسی مضمون کو یہاں بجنسہٖ نقل کر دونگا۔ لیکن جس وقت لکھنے بیٹھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ فرحت صاحب بھی دلی کے بڑے بوڑھوں کی طرح "بات میں بات پھنسا کر کچھ ایسی چکر کی گفتگو کرتے ہیں۔ کہ اصل مطلب غائب ہو کر مضمون کہیں سے کہیں جا پڑتا ہے۔" لہذا یہ ارادہ ترک کیا۔ اور اس مضمون سے جو کچھ ضروری اور قابلِ ذکر سمجھا حوالۂ قلم کیا۔

آپ کا نام خواجہ بدرالدین خاں اور عرف خواجہ امان تھا۔ شعر کہتے تھے مگر کوئی تخلص

Marfat.com

نہ تھا۔ یہ اور اسد اللہ خاں غالب ہم جد ہیں یعنی تیسری ہی پشت میں دونوں کا سلسلہ مل جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ حاجی خاں تھا۔ جو نصر اللہ بیگ خاں کے بھتیجے تھے نصر اللہ بیگ خاں اپنے چھوٹے بھائی عبداللہ بیگ خاں (پدر بزرگوار حضرت مرزا غالب مرحوم) اور خواجہ حاجی خاں کے ساتھ عازم ہندوستان ہوئے۔ اور یہاں آکر رہ پڑے۔ یہ لوگ ترک تھے اور سپاہی پیشہ۔ ان کو اپنی بہادری دکھلانے اور سپہ سالاری کے کاموں کو سرانجام دینے کے لئے مواقع بھی مل گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ شاہ عالم ثانی دہلی کے بادشاہ تھے۔ اور ملک کے اطراف و جوانب میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ پہلے ان لوگوں نے نواب نجف خاں کی ملازمت اختیار کی جو سلطنت دہلی کے وزیر بھی تھے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد کسی بات پر نواب سے ان کی چشمک ہو گئی۔ اور یہ نوکری چھوڑ کر اکبر آباد چلے گئے۔ وہاں مہاراجہ سیندھیا نے ان کو اس شرط پر ملازم رکھ لیا۔ کہ سب ایک ہی جگہ رہیں گے اور ساتھ ہی لڑائی پر جائیں گے۔ نصر اللہ بیگ فوج کے کمانیر ہوئے۔ خواجہ حاجی خاں کو ایک رسالہ کی رسالداری ملی۔ اور مرزا جیون بیگ خاں ایک پلٹن کے کمیدان مقرر ہوئے۔ عبداللہ بیگ خاں کو پرگنے کا انتظام اور خاندان کی دیکھ بھال کا کام سپرد کر دیا گیا۔ جو آگرہ ہی میں رہے۔ بعد ازاں مرزا جیون بیگ خاں کے چھوٹے فرزند مرزا افضل بیگ خاں بادشاہ دہلی کی طرف سے وکیل ہو کر گورنر جنرل کے پاس کلکتہ گئے اور مقرب الدولہ معزز الملک دلاور جنگ کے خطاب سے ممتاز ہوئے اس تعلق سے مرزا جیون بیگ خاں اور خواجہ حاجی خاں اکبر آباد سے دہلی چلے آئے۔

خواجہ امان ۱۸۱۷ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔ وہیں جوان ہوئے وہیں مرے اور وہیں دفن ہوئے۔ ۱۴ شعبان ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۹ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اردو تو ان کی خاص زبان تھی۔ فارسی اور ترکی انہوں نے اپنے والدین سے سیکھی تھی۔ ان کا آنا جانا اپنے رشتہ داروں کے علاوہ حکیم مومن خاں کے ہاں زیادہ تھا۔ مرزا غالب کی صحبت میں ان کو مے نوشی کی عادت پڑی اور مومن خاں سے انہوں نے خوش پوشی اور خوش لباسی حاصل کی۔ یہ اپنے زمانہ میں دہلی کے وجیہ خوشرو لوگوں میں سمجھے جاتے تھے

Marfat.com

کسرت کا شوق تھا۔ بدن بنا ہوا تھا۔ اونچا قد اور اُس کے موافق ڈیل ڈول۔ شربتی غلافی آنکھیں اور خوبصورت پتلی ستواں ناک تھی ہاں دہانہ اور نتھنے ذرا بڑے سے تھے۔ مگر سب کے سب اعضا میں مل ملا کر کچھ ایسا تناسب پیدا ہو گیا تھا۔ کہ یہی جی چاہتا تھا۔ کہ بس ان کو دیکھے جاؤ۔ ان کی کاٹھی ایسی اچھی تھی۔ کہ مرتے دم تک نہ بینائی میں فرق آیا نہ کوئی دانت اپنی جگہ سے ہلا، نہ کمر جھکی اور نہ قویٰ میں ضعف آیا۔ طبیعت ایسی ہمہ گیر واقع ہوئی تھی۔ کہ ہر فن کو بآسانی قبول کر لیتی تھی۔ تصویر بہت اچھی بناتے تھے اور ستار بجانے میں بے نظیر تھے۔ حسن کے دلدادہ تھے۔ اور بد صورتوں کو منہ لگانا کیسا اُن کے دنیا میں رہنے کو بھی بے ضرورت سمجھتے تھے۔ مذہب کے پابند نہیں تھے۔ لیکن بزرگانِ دین سے خاص محبت تھی اور ۲۷ رمضان کو ضرور روزہ رکھتے تھے۔ اور اس روز پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے۔ شرم و لحاظ والے آدمی تھے۔ اور اپنے گناہوں پر بہت نادم تھے۔

آپ کا تعلق ریاست الور سے تھا۔ راجہ شیو دان سنگھ بہادر کے حکم سے آپ نے بوستانِ خیال کی پندرہ جلدوں کا ترجمہ جو فارسی زبان میں تھیں شروع کیا (مطبع منشی نولکشور کے تحت میں ان کتابوں کا ذکر بھی جلد دوم میں کیا گیا ہے) یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ خواجہ امان نے ترجمہ کا کام کب ہاتھ میں لیا۔ لیکن اغلب یہی ہے۔ کہ غدر سے پیشتر آپ نے اس کام کا آغاز کر دیا تھا۔ مترجم نے دو باتوں کا خاص خیال رکھا ہے۔ ایک یہ کہ محاورہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ دوسرے یہ کہ عبارت فارسی بے کم و کاست ترجمہ میں آ جائے۔ منشی نول کشور نے خواجہ امان کے انتقال کے بعد بوستانِ خیال کی جلدوں کا حق ترجمہ خریدنا چاہا۔ لیکن اُن کے ورثا نے انکار کر دیا۔ منشی صاحب نے دوسرے اصحاب سے اِن جلدوں کا ترجمہ کرایا۔ وہ خواجہ امان کے ترجمہ کے مقابلہ میں متذکرہ بالا امور کے لحاظ سے قابلِ اعتنا نہیں ہے۔

بوستانِ خیال کی پہلی جلد کا ترجمہ (جس کے فارسی میں دو حصے تھے) ۱۲۷۵ھ ۱۸۶۶ء میں پہلی مرتبہ اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوا۔ دوسری جلد مطبع بدر الدجیٰ دہلی سے نکلی

Marfat.com

اور ۱۸۷۶ء تک پانچ جلدیں شائع ہوئیں۔ چھٹی جلد بھی جلد نکل گئی۔ لیکن ساتویں جلد کے مسودے چوری ہو گئے۔ پھر نئے سرے سے اس حصّہ کا ترجمہ کرنا پڑا۔ ترجمہ کی نظر ثانی بھی نہیں کی تھی۔ کہ وقت موعودہ آ گیا۔ اُن کے بیٹے خواجہ قمر الدین نے ۱۸۸۳ء میں اس کی نظر ثانی کی اور آٹھویں جلد کو بھی انہوں ہی نے مکمل کیا۔

اُصولِ افسانہ نگاری

یہاں وہ اُصول درج کئے جاتے ہیں۔ جو خواجہ امان کی رائے میں ایک افسانہ نگار کو افسانہ لکھتے وقت پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"نقلِ قصص و افسانہ کے واسطے چند مراتب لازم و واجب ہیں، ورنہ مضمون بے سروپا کہ جس کی مبتدا و خبر کا پتہ نہ لگے۔ سامعین و ناظرینِ قصّہ ضرور بے لطف ہونگے کچھ مزا نہیں آنے کا۔ اول مطلب مطول و خوشنما جس کی تمہید و بندش میں توارد مضمون و تکرار بیان نہ ہو۔ اور مدّت دراز تک سامعین مشتاق رہیں۔ دوم بجز مدعائے خوش ترکیب و مطلب دلچسپ کوئی مضمون سامعہ خراش و ہزل مثل تعریفِ باغ و کوہستان و مکان و آرائشِ مکان درج نہ کیا جائے۔ اور بیشتر اہلِ تصانیفِ قصص اسی مضمونِ بیہودہ سے افسانہ کو طول دیتے ہیں۔ سوم لطافتِ زبان و فصاحتِ بیان چہارم عبارت سریع الفہم کہ واسطے فنِ قصّہ کے لازم ہے۔ پنجم تمہیدِ قصّہ میں بجنسہٖ تواریخ گذشتہ کا لطف حاصل ہو نقل و اصل میں ہرگز فرق نہ ہو سکے۔ یعنی صاحبانِ تصانیفِ قصص کو اس امر کا لحاظ ضرور ہے کہ اپنی تمہیدِ خیال کو بدلائل و براہین واقعۂ اصلی کی طرز سے بیان کریں۔"

مندرجہ بالا عبارت خواجہ امان مرحوم کی اصل تحریر کا نمونہ ہے۔ ذیل میں مرحوم کے ترجمہ کی عبارت بھی ایک مقام سے نقل کی جاتی ہے۔ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے۔ کہ اُن کا ترجمہ کیسا ہے۔

"شہزادہ نے فرمایا، اول یہ بیان کرو۔ کہ تمہارا بادشاہ شتر کینہ ہے یا جلد تر مزاج کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ شہزادہ کے اس سوال سے محفوظ اور سعید خوب ہنسے۔ بعد ازاں عرض کیا۔ اے شہریار ہم نے اول ہی خدمت شریف میں التماس کیا ہے۔ کہ نہ بادشاہ

Marfat.com

کو ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا اور نہ کان سے آواز سُنی اور حضرت ہر بار ہم سے احوال بادشاہ کا پوچھتے ہیں۔ خدا جانے اس استفسار سے حضور کو خوش طبعی منظور ہے یا واقعی فرماتے ہیں شہزادے نے کہا۔ یہ دروغ صریح تمہارا میرے قیاس میں نہیں آنے کا یعنی میں جس مکان میں تھا تم بھی موجود تھے۔ خیر دیکھنے کے مقدمہ میں یہ عذر تمہارا درست ہے۔ کہ سرنگوں استادہ تھے نہ دیکھا ہوگا مگر کانوں سے نہ سُنا ہوگا۔ جو ملکہ انور بہار نے صبح دلکشا سے کہا اور صبح دلکشا نے جواب دیا۔ محفوظ نے قسمیہ کہا۔ حاشا! ہمیں اس حال سے مطلق آگاہی نہیں اور نہ کوئی صدا ہمارے کان میں آئی۔ اے شہریار جس وقت ہم اس مکان حیرت نشان میں جاتے ہیں، بصارت وسماعت اور گویائی بالکل جاتی رہتی ہے۔ شہزادہ نے فرمایا میں یاور نہیں کرنے کا تم دیدہ ودانستہ اغماض کرتے ہو۔ خیر اب تفصیل اپنے بادشاہ کے ممالک کی میرے روبرو بیان کرو سعید نے کہا۔ اے شاہزادہ عالی قدر اس سرزمین کے ممالک باختر کے مانند بے حساب ہیں۔ شہزادہ نے پوچھا۔ زمین باختر کس جانب ہے۔ سعید نے کہا۔ لفظ باختر لغت میں جانب غرب کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں ایک ملک وسیع ہے۔ جس کے شہر وبلاد کا شمار نہیں ہوسکتا یعنی جو کتب باختر کے حال میں نظر سے گزرے ہیں۔ اُن میں مختصر نام شہر وبلاد کے درج دیکھے اور کسی کتاب میں نام و دشہروں کا ذکر نہ پایا۔ اسی وجہ سے غلام نے عرض کیا۔ کہ اس زمین کے بھی شہر وبلاد باختر کے مانند بے شمار ہیں۔ شہزادہ نے پوچھا تاریخ باختر میں کیا حال لکھا ہے۔ سعید نے کہا باختر جلد دوم ایک تاریخ ہے اس میں حال بطریق اخبار اس ملک کے سلاطین کا درج ہے۔ اور عوام الناس اس کو موز حمزہ بھی کہتے ہیں۔ شہزادہ نے فرمایا۔ شاید قصہ حمزہ کا واقعی اور نفس الامر ہے سعید نے عرض کیا۔ جو حال زبان پر بشر کی بطور اخبار جاری ہو۔ البتہ مصداق اُس کا ایک عالم میں ہوتا ہے۔ خواہ بالفعل خواہ بالقوی یعنی زمانہ حال میں ہے۔ یا زمانہ ماضی میں تھا۔ اسی طرح اپنے حال پر غور فرماؤ۔ کہ تم نے عالم عجائبات میں کیا کیا تماشائے غیر مکرر چشم مبارک سے دیکھا۔ اور کیا کیا معاملات تازہ نظر سے گزرے۔ اگر نقل اپنی کسی بشر کے روبرو کروگے اس کو ہرگز یقین نہیں آنے کا۔ اور حقیقت میں تمہاری نظر سے گزرا ہے۔ شہزادہ نے فرمایا

Marfat.com

درست کہتے ہو۔ بعد ازاں شہزادہ، سعید کے مکان میں آیا۔ اور فرمایا۔ اے لوح دار
میری خاطر سے ایک بار لوح میں دیکھو۔ کہ مُواصلت ملکۂ نوبہار کی میری قسمت میں ہے
یا نہیں اور جو غبارِ ملال میری طرف سے ملکہ کی طبیعت میں جائے گیر ہوا ہے، آیا صاف
بھی ہوگا۔ یا اسی صورت سے آزردہ رہے گی۔ سعید نے جواب دیا۔ پیرو مرشد! ہر چند
میں بغیر مطالعہ لوح کے بھی خدمتِ شریف میں گزارش کرتا ہوں۔ کہ حضور بالضرور اپنی
آرزوئے قلبی کو پہنچو گے۔ مگر ہاں حاصلِ کار بے دفع ہونے غبارِ خاطرِ ملکہ کے ایک امر دشوار
شہزادہ نے کہا۔ یہ عنایت فرماؤ کہ وہ دعا مجھے بتا دو جس کا بیت المعمور کے حوض میں ورد
کرتے ہیں اور اس کی برکت سے ہر ایک آدمی کی مراد حاصل ہوتی ہے۔ سعید نے کہا بسر و چشم
مجھے بتانے میں دعا کے کچھ عذر نہیں۔ لیکن دریں ولا بیت المعمور کی راہ جانورانِ موذیہ
سے آباد ہو رہی ہے۔ پھر آپ کس طرح وہاں پہنچیں گے۔ شہزادہ نے فرمایا سبحان اللہ ع

چہ مردے بود کز زنے کم بود "

ہر گاہ منطقہ تمہاری دختر غیر موسم میں اسی راہ سے بیت المعمور پہنچی۔ پھر میرا جانا کیا
مشکل ہے۔ میں محفوظ سے کہونگا۔ اُس وقت اس کام پر متعین تھا۔ شاید اب عذر کرے۔
شہزادہ نے فرمایا۔ تم نے خوب آگاہ کر دیا۔ ورنہ میں محفوظ سے ناحق آزردہ ہوتا۔ وہ دُعا
مجھے بتا دو۔ آئندہ من دانم و کارِ من۔ یا بتانا دُعا کا بھی بادشاہ کی اجازت پر موقوف ہے۔
سعید نے کہا نہیں۔ دعا محض واسطے تعلیم کے ہوتی ہے۔ آخر الامر سعید نے وہ اسم بزرگ
شاہزادہ کو بتایا۔ شہزادہ دوسرے دن یاروں سے رخصت ہو کر اسی بیابان کی راہ سے
بیت المعمور کی طرف روانہ ہوا۔ اس دفعہ اثنائے راہ میں دیکھا کہ فی الحقیقت وہ دشت پر خار
شیر و پلنگ اور مار و کژدم وغیرہ جانورانِ موذیہ کی کثرت سے آباد ہے۔ الا کوئی جانور شاہزادہ
کے درپئے ایذا نہ ہوا۔ شاہزادہ روزِ سیوم بصحت و سلامت بیت المعمور میں پہنچا۔ اور
اول دو رکعت نماز ادا کی۔ بعد ازاں حوض میں داخل ہو کر وہ اسم شروع کیا۔ ہنوز اعداد اسم
تمام نہیں ہوئے تھے۔ کہ ناگاہ دروازے سے مسجد کے ایک جوان صاحبِ جمال بہ لباس
درویش مسجد میں آیا۔ اور اُس نے شاہزادہ کو بہ محبتِ تمام سلام کیا۔ شہزادہ نے جو غور سے

Marfat.com

دیکھا کیا دیکھتا ہے۔ کہ وہ فقیر اقبال شاہ ہے۔ شاہزادہ بعد تمام کرنے اورا راسم کے اقبال شاہ سے بغلگیر ہوا۔ بعدازاں پوچھا۔ اے برادر گرامی قدر تمہارے تغیر لباس کی کیا وجہ ہوئی۔ اقبال شاہ نے کہا۔ اے شہریار میں تم سے رخصت ہوکر براہِ راست اپنے مرشد "ہادی الہدایت" کے مقام پر پہنچا۔ ملازمین نے شہزادہ مقبل کے وہ کفِ مستی مرشد کا جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا میرے واسطے علیحدہ رکھا تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس نعمت پر تمام مریدوں میں باہم فساد برپا ہو رہا ہے۔ اور ہر ایک خواہانِ نعمت ہے ہرگاہ وہ کف میرے مقدر میں تھا۔ عین وقت وہاں پہنچا۔ اور میں نے وہ مایۂ حیاتِ جاودانی کھایا۔ ایک لحظہ کے بعد یکایک میری حالت غیر ہوگئی۔ اور دل میں نورِ عرفی روشن ہوا یعنی تمام صفات و قدرت ملکوتی ایزد جل شانہٗ نے مجھے عطا فرمائے۔ اب جس مقام میں منظور ہوتا ہے۔ بے زحمت و مشقت جا پہنچتا ہوں۔ حتیٰ کہ ظاہر و غائب ہونا بھی میرے اختیار میں ہے۔ جب یہ مرتبہ اعلیٰ اور درجہ بلند پایہ میسر آیا۔ ایک روز میں نے مرشد کی خدمت میں حال تمہارا مفصل گزارش کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں شہزادہ معز الدین سے وعدہ موثق کر آیا ہوں۔ کہ تجھے منزلِ مقصود تک پہنچا دونگا۔ اگر حکم ہو۔ ایفائے وعدہ کروں مرشد نے فرمایا۔ کیا مضائقہ ہے۔ بالفعل بیت المعمور میں جاکر شہزادہ کو منزلِ مقصد کی جانب روانہ کر دے۔ حسب الحکم مرشد تمہاری خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادہ نے فرمایا۔ اے برادر خوشا حال تمہارا کہ اس مراتبِ اعلیٰ کو پہنچے۔ مگر کیا حیرت کی بات ہے کہ مقبل کے واسطے تم نے کیا کیا کارِ نمایاں کئے۔ اور کیس کیس ملک و سرزمین میں پھرے الا مقبل کی تقدیر میں دختر سے شاہ ظہورستان کے کتخدا ہونا مقدر نہ تھا۔ بلکہ حال اُس عروس کا بھی اسی طرح مذبذب رہ گیا۔ اگر میں اپنی سرگزشت تمہارے روبرو بیان کروں واللہ نہایت متحیر ہو۔ اقبال شاہ نے کہا فرماؤ۔ میں بھی سنوں۔ کہ کیا سرگزشت ہے شہزادہ نے حال سیرگاہِ چہارم کا اور ملاقات کرنا صبح دلکشا سے اور آوارہ ہونا اپنا مفصل بیان کیا۔"

طرزِ نگارش ۔ خواجہ امان کی اصل عبارت اور ترجمہ دونوں کو آپ نے دیکھا کس قدر

Marfat.com

صاف اور پاکیزہ ہے۔ موقع موقع سے نہایت برجستہ الفاظ ادا ہوئے ہیں۔ بیشک اُس زمانہ کے لحاظ سے کہیں کہیں "میرے قیاس میں نہیں آنے کا" ایسے فقرے آ گئے ہیں۔ جو آجکل متروک ہیں۔ عبارت میں فارسی الفاظ زیادہ ہیں مگر وہی جو روزمرہ ہم استعمال کرتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اُس زمانہ میں بھی ایسی شگفتہ عبارت لکھنے والے موجود تھے مرزا فرحت اللہ بیگ نے آپ کی طرزِ انشاء کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے:۔

"ساری عبارت میں کہیں وہ رنگ نہیں ہے۔ جو آجکل ہماری اُردو پہ چھایا ہوا ہے نہ تو اس میں الفاظ جو، جس نے، جس کو، تو وغیرہ کی بھرمار ہے۔ اور نہ عبارت میں کوئی اُلجھن اور پیچیدگی ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو آدمی بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ . .

. . . کاش! کوئی اپنی اُردو درست کرنے کے لئے ہی بوستانِ خیال جیسی کتاب کو پڑھے۔ اگر اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تو کم سے کم یہ تو سمجھ میں آ جائے گا۔ کہ اُردو کیا ہے؟"

خواجہ امان مرحوم کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔ کہ انہوں نے بوستانِ خیال کی سات جلدوں کا ترجمہ کیا۔ آجکل کتابوں کی جو تقطیع اور قلم ہے۔ اگر اُس پر یہ کتاب لکھی جاتی تو اس کا ایک صفحہ کم سے کم چار صفحوں پر آتا۔ چنانچہ نمونۂ ترجمہ جو اوپر دیا گیا ہے صرف ایک صفحہ سے نقل کیا گیا ہے۔ ہر جلد میں تقریباً پانسو صفحے ہیں۔ گویا ہر جلد کی ضخامت زمانۂ موجودہ میں دو ہزار صفحے ہوتی اور سات جلدوں کے کل چودہ ہزار صفحات ہوتے اس کے بالمقابل میر تقی میر کے کل چودہ ہزار اشعار ہیں۔ گویا خواجہ امان کا ایک صفحہ اور میر تقی میر کا ایک شعر برابر ہے۔

بوستانِ خیال کی جلدیں

اس کتاب کی تقسیم بھی کچھ عجیب پیچ در پیچ ہے بوستانِ خیال کے دو گلستان یعنی حصے ہیں گلستان اوّل میں مقدمہ اور دو گلشن ہیں۔ پھر گلشن اول کے دو گلزار ہیں۔ اور یہ دونوں گلزار مل کر ایک جلد ہو جاتی ہے۔ گلستانِ اول کے گلشن دوم کے بھی دو گلزار ہیں لیکن ان دو گلزاروں کی دو جلدیں ہیں۔ گویا اس طرح تین جلدیں اور ایک مقدمہ مل کر گلستانِ اوّل مکمل ہوتا ہے"۔ گلستانِ دوم کے بھی دو حصے ہیں۔ پہلے کا نام معز الدین نامہ اور

Marfat.com

اور دوسرے کا خورشید نامہ۔ خورشید نامہ کی تین جلدیں ہیں۔ بہر حال اِس طرح یہ دونوں گلستاں (فارسی میں) پندرہ جلدوں میں ختم ہوئے اور اس سارے مجموعہ کا نام بوستان خیال رکھا گیا ہے۔ مترجموں نے اِس کا ترجمہ کرنے میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے گلستانِ اول کو تو ایک جلد بنایا ہے۔ اور بقیہ چودہ جلدوں کو بلحاظ ضخامت اِس طرح تقسیم کیا۔ کہ چودہ جلدوں کی آٹھ جلدیں بن گئی ہیں۔ اِن جلدوں کی صراحت نقشۂ ذیل سے ظاہر ہوگی :۔

مترجمہ خواجہ امان مرحوم	نام جلد
جلد اول	حدائق انظار
جلد دوم	ریاض الابصار
جلد سیوم	شمس الانوار
جلد چہارم	بدر الآثار
جلد پنجم	نجم الاسرار
جلد ششم	مصباح النہار
جلد ہفتم	ضیاء الانوار
جلد ہشتم	مرآۃ الاضمار (مترجمہ خواجہ قمر الدین خاں راقم خلف الرشید حضرت خواجہ امان مرحوم)

ماسٹر رام چندر

آپ کے حالاتِ زندگی یا تاریخ پیدائش و وفات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ صرف اس قدر معلوم ہوا ہے۔ کہ پہلے آپ سرکار انگلشیہ کی ملازمت میں بعہدۂ مدرسی علوم

Marfat.com

انگریزی کی تعلیم دہلی کالج میں دیتے تھے۔ مولوی محمد حسین آزاد، مولوی نذیر احمد اور مولوی ذکاء اللہ جی کا ذکر خیر تیسرے دور کے مصنفین میں کیا گیا ہے۔ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور اگرچہ آپ کا نام ظاہر کرتا ہے کہ آپ ہندو ہیں لیکن دراصل آپ عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ جس کو آپ نے بڑے مباحثوں کے بعد اختیار کیا تھا۔ آپ ریاست پٹیالہ میں ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم بھی مقرر ہو گئے تھے۔ غالب خیال یہ ہے کہ آپ دہلی کے رہنے والے تھے، اور اقامت دہلی ہی کے زمانہ میں آپ نے ایک کتاب تذکرۃ الکاملین تحریر فرمائی۔ اس کتاب میں مشاہیر یونان و روما کا ذکر ہے۔ جو آپ نے انگریزی اور عربی اور دیگر کتابوں سے ماخوذ کیا ہے۔ یہ کتاب آپ نے یکم اکتوبر ۱۸۴۹ء کو اول مرتبہ شائع فرمائی اور اگست ۱۸۷۷ء میں تیسری مرتبہ مطبع نول کشور لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہوئی۔ اس تیسرے ایڈیشن کا نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔ اس عہد کی اردو کا نمونہ حسب ذیل ہے۔ اس کتاب میں دو سو صفحات ہیں۔ ہر نامور شخص کی شبیہ بھی کتاب مذکور میں دی گئی ہے۔ آخری حصہ میں انگلستان کے نامور فلاسفہ اور شعراء کا بھی ذکر ہے۔ اس کے بعد آپ نے چند فارسی شعراء اور نیز ہندوستان کے نامور شاعر والمیک کا ذکر کیا ہے۔ شنکراچارج اور مہندس بھاسکر کو بھی اس کتاب میں جگہ دی گئی ہے علاوہ ازیں آپ نے دو کتابیں اور بھی تحریر فرمائی ہیں۔ جن کا نام اصولِ ہیئت اور عجائب روزگار ہے۔ اور جو ۱۸۴۷ء، ۱۸۴۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی ہیں۔

حال اقلیدس مشہور مہندس یونانی کا

"اقلیدس بیٹا نوقطرس کا، پوتا زنتیس کا، اور صاحب جو بیطریا مشہور ہے، یہ حکیم قدیم زمانہ کا یونانی ملک شام میں رہنے والا شہر صور کا ہے۔ اس کو علم ہندسہ میں دستگاہ کامل تھی اور اس کی کتاب جو ارکان یعنی قواعد مشہور ہے، وہ کتاب بلند قدر اور بہت مفید اور اصل علم ریاضی کی ہے۔ یونان میں پہلے اس سے اس وضع کی کوئی کتاب جامع نہیں تھی اور نہ بعد اس کے کوئی ایسا ہوا۔ اور اس کا جماعاتِ ریاضی دان یونان اعلام کے نے اکتساب کیا

پس بعضے اُسکی شرح کرنے والے ہیں۔ اور بعضوں نے نئی شکلیں اسکی کتاب میں بڑھائی ہیں۔ اور شرح کرنے والے ہیں، اور بعضوں نے نئی شکلیں اُس کی کتاب میں بڑھائی ہیں۔ اور بعضے فائدے نکالنے والے ہوئے ہیں۔ حکماء یونان کے اپنے اپنے مدرسوں کے دروازوں پر لکھ دیتے تھے۔ کہ ہرگز مدرسہ میں جو شخص کہ محنت کش نہ ہووے۔ نہ داخل ہو۔ اور مراد اُن کی اُس سے یہ تھی کہ وہ آدمی مدرسہ میں داخل نہ ہووے۔ جس نے کتاب اقلیدس نہ پڑھی ہووے۔ اور اور تصنیفات اقلیدس میں سے اس نوع میں کتاب المفروضات ہے۔ کتاب المناظر ہے۔ کتاب ترکیب آوازوں کی اور سوائے اِن کے اور کتابیں ہیں یعقوب بن اسحاق الکندی نے یہ کہا ہے کہ اقلیدس علم ہندسہ میں اپنے زمانہ کا سب سے دانا تر تھا۔ اقلیدس نے، ابلونیوس کی دو کتابوں کو جو مخروطات میں تفصیل سے لکھا پھر ایک صدر بنایا۔ جس سے معرفت اِن پانچوں مجسمات کی حاصل ہو سکے۔ اور اس کے تیرہ مقالوں میں جو اقلیدس کی طرف منسوب ہیں۔ داخل ہو گیا۔ اور کتاب اس کی جو قواعد ہندی میں ہے اسکی حجاج بن یوسف بن مطر کوفی نے دو نقلیں کیں۔ اُن میں سے ایک ہارونی مشہور ہے۔ اور دوسری نقل کا نام ماموقی ہے۔ اور اُسی پہ اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور اس کو اسحق بن حنین نے نقل کیا۔ اور ثابت بن قرہ حرانی نے اُس کو اصلاح دی اور ابو عثمان دمشقی نے اُس میں سے کئی مقالے نقل کئے۔ ابن الندیم نے کہا ہے۔ کہ میں نے اُس میں سے دسواں مقالہ موصل میں علی بن احمد العمرانی کے خزانہ میں دیکھا تھا، سنہ ۳۳۰ میں اور شکوک اس کتاب کے ایرن نے وضع کئے۔ اور اُس کی شرح نیریزی اور کرابیسی نے کی اور نظیف الطبیب نے یہ ذکر کیا ہے۔ کہ اُس نے اقلیدس کا دسواں مقالہ رومی زبان میں دیکھا۔ اُس میں چالیس شکلیں زیادہ تھیں۔ بہ نسبت اُس مقالہ کے جو لوگوں کے پاس ہے۔ اس میں ایک سو نو شکلیں ہیں (تو اُس میں ۴۹ ہوئیں) اور اُس نے اُس کو عربی میں ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور یوحنا القس نے ذکر کیا ہے۔ کہ وہ شکل جس کا ثابت نے مقالہ اولیٰ میں دعویٰ کیا ہے۔ اور اپنی بتائی ہے۔ میں نے وہ یونانی میں دیکھی ہے۔ اور نظیف نے ذکر کیا۔ کہ میں نے اُس کو دکھائی ہے۔ اور شرح کتاب اقلیدس کی ابو حفص خراسانی

Marfat.com

اور ابوالوفا بوجانی نے کی۔ مگر تمام نہیں کی۔ اور ابوالقاسم انطاکی نے تمام کتاب کی تفسیر کی اور سند بن علی نے جو اس کی تفسیر کی۔ تو نو مقالہ اور کچھ دسویں کی کی ہے۔ اور دسویں کو ابویوسف رازی نے تقسیم کیا اور بہت خوب درست ابن عمید کے واسطے کیا ہے کندی نے کتاب اقلیدس کے اغراض میں ذکر کیا ہے۔ کہ اس کتاب کو ایک شخص ابلینوس نامی نے تالیف کیا تھا۔ اور اس نے پندرہ مقالے لکھے تھے۔ جب بہت زمانہ گزر گیا تو وہ کتاب متروک ہو گئی، پھر کسی بادشاہ نے اسکندرانیوں میں سے اقلیدس سے کہا اس نے اس میں سے تیرہ مقالے کی تفسیر کی پس وہ اس کی طرف منسوب ہو گئے پھر بعد اس کے اسقلاوس، اقلیدس کے شاگرد نے دو مقالے پائے۔ چودھواں اور پندرھواں۔ وہ بطور تحفہ کے بادشاہ کو دیے پس وہ دونوں بھی اس نے کتاب میں ملا دیے اور یہ تمام واقعہ سکندریہ میں ہوا۔ اور ابو علی الحسن بن الہیثم بصری نے جو خوش باشندہ مصر کا ہے اس کتاب کے مصادرات کی شرح کی ہے۔ اور اس کے اعتراضات بھی اس کتاب میں مع ان کے جواب کے ہیں۔ پھر ابوالحسن قشیری اندلسی نے ذکر کیا کہ اس کتاب پر شرح ہے۔ کسی اندلسی کی اور اس کا نام وابستہ ہے۔ اور اس کا یہ قول تھا۔ کہ میری شرح بیت المقدس سنہ پانسو پچانویں میں تمام ہوئی اور اقلیدس کی تصنیف کی اور چند کتابیں ہیں۔ منجملہ ان کے سوائے اس کتاب کے کتاب الظاہرات ہے۔ کتاب اختلاف المناظر کتاب المعطیات، کتاب النغم بیگانی اس کے نام پر کتاب القسمۃ ثابت کی اصلاح سے کتاب الفوائد بیگانی، اس کے نام پر کتاب القانون، کتاب ثقل اور خفت کی کتاب الترکیب بیگانی اس کے نام پر کتاب التحلیل اس کے نام پر فقط،،

ذکر کملائے ہند از قوم ہنود، حال والمیکی جی مہاراج

"صاحبانِ دانش و بینش پر ظاہر ہو کہ زمانہ قدیم میں ایسے ایسے فاضل اور کامل شخص قوم ہنود میں گزرے ہیں۔ کہ وہ فضیلت میں اچھے اچھے حکمائے فرنگ اور یونان کے سے کم نہیں تھے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے۔ کہ ان بزرگوں کے حالات نہیں ملتے سوائے

Marfat.com

نام کے ہم اور کچھ نہیں پاتے۔ ہم کیا کریں۔ کہ ہمارے ہموطنوں نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی کہ ایسے ایسے خدارسیدہ اور کامل شخصوں کے حالات لکھیں۔ لیکن خیر جیسا کچھ مجھ کو چار پانچ بزرگوں کا حال معلوم ہوا ہے۔ حتی المقدور راست اِن چند اوراق میں درج کرتا ہوں چنانچہ اوّل میں ذکر والمیکی جی کا کروں گا۔ ہنود میں والمیکی جو کہ مصنف پاک کتاب رامائن کے ہیں۔ بہت مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ نہایت افسوس کی بات ہے۔ کہ ہم کو کسی کتاب میں نہیں معلوم ہوتا۔ کہ یہ جناب کس جگہ پیدا ہوئے۔ اہلِ فرنگ نے اس بات سے کہ یہ بڑے نامی گرامی شخص ہنود میں گزرے ہیں، اُن کے حال کی تحقیقات کی، چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ پندرہ یا سولہ برس پیشتر سنِ عیسوی کے والمیکی جی کے قدم کی برکت سے باغِ ہستی کو رونق تھی۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ والمیکی جی ایک غریب کے گھر پیدا ہوئے تھے اور اس باعث سے کہ اُن کے مربی مفلس تھے۔ انہوں نے بڑی عمر تک تربیت نہیں پائی اور بے علم رہے۔ جبکہ بڑی عمر ہوئی۔ تو اُن کو فرض پڑا۔ کہ اپنے ماں باپ کی پرورش کریں۔ لاچارا انہوں نے پیشہ ٹھگی اور قزاقی کا اختیار کیا (اور ان دنوں میں یہ بزرگ شخص بالکل علم کی روشنی سے جاہل تھے) اور ایک جنگل میں شروع کیا۔ اور اضلاع ہوگلی اور کرشنا گڑھ میں جو مسافر کہ گزرا اُس کو لوٹنا اور قتل کرنا اختیار کیا۔ یہ معلوم نہیں۔ کہ یہ پیشہ انہوں نے کب تک رکھا۔ اور سبب چھوڑ دینے اِس بد پیشہ کا یہ ہوا۔ کہ ایک روز تین برہمن جن کو ہمارے بزرگ برہما اور وشن اور نارد کہتے ہیں۔ اُس جنگل میں سے گزرے۔ جہاں کہ والمیکی جی رہتے تھے۔ والمیکی جی نے جب اِن تین برہمنوں کو دیکھا۔ مستعد اُن کے قتل کا ہوا اور چاہا کہ اُن کو جان سے ہلاک کر کر اُن کا مال لے لیجئے۔ لیکن اُن برہمنوں نے کہا۔ کہ اے والمیکی تو ہماری بات سُن لے۔ بعد ازاں تجھ کو اختیار ہے۔ تو چاہے جو کچھ ہمارا کیجیو۔ والمیکی نے قبول کیا۔ تب اُن تین برہمنوں نے کہا۔ کہ اے والمیکی تو جو رب العالمین کے بندوں کو مارتا ہے اور ستاتا ہے۔ اور اس گناہِ عظیم میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا کیا باعث ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ واسطے پرورش اپنے ماں اور باپ اور کنبہ کے یہ کام کرتا ہوں۔ تب اُن برہمنوں نے یہ کہا۔ کہ ایک بات تو اپنے ماں باپ سے پوچھ آ کہ تو جو گناہ کرتا ہے۔ اور جانیں تلف کرتا ہے۔ تیرے

Marfat.com

گناہ کے وہ بھی شریک ہونگے یا نہیں یعنی تجھ کو تیرے اعمالوں کی سزا ہوگی۔تو تیرے شریک ما اور باپ بھی رہیں گے یا نہیں۔یہ بات والمیکی نے قبول کی۔اور اُن تینوں برہمنوں کو تین درختوں سے بخوبی مضبوط باندھ کر خود اپنے گھر اِس سوال کا جواب استفسار کرنے چلا گیا۔جب وہ گھر میں پہنچا۔اُس نے اپنی والدہ اور باپ سے پوچھا۔کہ میں جو تمہارے واسطے یہ گناہ کرتا ہوں۔ اُس کے تم بھی شریک ہو یا نہیں، انہوں نے صاف جواب دیا۔کہ ہم اِس پاپ میں تیرے شریک نہیں۔جو کوئی جیسا فعل کریگا۔اُس کا عوض رب العالمین خاص اُس شخص کو جس نے فعل مذکور کیا ہے دیگا۔یہ سنکر والمیکی جی کے دل میں اثر پیدا ہوا۔اور دل میں خیال کیا کہ میں اتنا گناہ ناحق کرتا ہوں۔کس واسطے کہ میرا کوئی شریک نہیں اور واپس آن کر ان تینوں برہمنوں مذکور کو درخت سے کھول کر خلاص کیا۔اور اُن کے روبرو توبہ کی۔کہ ایسی حرکت اور فعل نالائق پھر نہ کرونگا۔جب سے والمیکی جی مہاراج نے اس امر کو ترک کیا۔اور قادر مطلق کی جناب میں توبہ کی اور پشیمان ہوا۔اور اب توجہ اُن کی اس بات پر ہوئی۔کہ کسی طرح سے علوم و فنون میں کمال حاصل کرنا چاہئے۔چنانچہ علم کی تلاش میں وہ تپ بن میں جو کہ ایک جنگل آٹھ میل کے فاصلے پر چترکوٹ سے ہے چلے گئے (چترکوٹ ایک پہاڑ قریب الہ آباد کے ہے) اور اُن دنوں میں رکھیشر لوگ یعنی بڑے فاضل و عالم خدا رسیدہ شخص اُس جنگل میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہا کرتے تھے۔وہاں جاکر والمیکی جی مہاراج نے ایک رکھیشر سے علم حاصل کیا۔اور نہایت کمال حاصل کیا۔لیکن مدت تحصیل علم بخوبی تحقیق نہیں ہے۔بعد تحصیل کے وہ اُسی جنگل میں رہا کرتے اور یاد حق اور تحصیل علوم فلسفہ میں مشغول رہتے۔یہ نہیں معلوم ہوتا۔کہ کس زمانہ سے والمیکی جی نے اشعار تصنیف کرنے شروع کئے۔لیکن اُن کی استعداد فن شاعری میں بہت کامل تھی۔جب مہاراج رامچندر سامی نے راون والی لنکا یعنی سیلون پر فتح پائی اور واپس واسطے لینے راج اجودھیا کے آئے۔تو تمام رکھیشر واسطے مبارکبادی کے گئے۔اُس وقت میں مہاراج والمیکی جی بھی تشریف رامچندر مہاراج کے پاس لے گئے۔کہتے ہیں۔کہ سیتا جی نے بعید رامچندر سامی نے وقت بن باس عہد جلاوطنی میں بیچ جنگل تپ بن کہ والمیکی جی مہاراج کے گھر کو رونق اور فخر دیا۔ہم کو نہیں معلوم کہ یہ

Marfat.com

رکیشر کب مرے اور کس سال میں اُن کی زندگی کا انجام ہوا۔ اُن کی تصنیفات میں سے نہایت مشہور اور پاک کتاب رامائن ہے۔ اِن خدا رسیدہ کا حال بہت دلچسپ اور بڑا ہے لیکن چونکہ ہمارا مطلب اس چھوٹے سے رسالہ میں صرف مختصراً لکھنا حالات کا بیان کا ہے۔ اسی واسطے اِن ہی چند سطور پر قناعت کی "۔

سید عنایت احمد

آپ کا نام سید عنایت احمد ہے۔ قدیم رہنے والے ضلع دیوہ کے تھے کاکوری نواح لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ مفتی تھے۔ مولوی لطف اللہ علی گڑھی ایک مشہور عالم تھے۔ اُنہوں نے بھی مفتی سید عنایت احمد صاحب کے خوانِ علم سے اپنا حصہ پایا تھا اور وہ اسی بزرگوار کے شاگردانِ ارشد میں سے تھے۔ ایک کتاب محاسن العمل الافضل کے نام سے ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء میں آپ نے تصنیف فرمائی تھی۔ اُس میں سبب تصنیف یوں لکھتے ہیں:۔

"اکثر لوگ بسبب بے علمی اور ناواقفی کے نماز سے محروم رہتے ہیں، بعضے پڑھتے ہیں۔ مفید نہیں ہوتے۔ اور بعضے شرائط اور آدابِ نماز میں جو ضروری ہیں۔ کوتاہی کرتے ہیں ایسی کہ نماز پڑھنی بے پڑھی برابر ہوتی ہے۔ اس واسطے زبان اردو میں یہ رسالہ لکھا جاتا ہے۔ مشتمل اوپر چار فصلوں کے۔ فصل اول بیان ثواب نماز میں فصل دوم تارک صلوٰۃ کے عذاب اور برائی کے بیان میں فصل سوم ایسے مسائل کے بیان میں جن کی ناواقفی کے سبب سے لوگ نماز چھوڑتے ہیں فصل چہارم تعدیل ارکان اور قومہ اور جلسہ کے بیان میں۔"

مفتی صاحب نے دہلی میں تحصیل علوم متداولہ کی۔ حدیث میں مولوی شاہ محمد اسحاق صاحب محدث کے شاگرد تھے۔ علما میں جامع علوم ملنے جاتے تھے۔ بڑے بڑے علما آپ کے شاگرد تھے۔ علی گڑھ میں غدر سے پیشتر آپ کا قیام کافی زمانہ تک رہا ہے

Marfat.com

آپ کی دیگر تصانیف بھی علماء میں معتبر اور عوام میں مقبول ہیں۔ منجملہ اُن کے تاریخ حبیب اللہ جامع اور بہت عمدہ ہے۔ یہ کتاب سیرتِ نبوی پر ہے۔ علاوہ اس کے الکلام المبین در بیان معجزات اور ضمان الفردوس در بیان نصائح وغیرہ وغیرہ معروف و مقبول ہیں۔ اندازاً غدر کے کے دس برس بعد تک زندہ رہے۔

آپ کی تبحر علمی اور قوتِ دماغ کا حیرت انگیز نمونہ یہ امر ہے۔ کہ تاریخ حبیب اللہ اور کوئی دوسری کتاب بھی بزمانہ نظر بندی پورٹ بلیر کسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کے بغیر تحریر فرمائی تھی۔ واپس آکر کتابوں سے مقابلہ کیا گیا۔ تو کہیں کہیں نام ہی فرق معلوم ہوا۔ جس کی اصلاح کر دی گئی۔

محاسن العمل الافضل سے حسب ذیل نمونۂ تحریر درج کیا جاتا ہے:۔

بیان خدمت ترک نماز کا بسبب نوکری کچہری کے

اکثر آدمی نماز اس طرح قضا کرتے ہیں۔ کہ کچہری میں نوکر ہوتے ہیں، وقت نماز کے کچہری کے کام میں مشغول رہتے ہیں، اُٹھ کر نماز نہیں پڑھ لیتے۔ سو نوکران کچہری دو قسم ہیں۔ ایک حکام جیسے منصف، صدر امین۔ صدر الصدور، ڈپٹی کلکٹر۔ دوسرے عملے کے لوگ۔ جیسے منشی۔ سررشتہ دار، محرر۔ حکام کو تو اپنے کام میں اختیار ہوتا ہے۔ جس وقت جی چاہے اُٹھ کر نماز پڑھ لیں۔ کمال محرومی قسمت اور ضعف ایمان کی بات ہے۔ کہ باوجود اختیار اور عدم مانع کے نماز نہ پڑھے۔ اور حیلے کا یہ حال ہے۔ کہ حاکمان زمانہ صوم و صلوٰۃ کے مانع نہیں ہیں۔ اور جو لوگ کہ نماز پر مستعد ہیں، حال آں کہ عہدہ سررشتہ داری اور منشی گری وغیرہ پر جو دیرو سے حاکم رہنے کے کام ہیں، مامور ہیں۔ نماز قضا نہیں کرتے اور بوقت آنے نماز کے، موقع سے چار نماز پڑھ لیتے ہیں۔ سب مسلمان بد نما بول کو خدا تعالیٰ توفیق دے۔ کہ ایسے عذر کو حیلہ قرار دے کے نماز نہ چھوڑیں

عام رائے کتاب ہٰذا اگرچہ اُسی زمانہ کی تصنیف ہے۔ جس میں نواب قطب الدین کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ پھر نواب صاحب دلی کے

Marfat.com

باشندے تھے۔ اور جناب مفتی صاحب کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ لیکن طرزِ تحریر صاف اور سلیس اور شستہ ہے۔ البتہ اُس زمانہ کی عام باتیں جو اب متروک ہیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وقت نماز کے بجائے نماز کے وقت۔ سو نوکران کچہری بجائے ملازمین سرکاری وغیرہ وغیرہ آپ کی یہ کتاب شعبان ۱۲۷۲ھ کی تصنیف ہے۔ اور مطبع نظامی کانپور میں چھپی ہے۔

مولوی غلام امام خاں ترین

مولوی غلام امام خاں ترین نام تھا۔ ہجر تخلص تھا۔ حیدرآباد کے رہنے والے تھے ۱۲۸۵ھ میں آپ نے تاریخ رشید الدین خانی مطبوعہ مطبع خورشیدیہ (پائگاہ) دکن تصنیف فرمائی۔ دوسری کتاب تاریخ خورشید جاہی ۱۲۸۴ھ میں تصنیف کی جو ۱۲۹۷ھ میں چھپی۔ دونوں کتابوں سے مختصر اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے۔

از تاریخ رشید الدین خانی :۔ ما بعد اس خوشہ چین خرمن اساتذہ متقدمین و متاخرین خادم السلطنیہ نائب الشعراء غلام امام خاں ترین المتخلص بہ ہجر ابن محمد منور خاں ملک غفر اللہ ذنوبہما نے ۱۲۰۷ھ نبوی میں بیچ عہد قطب دائرہ زماں ناصر اہل ایمان بحر الندا علم الہدیٰ اعلیٰ حضرت خلائق پرور کرم گستر والی دکن رافع رنج و محن میر فرخندہ علی خاں ناصر الدولہ بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطانہٗ افاض علی العالمین برہ و احسانہ کے حسب الحکم قدر شیم فرد زندہ چتر اجلال طراز ندو بساط اقبال . . . نواب معلّٰی القاب اقتدار الدولہ بہادر جنگ محمد رشید الدین خاں بہادر دام اقبالہ کے خلاصہ احوال فرماں روایانِ ہند و دکن کا راجہ ہائے کبار اور سلاطین والا اقتدار سے ضمیمۂ کیفیت ورود نزول افسرانِ فرہنگ اہلِ فرہنگ کے اور جملہ سوانحات آشتی و جنگ اُن کے رؤساں سے اس دیار کے ابتدائے عروج سے انتہائے زوال تک ہر ایک ریاست جداگانہ

Marfat.com

کے کتب قدیم و جدید سے جمع فریق اور انتخابات حال کے انتخاب کرکے سلیس فقرات ہندی میں یہ ایک کتاب مختصر تیار کی ہے تا ارباب امارت اور اصحاب متانت کو وقت تفریح اور تدبیر کے کارآمد ہو۔ اور نام اس کا اسم گرامی پر جناب ممدوح کے رشید الدین خانی ہے۔ اور مادہ تاریخ بھی رشید الدین خانی اور اس کتاب میں ایک مقدمہ اور تین دفتر ہیں۔ اور دوسرے دفتر کے آخر میں ایک خاتمہ ہے اور تیسرا دفتر مشتمل ہے اوپر دو مقالوں کے اور مقالہ ثانی متضمن ہے دو عنوانوں کے تئیں۔

از تاریخ خورشید جاہی :۔ بعد تشریف فرما ہونے رو صال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عالم ظاہر سے اکرم الاکرمین خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہوئے، بعدہ ہر صدی میں ایک بادشاہ دین پناہ موید من اللہ صاحب عزم ذی جرأت مہذب الدین، رائج دین متین ستودہ صفات جی منہیات ہوا کہ جس کے زیر فرمان تمام حکام گردن کش اقالیم سبعہ کے باجگزار اور ظلم و تعدی ہوائے نفسانی سے اپنے دست بردار، طرف عدالت و نصفت کے مائل اور انتظام مملکت میں شامل رہے۔ اب فی زماننا کہ بادشاہ اسلام جانشین آبائے کرام مجد زماں افضل الدولہ میر تہنیت علی خاں بہادر ظل اللہ نظام الملک آصف جاہ خاں کے کہ جس نظر فیض اثر سے مس زر خالص ہے فرماں روائے شش صوبہ دکن ہے، شش جہت میں ثانی اس کا نہ کوئی ایسا حاکم باذل نہ فرماں روائے عادل ہے۔ جو جو کام کہ اس جہانبانی دین کے ہوئے ہیں۔ شرح اس کی احاطہ بیان سے باہر زبان خامہ کی قاصر ہے۔ سنا و دیکھا نہیں نظیر نہیں، ایسا رعایا پرور شفقت فرما کوئی صاحب تاج و سریر نہیں۔ خلد اللہ و ملکہ عز جل شانہ خاص الخاص داماد نے اس اورنگ آرائے سلطنت حیدرآباد کے کہ دو نبیرہ نواب مغفور و مبرور امیر کبیر شمس الدولہ شمس الملک شمس الامرا تیغ جنگ فخر الدین خاں بہادر نور اللہ تربتہ اور فرزند ارجمند جناب کرم مآب فخر ممتاز انے بزم جاہ و جلال شمشیر آبدار میدان رزم صاحب اقبال اقتدار الملک وقار الامرا محمد رشید الدین خاں بہادر زاد اقبالہم کے ہیں۔ نام نامی اور خطاب گرامی ان آفتاب سپہر سعادت دار جمندی

Marfat.com

نیّرِ برجِ دانش و ہوش مندی کا خورشید جاہ خورشید الامرا خورشید الملک خورشید الدولہ
تیغ جنگ محمد محی الدین خاں بہادر ہے دامت اجلالہم سنہ ہذا میں کہ ایک ہزار دو سو
چوراسی ہجری ہے۔ اس کمترین عقیدت گزیں پیرو علماءِ دین مولوی محمد امام خاں ترین
ریاضی داں ملک بحر تخلص کو فرمایا۔ کہ ایک کتاب علم تاریخ میں مختصر مفید واسطے ملاحظہ
اوقاتِ گرامی ہمارے اور فوائدِ عام خلائق کے لکھ کر گزرانو، تاہم اس کو حلیۂ طبع سے
آراستہ کر کے انعام اربابِ استعداد کا کریں۔ چوں کہ بعد تحریر کتاب لاثانی رشید الدین
خانی کے کہ اُس وقت تخلص نامہ نگار کا بحر تھا۔ اِن ایام میں فرصت حاصل تھی حسب الفرمان
واجب الاذعان کے کمر سعی کی میانِ جان کے باندھ کر ارادہ کیا ہے حسبی اللہ نعم الوکیل
اور بیشتر اس میں دو۲ مقدمات کہ رشید الدین خانی میں نہ تھے۔ نوکِ دیرِ قلم ہیں۔ اور بعض
بربناءِ ضرورت اور نسبت کلام کے لکھے ہوئے بھی داخل ہوئے ہیں اور چوں کہ اس
میں احوال صوبہ جات کا برآستہ تھا۔ اس واسطے اس کی ابتدا صوبہ جات سے کی گئی ہے
اور ذکر اولیاؤں کا اور سوانحات بادشاہانِ ایران و توران اور روم کے مندرج و مندمج
ہیں۔ اور مفصّل کیفیت حال چہاردہ۱۴ سال کی ۱۲۷۰ھ سے زمانۂ ہند تک بیان کی گئی ہے
اور نام اس کا اسم گرامی پہ ممدوح کے خورشید جاہی ہے۔ اور مادّہ تاریخ "تاریخ جلیل"
ہے۔ اور اس میں ایک مقدمہ اور چار چاند اور پہلے چاند میں دو شعاع، اور دوسرے
چاند میں ایک ضو ہے۔ اور اُس ضو میں دو نیّر ہیں اور نیّر دوم میں چھ قلب اور
آخر میں تیسرے چاند کے تین ہلال ہیں۔ اور بعد چوتھے چاند کے دو کوکب ہیں۔ اور آخر
پر خاتمہ۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ کتاب اور کتاب رشید الدین خانی ہر چند کہ ہر ایک علحدہ ذات
میں اپنے کلام نام ہے۔ لیکن ہر دو مثل لازم و ملزوم کے ہیں، جو کوئی اُس کا مطالعہ کرے
چاہئے کہ اس کو بھی دیکھے اور جو اُس پر نظر کیا ہے۔ اُس کو بھی ملاحظہ فرماوے تا عجائب
انقلابات اور غرائب تحویلات سے اس فنِ شریف کے خوب مطلع ہوگا

Marfat.com

مولانا غلام امام شہید

آپ شاہ غلام محمد کے بیٹے تھے۔ اور قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے ہندوستان کے نامور شاعر، مدّاح نبی اور عاشق رسول کے لقب سے مشہور تھے۔ نظم میں میاں قتیل اور مصحفی کے شاگرد تھے۔ علوم متداولہ کی تحصیل مولوی حیدر علی صاحب کی خدمت میں کی تھی۔ فارسی زبان خوب جانتے تھے اور فارسی نظم و نثر میں آغا سید اسمٰعیل مازندرانی کے شاگرد تھے۔ سرکار نظام سے چار سو تیس روپیہ سال بلا شرطِ خدمت مقرر تھے۔ جو آخر وقت تک ان کو ملتے رہے۔ آپ کے آباؤ اجداد سب گوشہ نشین اور قناعت گزیں تھے لکھنؤ کے اطراف میں اور آگرہ، مراد آباد، رامپور، حیدر آباد۔ اور الہ آباد میں آپ کے بہت مرید تھے۔ سر سالار جنگ بہادر سابق مدار المہام ریاست حیدر آباد دکن، نواب کلب علی خاں رئیس رامپور۔ سعید عالم خاں رئیس سورت اور اکثر رؤسا و اُمرا آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ پیرانہ سالی میں آپ نے انتقال کیا۔ آپ کا تخلص شہید ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی تاریخِ ولادت و تاریخِ وفات معلوم نہیں ہوئی۔

اُردو نظم اور نثر رنگین، جیسا کہ اُس زمانے کا رواج تھا، اچھی لکھتے تھے۔ کلام اپنا کبھی جمع نہیں کیا۔ مجموعہ مولد شریف اور انشائے بہار بے خزاں اور قصائد و غزلیات کا ایک مجموعہ آپ سے یادگار ہے۔

ذیل میں بطور نمونہ ایک رقعۂ تہنیت و تعزیت آمیز اور تاج گنج کے روضے کی تعریف درج کرتا ہوں، ناظرین آپ کی انشا پردازی کا اندازہ اس نمونہ سے خود کر سکیں گے۔ ع

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلارام را

رقعہ تہنیت و تعزیت آمیز

مجموعۂ انشائے شیریں زبانی، دیباچہ کتاب سخن دانی نادرہ حشمت۔ قلم بعد تشریح مراتب

Marfat.com

اشتیاق و آرزومندی کے تعزیت کے مضمون سے آنسو بھی بہاتا ہے۔ اور کچھ خوشی میں آکر مبارکباد کا مضمون بھی زبان پر لاتا ہے۔ زمانے میں خوشی و غم دونوں کا چولی اور دامن کا ساتھ ہے۔ اور دُنیا میں دھوپ چھاؤں کی طرح شادی کے ہاتھ میں ماتم کا ہاتھ ہے۔ دو پھول ایک ہی شاخ میں پھوٹتے ہیں۔ ایک دُولہا دُلہن کے سہرے کے کام آتا ہے۔ دوسرا میّت کی تربت پر چڑھایا جاتا ہے۔ دو موتی ایک سیپ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے تاج میں لگاتے ہیں۔ دوسرے کو کھرل میں پیس کر دوا میں ملاتے ہیں۔ ایک ہی کافور سے دو شمعیں بنتی ہیں۔ ایک محفل سرود کے کام آتی ہے۔ دوسری مُردے کے مزار پر جلائی جاتی ہے۔ چمن میں کلی اگر کھلکھلا کر ہنستی ہے۔ شبنم بے اختیار اُس کے ہنسنے پر روتی ہے۔ جس باغ میں خزاں ہو وہاں بہار بھی ہے۔ اور جہاں گل ہو وہاں خار بھی ہے۔ بادام کے پوست اور مغز کو دیکھیے کہ نرمی اور سختی ایک ہی جگہ موجود ہے۔ برف کو سوچیے تو گرمی اور سردی اُس کے ساتھ ہی موجود ہے۔ سرخی اور زردی رنگ حنا کی دلیل ہے۔ تقدیر نے اگر صبح کو لباس سفید خوشی کا پہنایا۔ تو شام کے واسطے جامہ سیاہ ماتمی بنایا۔ حاصل یہ کہ آپ کے والد ماجد نے عین عید کے دن انتقال فرمایا۔ گویا اسی گردش لیل و نہار کی خزاں و بہار کا تماشا دکھایا۔ اور اس غم نے جتنا رلایا تھا۔ آپ کی شادی نے اُتنا ہی ہنسایا۔ اس افسوس میں آسمان جو ماتمی لباس پہنے نظر آیا۔ تو شفق کی سُرخی نے وہیں خوشی کا رنگ دکھایا رنج میں وہ ہنر جو پہلے منہ پر مارا۔ تو پھر خوشی میں وہی دونوں ہاتھ اُٹھا کر لیوں دعا مانگی۔ کہ خدا اُس مرحوم کو جنت نصیب کرے۔ اور آپ سلامت رہیں۔ اور یہ شادی مبارک ہو۔ بندہ بھی ادائے رسم فاتحہ خوانی و شرکت محفل شادمانی کے واسطے ضرور حاضر ہوگا۔ زیادہ

والسلام

تاج گنج کے روضے کی تعریف

آج قلم کا دماغ پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے، کاغذ کا صفحہ آنکھ کی سفیدی کی طرح منوّر ہے۔ نظر کا ڈورا، رگ گل کی طرح رنگین ہے۔ نگاہ کا رشتہ گلدستہ کے مانند بہار میں ہے

Marfat.com

کس واسطے؟ کہ مجھے ایک باغ اور مکان کی صفت لکھنی منظور ہے۔ جس کی سیر سے چشمِ مردم میں نور ہے۔ اُس کے صحن اور دالان میں خدا کی قدرت کا گُل کھلا ہے۔ چمن اور میدان میں صانع کی صفت کا تماشا ہے۔ وہ کون مکان ہے؟ اور کیسا گلستان ہے؟ جو شاہِ جہاں ایسے بادشاہِ عالی جاہ کا تماشگاہ ہے۔ کون قصر ہے؟ اور کیسا ایوان ہے؟ جو جنابِ عالیہ بادشاہ بیگم کا آرامگاہ ہے۔ جس جگہ یہ دونوں آفتاب ماہتاب سوتے ہیں۔ چاند اور سورج دن رات اُس زمین کے نثار ہوتے ہیں۔ تاج بی بی کا روضہ جہان میں مشہور ہے۔ اور ہر چمن اس کا جنت کی خوشبو سے معمور ہے۔ اکبرآباد کیا بلکہ سارے ہندوستان کو اس مکان سے عزت ہوتی ہے۔ ہندوستان کیا بلکہ تمام روئے زمین کو اُس سے زینت ہوتی ہے۔ اس چمن کی ہوا نے جو کلیوں کی بوباس سے خیال کے دماغ کو معطر کر دیا۔ تو باغ کی فضا نے دامنِ نظر کو گلچیں کے دامن کی طرح پھولوں سے بھر دیا۔

سُبحان اللہ! کیا روضہ ہے! کہ رضوان جس کے لطف و لطافت سے راضی و خوشنود ہے۔ بارک اللہ کیا باغ ہے جس میں بہشت کی ہر نعمت موجود ہے۔ سورج اس باغ کا ایک زرد آلو ہے۔ چاند اس چمن کا گُلِ شب بو ہے۔ پہلے دروازے کی بلندی دیکھنے کو جو آسمان گردن اور سر اُٹھائے۔ تو اس کو آفتاب کی پگڑی سنبھالنی دشوار ہو جائے۔ دونوں بازو کے سرے سے محراب کی چوٹی تک کلام مجید کا سورہ چوبِ قلم سے جو لکھا ہے۔ عقل اس طلسمات سے حیران ہے۔ کہ ہر حرف جیسا نزدیک سے نظر آتا ہے۔ ویسا ہی دور سے دکھائی دیتا ہے۔ اس فن کے مہتر انصاف سے دیکھیں کہ یہ بات کیسی مشکل اور کس درجہ کی تعجب کامل ہے۔ سنگِ مرمر پر سنگِ موسیٰ کی پچی کاری کہیے یا آنکھوں کی سفیدی پر پتلیوں کی سیاہی کی نموداری۔ حرف ہیں یا کافور کے قرص پر مشک کے دانے پڑے ہیں۔ لفظ ہیں یا بیضہ کی تختی پر نیلم کے نگین جڑے ہیں۔ مینار آسمان کی طرف تعجب کا ہاتھ اُٹھا دیے ہے۔ کہ یہ خم دیکھئے! اور اس بارگاہ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ اور دم دیکھئے۔ محراب کا اشارہ یہ ہے کہ پہلے حواس کو یہاں طاق پر رکھ جایئے تب آگے قدم بڑھایئے۔ پس جو ادھر چوکھٹ لانگنے کی ہزیمت ہوئی۔ تو ادھر عقل اور حکمت کو شکست ہوئی۔ سیر سے سیر ہونا تو کلہ کے

Marfat.com

ہاتھ ہے۔ لیکن حیرت یہاں ہر قدم کے ساتھ ہے۔ سب کے پہلے بہار کے علمدار بڑی شوکت اور شان کے ساتھ نظر پڑتے ہیں۔ یعنی دو رویہ سرو کے درخت نیک بخت جوان کی طرح حسن کے جوبن سے اکڑتے ہیں۔ زمرد کے جھاڑ کی تو کیا حقیقت ہے؟ جو اُس کے ساتھ تشبیہہ دُوں، مگر ہاں لکھوں تو یوں لکھوں کہ اچھے اچھے سبز پوش ہر قطار میں کھڑے ہو کر ناز و انداز سے انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ یا غلمان بہشت سے آکر آسمان کو اس باغ کی خوبیوں کی خبر دے رہے ہیں۔ نشو و نما جو ہر چیز کو بڑھاتی ہے شاید سروہی کے لباس میں کمر بستہ یہاں آتی ہے۔ یا آب و ہوا کی لطافت سے سرو کے پر وے ہیں۔ آپ ہی بڑھی جاتی ہے۔ دونوں قطار کے درمیان جو ایک حوض زمین دوز اور طویل ہے۔ گویا نی سبیل اللہ سبیل ہے۔ صاف پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں ہر سرو کے مقابل ایک ایک فوارہ چھوٹ رہا ہے۔ اُدھر سرو نے زمرد کے فوارہ کا نقشہ اڑا لیا۔ اِدھر پانی کے فوارے نے ہیرے کو پانی کر کے بہا دیا۔ بعد اس کے ایک مربع حوض جو بہت سُتھرا ہے۔ نہایت خوبصورت اور خوشنما ہے۔ آئینہ اُسے دیکھ حیرت میں آتا ہے۔ نگاہ کا قدم پھسلا جاتا ہے۔ بہشت کی نہر اُس کا خزانہ ہے۔ آئینہ اُس کا آبدار خانہ ہے۔ بلکہ آئینہ میں یہ روانی کہاں؟ اور وہ موجوں کی سلسلہ جنبانی کہاں؟ پانی اُس کا دُودھ سے زیادہ مصفا ہے۔ برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔ چونہ جو شیر خشت ہو جاتے تو روا ہے پھر جو یخ در بہشت بن جائے تو بجا ہے۔ چاروں طرف سے فوارے چھوٹتے ہیں گویا آسمان سے تارے ٹوٹتے ہیں۔ پانی کی زمین سے پانی کا درخت نکلنا اور پانی ہی کے پھل پھُول سے پھُولنا۔ پھلنا خدا کی قدرت ہے۔ آئینے کے چشمے سے موج کا کھڑے ہو کر چلنا اور ہوا کے ساتھ زور کر کے اُچھلنا عجب حکمت ہے۔ عقل نے جیب فکر کے دریا میں غوطہ لگایا تو روضے کے اُدھر حوض کے واقع ہونے کا سبب یوں سمجھ میں آیا۔ کہ نگاہ پہلے اُس میں نہا کر پاک ہولے تب روضے کے طواف کی آرزو کرے۔ اور ناطقہ پہلے اُس کے پانی سے کلیاں کر کے منہ صاف کر لے تب بہار کی صفت میں گفتگو کرے۔ اس حوض کی یاد میں دریا کی پسلی پھڑکتی ہے۔ سینے میں آگ بھڑکتی ہے۔ جوش کھا کر دیکھنے آتا ہے

Marfat.com

مگر دیوار سے سر ٹکرا کر پھر جاتا ہے۔ جس طرف آنکھ اُٹھائیے۔ اور جدھر خیال دوڑائیے۔ بیلا چنبیلی، مونگرا، موتیا، چنپا، جوہی، کیتکی، کیوڑا، گلاب، سدابہار، گیندا، داؤدی، گل عباس، گل مہندی، نازبو، گل رعنا، گل فرنگ، گل چاندنی، شبّو، کلغا، سیوتی دوپہری، سورج مُکھی، لالہ نافرمان، سوسن، ہزار زبان، نرگس حیراں، قسم قسم رنگ برنگ کے پھول پھُول رہے ہیں، پیارے سہانے درختوں پر صبح شام کی دھوپ چھاؤں کا عالم، پتوں پر شبنم کی طراوت اور نم، ڈالیوں پر چڑیوں کا غُل۔ پریوں کی آپس میں چھیڑ چھاڑ، اور جوانوں کے غول، ہمجولیوں کی ہنسی اور ٹھٹھول۔ کہیں گل کے قہقہے، کہیں بُلبل کے چہچہے ہیں۔ مور اُدھر شور کرتا ہے۔ اِدھر مستوں کا جنون زور کرتا ہے۔ کوئل وہاں کوک اُٹھتی ہے۔ سینہ میں یہاں ہوک اُٹھتی ہے۔ اِدھر حیات کے جامہ کی اُدھیڑ بُن ہے، طوطی کی جو بات ہے۔ گویا نبات ہے۔ مینا کو شیریں کلامی سے کام ہے، ناکامی کا کام ہی تمام ہے جگنوں کا چمکنا، باغ کا مہکنا، دونوں وقت کا ملنا، شبّو کا لہکنا، سنبھل کا بال بکھیرنا، مچھلیوں کا حوض میں تیرنا، ہوا کا چلنا، دل کا مچلنا، سبزی کا لہلہانا، چڑیوں کا چہچہانا، شفق کا پھولنا۔ گلزار خیال کا تماشا دکھانا ہے۔ یہ سماں دیکھ کر کوئی پھول سا پھولا نہیں سماتا، کوئی بوئے گل کی طرح گریبان پھاڑ کر نکلا جاتا ہے بیلا بے لاگ دل کو کھینچتا ہے چنبیلی کی البیلی دھج پر روح شیدا ہے۔ مہندی کی ٹہنیوں پر چاندنی لوٹ پوٹ ہے جس کی بہار سے چاند کے جگر میں داغ اور دل پر چوٹ ہے لالہ لعل سے بہتر، سبزہ زمرد کا ہمسر کیاریوں کے کنارے کی ہری دوب کا شانی مخمل سے زیادہ خوب و مرغوب، درختوں کے تھالے ہیں یا دودھ کے بھرے ہوئے پیالے ہیں آبشار ہے یا آئینہ بہشت بدلوا رہے، پانی کی چادر پر جو نقش و نگار ہے۔ قلم قدرت کا یادگار ہے، نہر کی جو ایسی اٹکھیلیوں کی چال ہو۔ تو دل کیونکر نہ پامال ہو، مہتاب سرو کے ساتھ ہم آغوش ہے، یا کوئی جوانِ سبز رنگ بادلہ پوش ہے۔ گلنار کو دیکھ کر لعل انگاروں پر لوٹتا ہے۔ سبزے کے رشک سے زمرد زہر کھاتا ہے، یہ لالے ہیں، یا آتش کے پرکالے ہیں جس کے دیکھنے سے جینے کے لالے پڑتے ہیں، اور دل ہی دل

Marfat.com

ہیں داغ بڑھتے ہیں۔ چاندنی نے سبزے میں کھیت کیا ہے یا سبز مخمل پر مقیش کتر کے چھڑک دیا ہے۔ کلکی کو قلم کر کے ایسا برابر کیا ہے۔ کہ اُس کے پتے اور پھولوں سے گویا سبز اور سُرخ بوٹیوں کا غالیچہ بچھا دیا ہے۔ مولسری کی بھینی بھینی خوشبو ہے۔ تو صبا کو اسی کی جستجو ہے۔ یہ ہار سنگھار کی گلکاریاں ہیں یا آگ کی چنگاریاں ہیں یہ بہوٹیاں رینگتی ہیں، یا یاقوت کا خون بہ چلا۔ لالہ زار چمن میں کھلا، یا چنار سے شعلہ نکل پڑا اگر آب و ہوا کی لطافت یہی ہے۔ تو موتی صدف سے نکل کر کلیوں کا روپ دکھلائیگا اور مچھلی کا کانٹا سرسبز ہو جائیگا۔ میوے کا نام زبان پر آیا۔ اور حلاوت کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ کولا، سنگترہ، رنگترہ، چکوترہ، نارنگی، لیمو، زرد آلو، شفتالو، انار، سیب، بہی، انگور، انناس، ناشپاتی، کیلا، بیر، کمرکھ، شریفہ، کٹھل، بڑھل، انبہ، املی، جامن، پھالسہ، امرود، شہتوت، پونڈا، کھرنی، کوئی پھل ایسا نہیں جو اس باغ میں نہ ہوتا ہو، اور ساگ ترکاری سے لے کر جڑی بوٹی تک کوئی ایسی شے نہیں۔ جسے باغباں نہ بوتا ہو۔ کہیں کھوئے سنگترے سے چمن کا چمن آگ بھبوکا ہو گیا کہیں فالسے کی رنگت سے زمیں کا دامن اودا ہو گیا۔ سیب سے آسیب کی زحمت دفع ہو جاتی ہے۔ بہی بدن میں فربہی لاتی ہے۔ ناشپاتی سے رُوح راحت پاتی ہے انار نے خلق کے مُنہ یاقوت اور موتیوں سے بھر دیئے۔ نازنینوں کے دانت کھٹے کر دیئے اونی میوہ یہاں کا اخروٹ ہے۔ جس پر ستاروں کا دل لوٹ پوٹ ہے۔ آسمان دن رات سو سو طرح تاک جھانک میں رہا تب انگور کی ٹٹی سے ایک خوشہ پروین کا کچھالے چرا سکا۔ رسویا وصف اس پختہ کاری کے اب تک پکا نہ سکا۔ کیلا یہاں ایک ایک گود میں ہزار ہزار پھلتا ہے۔ تاہ نو وہاں آسمان پر اکیلا نکلتا ہے۔ اس زمین کا اگر خربوزہ یا سردا ہے۔ پوست میں مغز اُس کا حلوا ہے۔ ہندوانہ مرغِ رُوح کا آشیانہ ہے جس میں ایک ہی جگہ موجود آب و دانہ ہے۔ شہتوت تمام عالم کا قوت۔ انجیر بالکل شکر و شیر۔ امرود حلوے بے دود، انبہ نازنینوں کے ہونٹوں پر مہر خاموشی ہے۔ کہ میرے سامنے شیرینی کا دعوٰی ناحق کوشی ہے۔ دوات قلم کی زبان چوستی ہے

Marfat.com

گویا نیشکر ٹھہرایا۔ قلم کاغذ کو چاٹتا ہے۔ آپ چیونٹا بنا۔ اور اُس کو مصری بنایا۔ مالی ڈالیاں سروں پر لئے جا بجا کھڑے ہیں۔ انعام کے لئے اڑے ہیں، کوئی پھولوں کا ہار لاتا ہے کوئی گلدستہ دور سے دکھاتا ہے پھر جو۔ روضہ نظر آیا۔ تو وہ سماں آنکھوں میں سمایا۔ کہ نہ دیدہ نے خواب کی آنکھوں سے کبھی دیکھا، نہ شنیدہ نے خیال کے کانوں سے کہیں سنا الٰہی یہ روضہ ہے یا خلدِ بریں، آسمان ہے یا زمین۔ سنہرا کلس ہے یا سورج کی کرن، گنبد ہے یا نور کا مسکن۔ قبرستان ہے یا روضۂ رضواں۔ مکان ہے یا جواہرات کی کان۔ جو پتھر ہے جواہرات سے بہتر ہے۔ صبح نے مرمر کے ایسی صفائی پائی۔ تب سنگِ مرمر کی صورت بنائی۔ سنگِ موسیٰ کو شعلۂ تجلّی نے طور پر جلایا۔ تب اس درگاہ کے صرف میں آیا۔ کلس کا سایہ دریا میں ایسا رہتا ہے۔ جیسا برجِ آبی میں آفتاب، حوض میں چاند ایسا نظر آتا ہے۔ جیسا دریا میں حباب۔ دیوار میں منہ نظر آتا ہے۔ گویا آئینہ ہے۔ جلا کیسا ہوا۔ گنبد سے دماغ تازہ ہوتا ہے۔ گویا قرابہ ہے گلاب سے بھرا ہوا۔ صبح کی طباشیر استرکاری کے صرف میں لائی گئی۔ جو اب تک وہی نور کا عالم دکھاتی ہے۔ رات کا مشک اور شفق کی زعفران پیس کر گارے میں ملائی گئی۔ جو آج تک وہی خوشبو دماغ میں آتی ہے۔ آفتاب کے ترنج کا عرق نچوڑ کر ماہتاب کے پیالے میں موتی کی آب سے ملایا تھا۔ جو چونے میں یہ نور اور ایسی صفائی ہے۔ بہشت کے کافور کو شفق کے ساتھ آفتاب کی کھرل میں پیس کر صبح کے دامن میں چھانا تھا۔ جو رنگ نے یہ آب و تاب پائی ہے۔ جالیوں کی نزاکت میں عقل کام نہیں کرتی۔ کہ پتھر کو موم کرکے بال کا قلم پار کر دیا۔ یا خیال کا جالا سمجھ کر نگاہ کی نوک سے جیسا چاہا کام بنا لیا۔ ہر ایک جالی میں وہ ملاحت ہے کہ دیکھنے میں پتھر کی حالت ہے۔ کاغذ کی وصلی پر حرفوں کا ابھراپن تو معلوم بھی ہوتا ہے۔ یہاں پتھر پر پتھر کی پچی کاری کا نہ جوڑ نظر آتا ہے۔ نہ پیوند اور نہ جوڑ کہیں سے پست ہے نہ بلند۔ بس کر شہید بس کر۔ اب لکھنے کی مت ہوس کر۔

Marfat.com

خان بہادر منشی غلام غوث بیخبر

آپ کا نام منشی غلام غوث ہے۔ اور بیخبر تخلص ہے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ سلطان زین العابدین شاہ، کشمیر کے رہنے والے تھے۔ اور حکومتِ مغلیہ میں ان کے بزرگ عہدہ ہائے قضائے کشمیر پر مامور ہوئے۔ ان کے والد خواجہ حضور اللہ ترکِ وطن کر کے تبت چلے گئے۔ وہاں سے ریاست نیپال میں آئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ چنانچہ بیخبر ۱۲۴۰ھ میں وہیں پیدا ہوئے۔ ان کی چار برس کی عمر تھی۔ کہ والد اور نانا کو گردشِ زمانہ نے پھر ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ اور اس مرتبہ بنارس میں طرحِ اقامت ڈالی۔ یہیں سنِ شعور کو پہنچے اور تعلیم کا سلسلہ تکمیل کو پہنچا۔ ۱۸۴۰ء میں ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں میر منشی نواب لفٹننٹ گورنر اضلاعِ شمال و مغرب (یو۔پی) کے نائب مقرر ہوئے۔ انہیں ایام میں لارڈ ایلن برا نے گوالیار پر چڑھائی کی۔ تو یہ گورنر جنرل کے منشی خانہ میں منسلک ہو کر شریکِ مہم ہوئے اور جنگ کے خاتمہ پر بصلۂ کارگزاری خلعت پایا۔ پھر کئی سال بعد اپنے خالو کی بجائے میر منشی مقرر ہوئے اور ۱۸۸۵ء تک برابر اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اور حکام میں اعلیٰ درجہ کا اعتبار اور وقار حاصل کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں سند و خلعتِ ہفت پارچہ مرحمت ہوا۔ آپ کو ملکۂ معظمہ (ملکہ وکٹوریہ) کے خطابِ شاہی اختیار کرنے پر تمغۂ قیصری ملا۔ ۱۸۸۵ء میں ۴۵ سال کی ملازمت کے بعد آپ نے پنشن لی اور خطاب خان بہادر و دا لقد سے مخاطب کئے گئے۔

شاعری اور انشا پردازی میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ اور آپ کے تعلقات مرزا غالب مرحوم سے دوستانہ تھے۔ دو تصنیفیں خونابۂ جگر اور فغانِ بیخبر آپ سے یادگار ہیں۔ پیرانہ سالی میں ۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا۔

Marfat.com

بیخبر کی انشاپردازی

ذیل میں بیخبر کی انشاپردازی کا نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے :-

صبح

"رات آخر ہوئی، صبح صادق کا جلوہ نظر آنے لگا۔ ستارے جو رات کی تاریکی میں چمک دمک دکھا رہے تھے ۔اپنی روشنی کو پھیکی دیکھ کر شرمائے اور آہستہ آہستہ غائب ہوئے۔ جیسے چور نور کا تڑکا ہوتے ہی اپنے اپنے ٹھکانے کو بھاگتے ہیں۔ شب کی سیاہی کا رنگ اُڑا، مشرقی اُفق پر سفیدی نمودار ہوئی۔ گویا محبوب صبح نے رات کے سیاہ بکھرے ہوئے بالوں کو چہرے سے سمیٹ لیا۔ اور اُس کی نورانی پیشانی نظر آنے لگی۔ نسیم سحری معشوق کی طرح خوش خرامی کرتی ہوئی چلی، نرم نرم شاخیں درختوں کی، مستوں کے مانند جھومنے لگیں۔ جانوروں نے چہچہانا شروع کیا۔ باغ میں غنچے کھلنے لگے، جیسے نیند سے کوئی آنکھ کھولے، دریا میں پتلی پتلی لہریں پڑیں، کاتب قدرت نے قلم شعاع سے زرنگار کرنے کے لئے صفحۂ آب پر مسطر کیا۔ شاہی نوبت خانے کے کوس و دُہل کی آواز بلند ہوئی۔ اُس کی سریلی آواز سے لوگ نیند سے چونکے اور اپنے اپنے کام سے لگے۔ میکدہ کا دروازہ کھلا مغبچوں نے صحن میخانہ کی رفت و روب کی۔ پیر مغ نے صراحی اور ساغر سنبھالا۔ میکشوں نے شب کے خمار کی سرگرانی دفع کرنے کی غرض سے صبوحی کی فکر میں اُس طرف کی راہ لی۔ اُدھر مرغ نے اذان دی۔ ادھر مؤذن بھی اپنے ڈربے سے نکل صحن مسجد میں آکھڑا ہوا۔ اُس کے گلے سے گلا ملانے لگا۔

یہ سُنکر رات بھر کے جاگے ہوئے عابد انگڑائیاں لے کر سجادہ پر سے اُٹھے جُبّہ اور عمامہ سنبھال عصا ہاتھ میں لے مسجد کی راہ ناپنے چلے۔ بتکدہ میں گھنٹے اور ناقوس بجے، برہمنوں نے پھول اور سیندور بتوں پر چڑھا کر بھیروی بھجن گانا شروع کیا۔ صنم پرستوں نے سجدۂ بت کے لئے آمادہ ہو کر بیت الصنم کا ارادہ کیا۔"

دوپہر

دوپہر کا وقت ہوا، آفتاب سمت الراس پہ آیا، زمین تپنے لگی۔ پاؤں رکھتے ہوئے خوف آتا تھا کہ چھالے نہ پڑیں۔ بیٹھے ہوئے جی ڈرتا تھا کہ سانس کی گرمی سے لب

Marfat.com

پر تجلانے نہ پڑیں آسمان سے وہ آتشبازی ہونے لگی کہ ہوا نے شعلہ جوالہ کی صورت پیدا کی۔ خاک کے ذروں نے چنگاریوں سے ہیئت بدلی جانوروں نے ڈر سے اڑنا موقوف کیا کہ جسم جل کر کباب نہ ہو۔ زمین کی دہشت سے سکتہ کی حالت ہوگئی کہ دھوپ کی گرمی سے پگھل کر آب نہ ہو۔ دوکانداروں نے دوکانوں کے تختے لگا دئے۔ اور اسکی آڑ میں پڑ رہے۔ لوگوں کا گھروں سے نکلنا، چلنا پھرنا بند ہوا بازاریں سنسان ہوگئیں دن نے رات کا سناٹا پیدا کیا۔ شہر شہر خموشاں کا نقشہ بن گیا۔ چوپائے سائے میں کھڑے ہو کر ہانپنے لگے، ہر درخت شکل چنار ہوگیا۔ دھوپ کی تابش سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ کھڑا جل رہا ہے گھاس مرجھا کر زمین سے ایسی لپٹ گئی۔ جیسے کسی نے کاٹ کر ڈال دی ہو حوضوں کا پانی ایسا گرم ہوگیا کہ مسجدوں پر حماموں کا گمان ہونے لگا۔ موذنوں نے چپکی سادھی۔ عابد بھی عبادت چھوڑ کر قیلولہ کی سنت ادا کرنے کے بہانے سے لیٹ رہے۔ برہمن بتخانے کے کونے میں یوں خاموش ہوکر بیٹھا۔ کہ بت بن گیا۔ میکدہ میں مغ زانو پر سر رکھ کے اس شکل سے ہو بیٹھا کہ معلوم ہوتا تھا مٹکے پر پیالہ اوندھا دیا، غریبوں نے اپنے گھروں میں گھاس کی ٹٹیاں لگالیں۔ مٹی کی صراحیوں پر کپڑا بھگو کے لپیٹ دیا۔ امیروں نے تہ خانوں میں آرام فرمایا۔ خس کی ٹٹیاں چھڑکی جانے لگیں، فرشی پنکھے کھینچنے لگے۔ خس کی خوشبو سے ہوا کے جھوکوں پر لخلخہ کا یقین آنے لگا۔ صراحیاں برف میں لگائی گئیں۔ شربت کی قفلیاں جمائی گئیں۔"

شام

"دن تمام ہوا، جھٹ پٹے وقت نے رات کی آمد کی خبر دی، مغربی گوشہ سے تاریکی کا جوش ہوا۔ جیسے پہاڑ کے غار سے سیاہ ابر امنڈے آفتاب دن کا تماشا ختم ہونے سے ایسا اداس ہوا۔ کہ منہ پر زردی چھاگئی۔ بادل ناخواستہ مغرب کو چلا، لیلائے لیل نے شرم سے کہ آفتاب جاتے ہوئے اسے دیکھ نہ لے، سیاہ نقاب منہ پر ڈالا۔ ہوا جو دن بھر زور سے چل رہی تھی، دھیمی ہوئی اور تھکے ہوئے مسافر کی طرح آہستہ آہستہ چلنے لگی، درختوں کے پتوں نے کھڑکھڑانا، دریا کے پانی نے لہرانا موقوف کیا، پلے ہوئے جانور جو دن کو چراگاہ کے صحرا میں کلیل کر رہے تھے ان کو زندگی کا

نصیب ہوا۔ جنگلی چوپایوں نے درختوں کے سایہ اور پہاڑ کے غاروں میں پناہ لی۔ طیور نے فضائے آسمان سے منہ موڑ کر کسی نے اپنے آشیانہ کو رُخ کیا۔ کسی نے درخت پر بسیرا لیا۔ مسجدوں میں قندیلیں روشن ہوئیں۔ بتکدوں میں سانجھی دی گئی۔ میخانوں میں خُم نے ثبات اور ساغر نے گردش سے ثوابت و سیّار کے نقشے دکھائے۔ قدح نے ماہِ تمام کا کام کیا۔ وہ روشنی پھیلائی کہ وہاں اندھیرا ہونے نہ دیا۔ آسمان پرستاروں نے چراغاں کر دیا۔ چراغوں نے اپنی روشنی سے زمین کو آسمان بنا دیا۔ مسافرِ دن بھر کے تھکے سرایوں میں آ پڑے۔ اُن کی دن بھر کی تھکائی آخر روز کا اضطراب کہ راہ میں رات نہ ہو جائے، منزل پر پہنچنے کی جلدی، سرائے میں ناجنسوں کی ہمسائگی، بھٹیاروں کی نازبرداری، گھر کا دھیان، اہل و عیال کا خیال، وطن کی یاد، یارانِ وطن کا تصوّر، دل کی شکستگی ایک قیامت تھی۔ اس مزے کو وہی جانتا ہے جس نے کبھی اپنی صبحِ وطن کو شامِ غربت سے بدلا ہے"

شہید کی انشائے بہارِ بے خزاں کی تقریظ

"مردمِ دیدہ آج گھر بیٹھے بہشت کی سیر کرتے ہیں۔ اللہ اللہ عنوانِ قرطاس پر کیسا جوشِ بہارِ معانی ہے! تارِ نگاہ میں بے تکلف موتی پروئے جاتے ہیں۔ واہ دا کلکِ گہربار کی کیا دُرافشانی ہے! سبحان اللہ کیسی انشا ہے جس کے دیکھنے سے یہ لطف اُٹھتا ہے۔ کتاب ہے یا گلزارِ بے خزاں، جس صفحہ کو دیکھئے حاشیہ فردوس کی روشوں پر حاشیہ لگتا ہے، جدول کے نہلوں پر سلسبیل اور کوثر کا جی پانی پانی ہوتا ہے۔ سطریں سنبلستاں ہیں، الفاظ گلستاں ہیں، حرف کی کششوں پر سرو اور شمشاد کا یقین ہوتا ہے۔ دائروں سے نرگستاں آنکھوں کے تلے پھر جاتا ہے۔ حرفوں کی سیاہی سے کاغذ کی سفیدی وہ کیفیت دکھاتی ہے۔ گویا درختوں سے چاندنی نے کھیت کیا ہے۔ کاغذ کی سفیدی پر حرفوں کی سیاہی کی وہ بہار نظر آتی ہے۔ جیسے صحنِ باغ پہ بادل چھا رہا ہے، وہاں قوتِ نامیہ سے درخت ہر سال پھولتے پھلتے ہیں۔ یہاں فکرِ رسا کہ سب دیکھئے فقراتِ برجستہ سے معانیِ تازہ نکلتے ہیں مجموعہ ہے یا گنجِ شایگاں۔ ہر باب میں ایسے بے بہا جواہرات

کے بھرے ہیں۔ کہ جسے دیکھ کے جوہری عقل کی عقل چکراتی ہے۔ ہر فصل میں اتنے نقد کارِ عیار دانش کے انبار دھرے ہیں۔ کہ مقدار اُس کی صیرفیِ ذہن کے ذہن میں نہیں آتی یہ وہ جوہر ہے۔ جس کے پرکھنے کو سویدائے دل محک ہو۔ تو زیبا ہے۔ شہرِ علم کے مفلسوں کو صلائے عام ہے۔ کہ اس کی سیر کو آنکھیں کھولیں۔ دامنِ نگاہ میں موتی رولیں۔ دیارِ دانش کے ناداروں کو اجازت تام ہے۔ کہ اس گنجینہ کے دیکھنے کو آئیں۔ جتنا حوصلہ ہو اُٹھائیں خالی ہاتھ نہ جائیں۔ کتاب ایسی کیوں نہ ہو جب مصنف اس کا وہ ہے۔ جس کی فصاحت نے سحبان کے مُنہ میں قبر کی مٹی سے خاک بھری۔ اور جس کی جادو بیانی نے سحر بابل کی قدر مٹی کی یعنی فاضلِ بے بدل۔ عالمِ عدیم المثل، منشی اعجاز نگار، شاعرِ سحر گفتار مولانا غلام امام شہید جن کا ثانی فضل و کمال میں نہ دید ہے نہ شنید تحریر عربی سے اُن کی اعشیٰ اور جریر کی پیٹھ قبر میں نہ لگی تھی نثر فارسی سے ظہوری اور طغرا خوابِ عدم میں چین سے نہ سوئے تھے۔ شعر نے انوری کو بے نور۔ خاقانی کو گدا کر دیا تھا۔ اب ان کی اردو سے سودا کی رُوح کو سودا ہوگا۔ میر اپنا مرنا غنیمت جانیگا۔ ہوس کو پہلے ہی خوب سوجھی۔ جو یہ تخلص اختیار کیا یعنی در پردہ معذرت چاہی۔ کہ میں تو ہوس کرتا ہوں کمال حق اور کسی کا ہے۔ سوز کو بھی اُن کی خبر پہنچ گئی تھی۔ کہ آتشِ رشک سے جل کر یہ تخلص اپنے حسب حال رکھا۔ ناسخ اب ہوتا تو منصفی سے تخلص اپنا منسوخ مشہور کرتا۔ آتش نہ مرتا تو کیا کیا جلتا؟ ان کی اس نثر نے رتبہ نظم کا کھو دیا۔ اُستادوں کا سفینہ دریا میں ڈبو دیا۔ سچ تو یوں ہے۔ کہ اُن کی حیثیت اور اردو نویسی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس پر بھی اگر تفنن طبیعت کے لئے ادھر کچھ میل کرتے۔ تو ایسی لکھتے۔ کہ اُن کی اردو کے سامنے علاقی اپنا انشا سے خطِ غلامی لکھتا۔ بہارِ دانش کی بہار پر خزاں کا وقت آجاتا۔ سہ نثر ظہوری کو لوگ چھپا ڈالتے۔ طغرا کی تحریر کو خطِ باطل کی طرح مٹا ڈالتے۔ پر اس سے مجبور ہوئے۔ کہ فرمائش نثر ہماری کی تھی۔ گو انہیں اُس سے عار تھا، پر حکم ماننا ناچار تھا۔ لیکن دوست جانتے کی جا ہے۔ کہ اس سادگی میں سیکڑوں طرحداری کا مزا بھرا ہے۔ اپنے نہ دیکھ کو کچھ نہ لکھا ہو۔ پر کیا کچھ لکھا ہے۔ اگر انصاف کیجئے۔ تو ایسی کتاب اب حد

Marfat.com

میں آج تک کوئی نہیں ہوئی۔ اردو کو رتبہ فارسی کا بخشا ہے۔ اردو نویسوں کو سامان انشا پردازی کا عطا کیا ہے، اس کی بدولت ہر ایک اردو نویس اب ایسا منشی یکتا ہے۔ کہ فارسی اُستادوں کو اُن کے آگے سکتا ہے۔ ان میں سے کب کوئی ویسا لکھ سکتا ہے۔ بلکہ یہ کتاب اردو نویسوں ہی کے حق میں مفید مطلب نہیں ہے، ہر ایک قاعدہ اس کا فارسی والوں کے حق میں بھی اکسیر کا نسخہ ہے۔ مصنف نے جو اس کتاب کی تصنیف عاجز کی تکلیف دینے سے اختیار فرمائی، میری زبان میں کیا تاب و تواں ہے کہ اس کا شکر ادا کروں۔ یہ تقریظ تو کیا اگر دفتر کے دفتر لکھوں، ایک حرف ادا نہ ہو، اس لئے دُعا پر ختم کرتا ہوں۔ الٰہی! جب تک معنی سخن میں اور سخن حرف میں، حرف خط میں اور خط جانِ قالبِ کتاب میں ہو دانشمندوں کا تعویذ جان اس کتاب کا ہر ایک باب ہو، یہ دعا بخیر کی مستجاب ہو۔"

مؤلف کی رائے

تقریظ کیا ہے بالکل قصیدۂ مدحیہ ہے، تعریف کرنا اور خوبیاں دکھانا قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ زمین آسمان کے قلابے تو ملائے جاتے ہیں۔ مگر اتنا بھی نہیں لکھا جاتا۔ کہ اس کتاب میں کیا کیا مضامین درج ہیں۔ اور مصنف نے کن مباحث پر قلم اُٹھایا ہے۔ کیا کیا خاص خوبیاں ہیں اور کیا کیا جدّت طرازیاں ہیں۔ یہ تعریف انشائے بہارِ بیخزاں کے کے لئے مخصوص نہیں۔ اگر کتاب کا نام اور مصنف کا نام بدل دیا جائے۔ تو ہر کتاب کے لئے جو اچھی ہو موزوں ہو سکتی ہے۔ اگر یہ امر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اُس زمانہ میں تنقید کا رواج نہ تھا۔ اور تعریف ہی تعریف مقصود بالذات تھی۔ تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہمارے ان بزرگوں کو محض تعریف کرنا بھی نہیں آتا تھا۔ وہی فصاحتِ سحبان اور سحرِ نثرِ ملا ظہوری کی تشبیہ زبان پر چڑھی ہوئی تھی۔ اور وہی مستعمل اور متداولہ الفاظ و فقرات قلم سے نکلتے تھے۔ دراصل ان لوگوں کی نظر بالکل سطحی تھی۔ اور ژرف نگاہی معدوم تھی۔ ہاں اِس دَور کے مصنفین میں مرزا غالب اس عیب سے بری ہیں اُن کے خطوط دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی کتاب کی تقریظ میں مصنف کی ضرورت

Marfat.com

سے زیادہ تعریف نہیں کرتے تھے۔ منشی ہرگوپال تفتہ نے جن سے مرزا غالب کو بے حد یگانگت اور محبت تھی۔ اور اکثر ان کو مرزا تفتہ لکھتے اور بولتے تھے۔ اپنی کسی کتاب کی تقریظ کے متعلق مرزا غالب کو شکایتاً لکھا۔ کہ آپ نے تقریظ کچھ بھی نہ لکھی یعنی جو طریقۂ فرسودہ اُس وقت اپنانے روزگار کا تھا۔ آپ نے اُس کی تقلید نہیں کی۔ تو مرزا صاحب جواب میں لکھتے ہیں:۔

واللہ باللہ اگر کسی شاہزادے یا امیرزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو اس کی مدح اتنی نہ کرتا کہ جتنی تمہاری مدح کی ہے۔ ہم کو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔ قصہ مختصر تمہاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمہارے نام کا بدل کر اُس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بھٹئی میری روش نہیں (دیکھو خطوط مرزا غالب یا یادگار غالب)

خط مولانا غلام امام شہید کے نام

"قبلہ میری شوخی دیکھئے! یوسف کو آئینہ دکھاتا ہوں، خورشید کو روشنی کی حکایت سُناتا ہوں۔ گلزار میں پھول لے جاتا ہوں۔ ختن میں مُشک تحفہ بھیجتا ہوں۔ دریا کے سامنے روانی کے معانی بیان کر رہا ہوں، چاند کے روبرو ضو افشانی کا معمہ حل کرتا ہوں لعل کے حضور میں رنگ کی دُکان کھولتا ہوں۔ قند کے مواجہ میں شیرینی تولتا ہوں مسیحا سے کہتا ہوں۔ جاں بخشی کی روایت سُنیئے، موسیٰ سے تمنا کرتا ہوں۔ کہ ید بیضا کی چمک دیکھئے۔ یعنی حضرت کا دیوان مرتب کر کے آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں۔ میرے لئے اُس کے دیباچہ کا ارادہ کرنا ایسا تھا۔ جیسے ایک فقیر شاہی خزانوں کے اہتمام کا قصد کرے۔ ایک شیشہ گر ہیرا تراشنے کی آرزو میں مرے۔ اندھا چاہے کہ قدرت کے نظارہ سے حظ اُٹھائے۔ گونگا چاہے کہ فصاحت کا سکہ بٹھائے۔ مگر چونکہ غلبۂ شوق میں تمیز باقی نہیں رہتی۔ یہ خیال نہیں ہوتا۔ کہ میں کیا ہوں اور کیا کرتا ہوں۔ دیباچہ بھی لکھ ڈالا، وہ اُس کے قابل تو کا ہے کو ہے، آپ کے دیوان پر میرا دیباچہ ایسا ہے۔ جیسے موتی کی لڑی میں سنگریزہ کا آویزہ لگا ہو۔ یا زربفت کے قبا میں چھینٹ

Marfat.com

کا حاشیہ لگا - مانی کی تصویر کے گرد ایک نوشنق لکیریں بنا دے - سحبان کے کلام کی ایک ابجد خواں شرح لکھا دے - مگر اس نظر سے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے بدصورت کے مقابلے میں حسین کے حسن کو اور رونق ہوتی ہے شب تار میں شمع کی روشنی زیادہ ضیا دیتی ہے کھاری پانی پینے کے بعد قند شربت میں اور ہی مزا آتا ہے، صحرا نوردی کے بعد باغ کا لطف کہا نہیں جاتا ہے - خاطر مشکل پسند - پسند کرے تو ہو سکتا ہے - بیشک دیکھنے والوں کو اس کی برائی اُس کی خوبی زیادہ دکھا دے گی - ستارہ دیکھ کے جو چاند دیکھے - اُسے روشنی زیادہ نظر آئے گی - میری خوش طالعی ہے - اگر یہ قبول ہو، اُس کے لئے شرف ہے - اگر دیوان میں داخل ہونے کی عزت اُسے حصول ہو۔"

منشی عبدالکریم

آپ کا مولد و منشا، شہر لکھنؤ ہے - جس وقت کلکتہ میں عہدۂ میر منشی گری دفتر فارسی نواب گورنر جنرل بہادر سے ممتاز تھے - اُس وقت آپ نے مشہور کتاب الف لیلہ کے ترجمہ کا قصد کیا - لیکن اصل عربی کتاب میسر نہ آنے سے کچھ دنوں کے لئے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا - آخر پنشن لینے کے بعد ۱۲۶۵ھ میں آپ نے انگریزی ترجمہ سے اردو میں ترجمہ کیا - جو ۱۲۶۷ھ میں ختم ہو کر چھپا - بعد ازاں ۳۲ سال بعد ۱۲۹۵ھ میں بفرمائش مطبع نول کشور مطبع نظامی میں یہ الف لیلہ کا اردو ترجمہ طبع ہوا - اور مترجم نے اس مرتبہ عمدہ عمدہ تصاویر الف لیلہ انگریزی مطبوعۂ لندن سے لے کر ہر محل اور موقع پر شامل کیں تا کہ شائقین کی دلچسپی اور مسرت کا باعث ہو - ہمارے پیشِ نظر اس وقت مطبع مصطفائی کانپور کا چھپا ہوا نسخہ ہے - جو ۱۲۹۵ھ میں مطبوع ہوا ہے - آپ کا سنِ ولادت و وفات معلوم نہیں ہوا لیکن ۱۲۹۵ھ تک یقیناً آپ زندہ تھے -

اندازِ تحریر انداز تحریر عبارت آرائی اور رنگینی سے پاک ہے - اگرچہ مرزا رجب علی بیگ سرور کی مشہور کتاب فسانۂ عجائب شہرتِ عام و بقائے دوام کے

Marfat.com

دربار میں جگہ پا چکی تھی - مگر چونکہ آپ کا زیادہ تر تعلق کلکتہ سے رہا - اور آپ نے یہ کتاب اس غرض سے ترجمہ کی تھی - کہ صاحبانِ عالی شان کو پسند آئے - اور مدارسِ سرکار میں رواج پائے - اس لئے آپ نے دیباول کے اُن مصنفین کی تقلید کی - جن کا تعلق فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے تھا - اور سرور کی تقلید سے آزاد رہے ، چنانچہ آپ نے صاف صاف ، سیدھی سادی عبارت میں ترجمہ کیا - اور مقفیٰ و مسجع عبارت سے پرہیز کیا -

ہم دیباچہ سے بطور نمونہ کچھ عبارت نقل کرتے ہیں - اور یہی طرز آپ کی کتاب الف لیلیٰ میں ہر جگہ پایا جاتا ہے : -

جس طرح مطالعۂ کتبِ تواریخ سے عجائب و غرائبِ واردات اور حال سلاطینِ ماضیہ دانشمندوں کو موجبِ بصیرت کا ہر ایک امر میں ہوتا ہے اسی طرح کتب قصص اور حکایات سے کہ عاقلوں نے ہر ایک زبان میں واسطے تجربے اور تفریح خاص و عام کے تالیف کی ہیں - ہر ایک کو فوائدِ کثیر حاصل ہوتے ہیں - خصوصاً مبتدیوں کو کہ قصد زبان دانی کا رکھتے ہیں - ایسی کتابوں سے مہارت لکھنے اور پڑھنے اور بول چال کی ہو جاتی ہے - اور راقم اثیم کو . . . ابتدائے شعور سے کمال شوق دیکھنے کتابوں قصے کہانی کا تھا - اور سب قصوں میں تمنا الف لیلہ کی زیادہ رہتی تھی - اور وہ عربی میں الف لیلۃ و لیلۃ یعنی ایک ہزار ایک رات ہے . . . . وہ کتاب سوا دو سو رات کے کہ جس کو شیخ احمد عرب یمنی شروانی نے واسطے پڑھانے صاحبانِ عالی شان کالج کلکتہ کے بکمال تلاش عرب سے منگوا کر چھپوایا تھا - میسر نہ آئی - آخر کار جب راقم بسبب شدت امراض کے ، بعد تقرر پنشن بیت السلطنت لکھنؤ میں کہ مولد اپنا ہے - خانہ نشین ہوا - وہ نسخہ تمام و کمال انگریزی زبان میں مع تصویرات بہم پہنچا - راقم نے اُس کو اوّل سے آخر تک بسبب استعداد سمجھنے انگریزی کے دیکھا - ازبسکہ قصے دلچسپ تھے - دو برس تک اُس کا ترجمہ کرتا رہا - اور ۱۲۵۸ھ میں تمام کیا - شہر میں شہرہ ہوا - اکثر لوگوں نے منگوا کر نقل اُس کی لی ، کہ مسودہ راقم کے گھر رہا ، دست بدست پھر گیا - چنانچہ پانچ سات جو تلف ہوئے - راقم کو اُس کے لکھنے میں دوبارہ تکلیف کرنا پڑی - اور طلب کرنے احباب سے

Marfat.com

نہایت تنگ آیا، جس کو نہ دیتا وہ خفا ہوتا۔ اور دینے میں اپنی کتاب سے ہاتھ دھوتا آخر کو خیال ہوا کہ یہ کتاب چھپ جائے تا سب کے ہاتھ آئے۔ اور راقم بھی ایک ایک نسخہ اُس کا عزیزوں اور دوستوں کو بانٹے۔ فقط اسی واسطے راقم نے جس طرح ہو سکا بیچ عہد معدلت مہد پادشاہِ جم جاہ، خاقانِ زماں ابوالظفر مصلح الدین محمد امجد علی شاہ بادشاہ غازی ملکِ اودھ خلد اللہ ملکہٗ اور وزارت وزیرِ اعظم نواب امین الدولہ عماد الملک امداد حسین خاں بہادر ذوالفقار جنگ دام اقبالہٗ کے چھپوایا۔ اور سنہ ہجری طبع اس کتاب کے ۱۲۶۳ھ اور عیسوی ۱۸۴۷ء ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ”

گارساں دتاسی[1]

د تاسی ۱۷۹۴ء میں فرانس کے جنوبی بندرگاہ مارسیلز میں پیدا ہوا۔ اکتساب تعلیم مروجہ کے بعد ۱۸۱۷ء میں جبکہ اُس کی عمر تیئس سال تھی۔ اُس کو مشرقی زبانوں کے حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ اور وہ اس غرض سے پیرس چلا گیا۔ وہاں موسیو سلوستر دی ساسی سے مشرقی زبانوں کی تعلیم حاصل کی اور اُس کو بہت جلد عربی اور ترکی زبانوں پر دسترس حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اُس نے فرانسیسی میں ان زبانوں کے اکثر ترجمے شائع کئے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ان زبانوں کو بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے بعد اُس نے فارسی زبان سیکھی۔ اور وہ اس زبان سے اس قدر متاثر ہوا۔ کہ اُس نے چند عمدہ فارسی کتابوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا۔ مثلاً منطق الطیر کا ترجمہ۔ لطف یہ کہ دتاسی نے اس کتاب پر ایک مقدمہ لکھا۔ اور اس میں ایرانیوں کی فلسفیانہ اور مذہبی شاعری پر بحث کی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ فارسی کتابوں کے مطالعے نے اُس میں تصوف کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ تمام عمر صوفیہ کے عقائد اور متعلقہ مسائل

---

[1] یہ تمام و کمال حالات گارساں دتاسی مولفہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور سے ماخوذ ہیں۔ تنہا

کا مطالعہ کرتا رہا۔ فارسی کے بعد اُس نے اُردو کی طرف توجہ کی اور اِس زبان کی حمایت و اشاعت میں کارِ نمایاں انجام دیئے جن کا احسان اُردو بولنے والوں پر ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ دتاسی کا انتقال آخر ۱۸۷۸ء میں ہوا۔ وہ ایک ان تھک محنت کرنے والا انسان تھا۔ اس کی تمام عمر پُر خلوص علمی خدمت میں گزری۔ فرانس میں اس کی کما حقہٗ عزت افزائی ہوئی۔ وہ فرانس کی رفیع الشان مجلس کا رکن بنایا گیا۔ پرتگال سوئیڈن اور ہندوستان سے بھی اُس نے خطابات حاصل کیے۔

دتاسی کی تصنیفات

(ا) تراجم

(۱) منطق الطیر فارسی

(۲) مثنوی اژدر نامہ میر تقی میر مطبوعہ ۱۸۲۶ء — (۳) مثنوی کامروپ تحسین الدین مطبوعہ ۱۸۳۴ء

(۴) خلاصہ گل بکاولی " ۱۸۳۵ء — (۵) مرثیہ مسکین " ۱۸۴۵ء

(۶) فرمانِ وائسرائے دربارہ سومنات " ۱۸۴۵ء — (۷) اُردو ڈرامہ " ۱۸۵۰ء

(۸) شکنتلا ناٹک " ۱۸۵۲ء — (۹) آثار الصنادید " ۱۸۶۱ء

(۱۰) اخوان الصفا " ۱۸۶۴ء — (۱۱) اُردو، فارسی، عربی، ترکی کے مشہور معقولوں نظموں اور تلمیحوں کا ترجمہ ۱۸۷۶ء

(۱۲) میر امن کی باغ و بہار " ۱۸۷۸ء

(ب) ترتیب

(۱) کلیاتِ ولی اورنگ آبادی مطبوعہ ۱۸۳۴ء — (۲) مثنوی کامروپ تحسین الدین مطبوعہ ۱۸۳۵ء

(ج) تصنیف و تالیف

(۱) اُردو کا قاعدہ مطبوعہ ۱۸۲۹ء — (۲) ادبِ اُردو و ہندی کی تاریخ مطبوعہ ۱۸۳۹ء

(۳) ہندی کا قاعدہ " ۱۸۴۷ء — (۴) خطبۂ افتتاحیہ " ۱۸۵۰ء

(۵) ہندوستانی شاعر عورتیں " ۱۸۵۴ء — (۶) ہندوستانی مصنفین اور اُن کی تصنیفات " ۱۸۵۵ء

(۷) اُردو کا قاعدہ (دوسرا ایڈیشن) " ۱۸۶۳ء — (۸) ادبِ اُردو و ہندی کی تاریخ (طبع ثانی) " ۱۸۷۰ء

ان کے علاوہ بیسیوں خطبے، مقالے، اور تقریریں، کتابوں اور رسائل کی صورت میں شائع

Marfat.com

ہوئیں۔ اِن میں دتاسی کے اُنیس افتتاحی خطبات کا ایک ضخیم مجموعہ "ہندستانی ادب ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء تک" خصوصاً قابلِ ذکر ہے، جس کا اُردو ترجمہ انجمن ترقیٔ اُردو کی طرف سے تقریباً نو سو صفحات میں شائع ہوا ہے۔ "ہندستانی مصنفین اور اُن کی تصنیفات کا اُردو ترجمہ شمس العلماء منشی ذکاء اللہ دہلوی نے اصل کتاب کی اشاعت کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۵۶ء میں شائع کیا تھا۔ اور ۱۸۵۲ء میں منشی کریم الدین "تاریخِ ادبیاتِ ہندستانی" کا ترجمہ "طبقات الشعراء" کے نام سے چھپوا چکے تھے۔

"دتاسی کی قدر و منزلت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ پیرس کی مشہور ایشیاٹک سوسائٹی کا نہ صرف بانی تھا۔ بلکہ آخر میں اُس کا صدر بھی منتخب ہوا تھا۔ سینٹ پیٹرس برگ، برلن، ایتھنز، فلارنس وغیرہ جیسے اہم مقامات اور دارالحکومتوں کی مشہور اعلیٰ اکادموں اور اعلیٰ مجلسوں کا معروف رکن ہونے کے علاوہ دتاسی لندن، کلکتہ اور بمبئی کی ایشیاٹک سوسائٹیوں کا اعزازی رکن تھا۔" (از گارساں دتاسی مؤلفہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور)

اخلاق و عادات

وہ ایک منکسر مزاج اور سادہ طبیعت آدمی تھا۔ اُس کی وفات کے بعد اکادمی کے صدر نے فرمایا تھا۔

گزشتہ چہار شنبہ کو موسیو گارساں دتاسی کا جنازہ اُٹھایا گیا۔ اُن کی خواہش کے مطابق جس کو انہوں نے باضابطہ ظاہر کیا تھا۔ اکادمی سرکاری طور پر اُن کے جنازے کی ہمراہی کے لئے شریک نہیں ہوئی۔ یہ بحیثیت دوستوں کے تھا۔ جو ہم نے اُن کے جنازہ کی ہمراہی کی۔ لاش مارسیلز کو روانہ کی گئی اور کوئی تقریر نہیں کی گئی۔ اِس لئے اب اجازت دیجئے کہ اپنے کھوئے ہوئے دوست کو الوداع کہیں۔ . . . ان کی شہرت ہندوستان میں فرانس سے زیادہ تھی۔ ہندوستانی صحیفوں میں ان کی تصویریں چھپیں اور نثر و نظم میں اس مغربی نقید نگار کی مدح میں گیت گائے گئے۔ . . .
گارساں دتاسی کا نام ایک ان تھک کام کرنے والے اور ایک پختہ کار مستشرق کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ لیکن جس چیز کی ہم (جو انہیں جانتے تھے) تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ ان کا اخلاق، نرم دلی اور ناقابلِ قبول انکسار ہے

Marfat.com

وہ دوسروں کے مقابلے میں خود کو چھوٹا سمجھنے کے لئے ہمیشہ تیار تھے۔ اپنے آبا و اجداد کے مذہب عیسائیت کے وہ پورے معتقد تھے۔ اور صبر و رضا کے ساتھ انتقال کیا۔"

شاگرد دتاسی کے بیشمار شاگرد ہیں لیکن چند اصحاب کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

(۱) میجر ایم۔ ایس۔ اٹلے، دتاسی کا انگریز شاگرد تھا۔ جب ۱۸۶۶ء کے اواخر میں کیمبرج یونیورسٹی میں پہلی بار اردو کی پروفیسری قائم کی گئی۔ تو اٹلے اور سر سید احمد خاں نے یہ عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ۲۰ نومبر ۱۸۶۶ء کو میجر جے۔ جی۔ اسٹیفن کا اس خدمت پر تقرر ہو گیا۔

(۲) اسے بار ولی۔ اطالیہ کا رہنے والا اور شہر پیرا کا پادری تھا۔ اس نے اپنے علم و فضل کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کی تھی ۱۸۶۶ء میں انتقال کیا۔ ایشیائی علوم و ادب سے خاص شغف تھا اور آپ کی تحقیق فلسفیانہ اور لسانیاتی مباحث پر بھی حاوی تھی۔

(۳) بلال۔ این۔ بلاں فرانسیسی تھا اور اپنے زمانہ میں مشہور مستشرق اور ماہر اردو۔ ڈنکن فوربز سے فارسی اور اردو زبان کی تحصیل کی تھی۔ لندن کا بھی سفر کیا تھا۔ اور آخر کار ۱۸۶۸ء میں انتقال کیا۔ اس نے فارسی شعراء کے تذکرہ "آتش کدہ" پر مفصل تبصرہ کیا تھا۔ نظامی کی مخزن الاسرار کا ایڈیشن بھی اس کی مساعی کا رہین منت ہے اس نے ہندستان کے سب سے قدیم شاعر مسعود بن سعد کے کلام پر بھی تبصرہ لکھا ہے۔

(۴) پاوی۔ ایم۔ ایچ۔ پاوی۔ ہندی میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ کرشن جی کے حالات کے متعلق ایک ہندی نظم کو فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔ اور ۱۸۵۲ء میں شائع کیا۔

(۵) کاکبرن ٹامس۔ یہ انگلستان کا باشندہ تھا۔ اردو سے خاص شغف رکھتا تھا۔

Marfat.com

(۶) ریو - ڈاکٹر ریو انگریز مستشرق تھا۔ ڈنکن فوربز کا فیض یافتہ تھا۔ اس نے دتاسی کے درسوں سے بھی فائدہ اٹھایا تھا۔ ۱۸۶۰ء میں باغ و بہار کا ایک اڈیشن بڑی محنت اور کاوش سے مرتب کر کے شائع کرایا تھا۔ یونیورسٹی کالج لندن میں پروفیسر تھا۔

(۷) ژاناں - موسیو آندرے ژاناں، سوئس کا باشندہ تھا۔ اور مشہور مستشرق تھا ۷ اپریل ۱۸۶۴ء کو فوت ہوگیا۔ لسانیات پر اس کی متعدد تصنیفات ہیں۔

(۸) سیسے - ای سیسے، پانڈیچری کا باشندہ تھا۔ جس کی مادری زبان تامل تھی۔ دتاسی کا بڑا قدیم اور چہیتا شاگرد تھا۔ ۱۸۴۲ء میں کاریکل میں جہاز کا افسر تھا اس نے کارومنڈل سے مالابار تک بارہ سو میل کا سفر کر کے دتاسی کو مطلع کیا کہ اس علاقہ میں ہر جگہ میں نے اردو میں بات چیت کی۔ ۱۸۶۶ء میں وہ پانڈیچری کا مددگار کمشنر مقرر ہوگیا تھا۔ اردو کی تحقیقات اور حمایت میں وہ ہمیشہ اپنے استاد کا دست راست ثابت ہوا۔

(۹) کارسٹیین - دتاسی کا قدیم شاگرد جو ۱۸۶۲ء میں کلکتہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر تھا۔ اور جس نے اپنے خطبۂ تقسیم اسناد میں دتاسی کے خیالات کی حمایت کی تھی۔

(۱۰) کارٹر ہنری - کئی سال تک دتاسی کا شاگرد رہا۔ ۱۸۶۸ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کا معتمد اور اردو کا بڑا حامی تھا۔ ایک خط میں استاد کو لکھا تھا۔ کہ ایک دن آنے والا ہے جبکہ اردو سارے ہندستان کی مشترک زبان بن جائے گی

(۱۱) اے پرتراں - اس نے مثنوی کامروپ کی ترتیب دی ہے

(۱۲) چارلس وشوا - یہ بھی دتاسی کے قابل الذکر شاگردوں میں ہے

اردو کی اشاعت اور تائید

دتاسی نے ۲ فروری ۱۸۶۸ء کے خطبے میں اس امر پر زور دیا کہ انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور امریکہ میں بھی اردو کی پروفیسری قائم ہونی چاہئے۔ اسی طرح اس نے اس امر کی بھی تحریک کی کہ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں ہندستانیوں کو بھی اردو پڑھانے

Marfat.com

کے لئے مقرر کرنا چاہئے۔ تاکہ انگریز صحیح اردو تلفظ اور لب ولہجہ سے واقف ہو جائیں ۱۸۶۰ء میں جب دتاسی کو یہ معلوم ہوا۔ کہ ہر اُس انگریز کے لئے اردو پڑھنا لازمی کر دیا گیا ہے۔ جو فوجی ملازمت کے لئے ہندستان جانا چاہتا ہے۔ تو اُس کو بے حد مسرت ہوئی۔ چنانچہ اُس نے اپنے ۲ رفروری ۱۸۶۱ء کے خطبے میں بڑی خوشی سے اس کا اعلان کیا۔ اِسی طرح ۱۸۶۱ء میں جب دتاسی کو معلوم ہوا۔ کہ ہندستان میں جگہ جگہ مقامی عدالتیں قائم کی جا رہی ہیں۔ تو اُس نے حسب ذیل الفاظ میں انگریزوں کو توجہ دلائی۔ کہ وہ اُردو لکھنا پڑھنا سیکھیں۔

" ہندوستان میں آجکل مقامی عدالتیں ہر جگہ قائم ہو رہی ہیں۔ ان نوجوان انگریزوں کے لئے جن کی اپنے وطن میں قدر نہیں یہ موقع ہے۔ کہ وہ اس وقت ہندستان میں اپنی قسمت آزمائیں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ وہ ہندستان جانے کا ارادہ کریں یہ ازبس ضروری ہے۔ کہ وہ دیسی لوگوں کی زبان کو مطالعہ کے ذریعے سیکھیں اُنہیں ہندوستانی لوگوں کے اُن محاوروں کو جاننا چاہئے۔ جو ہر وقت گفتگو میں استعمال ہوتے ہیں۔"

ایک اور موقع پر دتاسی نے لکھا " حکومت کو اس جانب توجہ دلاتے رہنا مفید ہے . . . اس واسطے کہ ہندوستانی ہی ملک کی مشترک زبان ہے۔ اور جیساکہ میں بارہا پہلے بتا چکا ہوں، اہلِ ہند کا ایک بڑا اور اہم طبقہ اس کے ذریعہ اظہارِ خیال کرتا ہے۔ اور ملک کے طول وعرض میں اس کے بولنے اور سمجھنے والے ملتے ہیں۔ ان تمام امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کو جو حکومت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس زبان کا سیکھنا ازبس ضروری ہے"

اپنے خطبے مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۶۱ء کو اُس نے اُردو کی تائید میں علی الاعلان کہا اُردو نے ہندستان میں جو حیثیت قائم کرلی ہے۔ وہ باقی رہے گی۔ وہ اگر چاہیں کہ لوگوں کو عربی اور فارسی الفاظ ترک کرنے پر آمادہ کریں۔ تو اِس میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے کہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں صدیوں سے جو الفاظ

Marfat.com

زبان پر چڑھ گئے ہیں۔ وہ آسانی سے ترک نہیں کئے جا سکتے۔ ان کی کوشش بالکل ایسی ہوگی جیسے انگریزی فضلا یہ فیصلہ کریں کہ ان کی قوم اُن فرانسیسی الفاظ کا استعمال ترک کردے۔ جو انگریزی زبان میں نارمن فتوحات کے بعد گھل مل گئے ہیں"

۴ر جولائی ۱۸۶۶ء کی تقریر میں دتاسی نے کہا کہ میں اور مسٹر بیمز اردو کی حمایت میں تنہا نہیں ہیں . . . ہم نہ اس کے قائل ہیں۔ کہ عربی، فارسی الفاظ اردو سے خارج کردئے جائیں۔ اور نہ ہم ہندی کو بے وجہ اردو پر فوقیت دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

۴ر دسمبر ۱۸۶۵ء کو افتتاحی خطبہ شروع کرتے ہی دتاسی نے اردو ہندی جھگڑے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ "بہر نہج لوگوں کا خیال ہندستانی کی نسبت کچھ بھی ہو۔ لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ وہ سارے ہندستان کی مشترک زبان بن گئی ہے روز بروز اس کی جو ترقی ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ پورے دیس کی زبان کہی جا سکتی ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت کپتان ایچ۔ مور نے اپنی رائے سے مجھے مطلع کیا ہے۔ موصوف مرکزی حکومت میں ترجمان کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"اس زبان کے توسط سے لاکھوں اہلِ مشرق تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ ریل کی وجہ سے جو اندرونِ ملک میں ہزار میل کی مسافت پر پھیل گئی ہے۔ اور بھی ہندوستان اور وسط ایشیا کے لوگوں کو ملنے جلنے کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ جب یہ لوگ ملتے ہیں۔ تو ایک مشترک زبان کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ہندستانی زبان اس مقصد کو بطریق احسن پورا کرتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی ساخت میں ہندی، فارسی اور عربی کے عنصر شامل ہیں۔ اس زبان میں بدرجۂ اتم یہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔ کہ ہندو اور مسلمان دونوں کے مقاصد کو پورا کرے۔"

دتاسی نے ۱۰ دسمبر ۱۸۶۹ء کے خطبہ میں کہا۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ جس طرح آجکل یورپ میں ایک تحریک اٹھی ہے جس کا نصب العین یہ ہے۔ کہ پھر سے ازمنہ وسطیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور ان زبانوں کو زندہ کیا جائے۔ جو اب بولیاں ہو کر رہ گئی ہیں۔ اسی طرح ہندستان میں بھی ازمنہ وسطیٰ کو زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے . . . ہندستان میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کی ادبیات کو قدر اور احترام کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے

Marfat.com

اس وقت ہندی کی حیثیت بھی ایک بولی کی سی رہ گئی ہے۔ جو ہر گاؤں میں الگ الگ طریقہ سے بولی جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کی کوشش ہے۔ کہ اردو کی بجائے ہندی کو فروغ دیا جائے۔ حالانکہ اردو بہ نسبت ہندی کے زیادہ شستہ ہے لیکن ہندی ان کے نزدیک خالص ہندستان کی زبان ہے۔ اس واسطے کہ وہ سنسکرت سے نکلی ہے۔ ان کو یہ نہیں سوجھتا۔ کہ اردو زبان میں فارسی اور عربی کی ساری خوبیاں جمع ہوگئی ہیں۔ یہ دونوں زبانیں (فارسی و عربی) اسلامی مشرق کی قابلِ احترام السنہ ہیں اور دنیا کے تمام علماء و فضلا ان دونوں کو ہمیشہ سے اسی نظر سے دیکھتے آئے ہیں۔ اسی خطبہ میں ایک جگہ وتاسی نے کہا۔ اردو کے متعلق کم از کم یہ تو تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ اس نے ہندستان میں وہی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ جو فرانسیسی زبان کو یورپ میں حاصل ہے۔ عدالتوں اور شہروں میں اردو بولی جاتی ہے مصنفین اپنی کتابیں اسی زبان میں تصنیف کرتے ہیں۔ اور اسی کی غزلیں گائی جاتی ہیں۔ اردو کے ذریعہ اہلِ ہند یورپین لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں۔ غرضیکہ اگر ان تمام امور کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ تو اردو کو ہندی پر فضیلت حاصل رہتی ہے۔ جسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

مولوی ضیاالدین

مولوی ضیاء الدین خلف شیخ غلام حسن خاں جاگیردار بسی دارا پور دہلی آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ مدرسہ تعلیم المعلمین (نارمل اسکول) میں مدرس مقرر ہوئے۔ علمِ طبعیات میں خاص درک تھا۔ میجر فلر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی فرمائش پر "اصول علم طبعیات" کو ایک کتاب مخزن الطبعیات میں بیان کیا ہے۔ جس کے دو حصے ہیں۔ یہ کتاب لاہور میں ۱۸۶۵ء ۱۱۸۱ھ میں طبع ہوئی۔ حصہ دوم کا نمونہ داستانِ تاریخِ اردو مولفہ حامد حسن صاحب قادری سے نقل کیا جاتا ہے:

اربابِ بصیرت پر ظاہر ہو۔ کہ جن اجسام میں کشش اتصال اس قدر کم ہے۔ کہ ان کے

Marfat.com

اجزاء بغیر محسوس ہونے مزاحمت کے متحرک ہو سکتے ہیں۔ ان کو سیال کہتے ہیں۔ اجسام سخت اور اجسام سیال میں بڑا فرق یہی ہے۔ کہ اجسام سخت کے اجزا کو کشش اتصال متصل اور پیوستہ رکھتی ہے۔"

منشی امیر احمد مینائی

آپ شاہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں ۱۶ ر شعبان ۱۲۴۴ھ روز دوشنبہ بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ نسبتی سلسلہ بہت ہی قریب حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب نور اللہ مرقدہ سے ملتا ہے۔ جن کا مزار مقدس لکھنؤ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب امیر کے نام نامی کے ساتھ مینائی لکھا اور بولا جاتا ہے، آپ مولوی کرم محمد مغفور کے خلف اکبر ہیں۔

آپ کا تذکرہ اس دور میں کیوں کیا گیا

چونکہ آپ نے حیدر آباد دکن میں ۱۹ ر جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء کو رحلت فرمائی، اس لئے آپ کا ذکر خیر تیسرے دور کے مصنفین کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن آپ کی کتاب انتخاب یادگار جس کا انتخاب ہم آگے چل کر ہدیہ قارئین کریں گے بلحاظ زبان مرزا رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب سے ملتی جلتی ہے اس لئے ہم نے یہ مناسب خیال کیا۔ کہ آپ کے حالات زندگی اسی طبقہ کے مصنفین کے ساتھ بیان کئے جائیں۔ علاوہ ازیں تیسرے دور کے مصنفین اس اعلیٰ پایہ کے ہیں کہ ایک یادگار کتاب کے مؤلف کو ان صدر نشینان بزم اردو کے ہم پلہ جگہ نہیں دی گئی۔ اور نہ دی جا سکتی تھی۔ نواب محسن الملک، مولوی سید کرامت حسین مولوی عزیز مرزا وغیرہم ان بزرگوں کے حاشیہ نشین ہیں۔ حالانکہ قابلیت کے لحاظ سے یہ لوگ بھی کچھ ان سے کم نہ تھے خصوصاً مولوی سید کرامت حسین کا درجہ بلحاظ علمیت ان میں سے اکثر سے فائق و بہتر ہے۔ اور ان کی

Marfat.com

کتاب افرادِ کاسینہ اُن کی علمیت اور حکمت کی بین دلیل ہے نیز آپ کی دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان، فسانۂ عجائب کے کچھ ہی بعد کی تصنیف ہیں اور آپ بلا تکلف دوسرے دور کے مصنفین کے ساتھ پہلو بہ پہلو جگہ پا سکتے ہیں۔

عادات وخصائل آپ کو صرف خاندانی فضیلت ہی حاصل نہ تھی۔ بلکہ اپنی ذات سے خود بھی صاحبِ زہد وتقویٰ، صوفی مشرب، خدا پرست، درویش صفت، منکسر المزاج آدمی تھے۔ خاندانِ چشتیہ صابریہ کے سجادہ نشیں حضرت امیر شاہ صاحب سے بیعت رکھتے تھے۔ اور بعد میں خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے تھے

تعلیم آپ کی تعلیم قدیم دار العلوم فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ فہم سلیم اور ذہانت فطری کی امداد سے عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ طب، جفر، نجوم وغیرہ میں بھی اچھی معلومات تھیں اور شاعری میں تو آپ مسلم الثبوت اُستاد تسلیم کئے گئے ہیں۔ اس فن میں آپ کو منشی مظفر علی خاں اسیر سے تلمذ تھا۔ الغرض آپ کا ابتدائی زمانہ تحصیلِ علوم وفنون ہی میں بسر ہوا۔

واجد علی شاہ کے دربار میں باریابی سنہ ۱۲۶۹ھ میں آپ کو سلطانِ عالم واجد علی شاہ اختر کے دربارِ دُربار میں باریابی ہوگئی اور حسب الحکم سلطانی دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان تصنیف کیں۔ جن کے جلدو میں خلعتِ فاخرہ اور انعام عطا ہوا۔ اور اُسی وقت سے آپ کی شہرت کا زمانہ شروع ہوا۔ اسی اثنا میں اودھ کا الحاق ہوگیا۔ اور چند روز آپ خانہ نشین رہے۔

رامپور کی طلبی اور مستقل سکونت بعد ازاں سنہ ۱۲۷۵ھ میں آپ کی سحر بیانی کا شہرہ سُن کر فردوس مکاں نواب محمد یوسف علی خاں بہادر ناظم تخلص نے طلب فرمایا۔ اُس وقت سے آپ کی مستقل سکونت بجائے

Marfat.com

لکھنؤ، رامپور ہوگئی۔ ریاست کی طرف سے عدالت دیوانی کے ایک رکن ہو گئے
یہ وہ زمانہ ہے جبکہ دہلی اور لکھنؤ کے تمام اہلِ کمال نواب صاحب کی قدر دانی و
قدر افزائی کے سبب یہیں۔ آ کر جمع ہو گئے تھے۔ اور جن میں سے اکثر آخر وقت تک
وہیں رہے۔ نواب فردوس مکاں کے انتقال کے بعد ۱۲۸۲ھ ہجری میں نواب
خلد آشیاں کلب علی خاں بہادر کا عہدِ حکومت آیا۔ اردو شاعری کو اور بھی فروغ
ہوا۔ یہ وقت جناب امیر مینائی کے آفتابِ اقبال و کمال کے عروج کا تھا۔
یہاں تک کہ حضرت امیر کو نواب کی اُستادی کا فخر حاصل ہوا۔ اس وقت
رامپور میں مرزا داغ، اسیر، حیا، منیر، بحر، ذکی، قلق، عروج، جلال، شاغل، تسلیم
رسا، وغیرہ کا جمگھٹا تھا۔ اور کبھی کبھی حضرت غالب بھی دہلی سے تشریف لا کر اس
یادگار بزم کو اپنی صدارت سے اعزاز بخشتے تھے۔

تصنیف و تالیف

آپ کی تصانیف اکثر شائع ہو گئیں۔ اور جو مسودہ ہیں ایک
اُردو دیوان موسوم بہ غیرتِ بہارستان جو اس زمانہ میں
مکمل و مرتب ہو گیا تھا۔ ایامِ غدر کی دست برد کی نذر ہوا۔ وقتاً فوقتاً جو اشعار یاد
آتے گئے۔ وہ دوسرے مسودے میں درج ہوتے گئے۔ جس کا کچھ حصہ دیوان منتخب
میں مل کر شائع ہوا۔ غدر کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ مرآۃ الغیب جو در اصل پہلا
دیوان سمجھا جاتا ہے نعتیہ دیوان اور مولود شریف کے ساتھ چھپا۔ ۱۲۸۹ھ میں دوسرا
عاشقانہ دیوان موسوم بہ صنم خانۂ عشق چھپا۔ تذکرۂ شعرائے رامپور معروف بہ
انتخابِ یادگار۔ جو نواب کلب علی خاں کی فرمائش سے لکھا گیا۔ ۱۲۹۰ھ میں شائع ہو
چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک اور قابلِ قدر تالیف یعنی فرہنگ زبان اردو
معروف بہ امیر اللغات کا سلسلہ اخیر زمانہ نواب کلب علی خاں میں شروع کیا۔ جس
کا باقاعدہ کام نواب مشتاق علی خاں کے عہد تک جاری رہا۔ اس فرہنگ میں آپ نے
اُردو زبان کے تمام لغات اختلافی و غیر اختلافی و محاورات نہایت محققانہ اصول سے
لکھنے شروع کئے تھے۔ مگر افسوس کہ یہ تالیف ناتمام رہی۔ اور صرف دو جلدیں جن

Marfat.com

میں الف ممدودہ اور مقصورہ کے الفاظ ہیں۔ شائع ہوئی تھیں۔ کہ آپ کا جامِ حیات لبریز ہوگیا۔ حضرتِ امیر کے بعض خطوط بھی شائع ہو گئے ہیں۔ جن میں اکثر مقامات پر لطفِ زبان کے ساتھ ساتھ طرزِ ادائے بیان نہایت دلکش اور بے ساختہ ہے۔

سیاحت حیدرآباد دکن اور وفات

اس لغت کی تکمیل کے خیال سے آپ کو سیاحت حیدرآباد دکن کا شوق دامنگیر ہوا۔ چنانچہ اپنے دوست نواب فصیح الملک مرزا داغ کی تحریک اور توسل سے بنارس میں حضور نظام نواب محبوب علی خاں کی تشریف آوری کے موقع پر آپ کو باریابی کا اعزاز حاصل ہوا۔ اور قصیدۂ تہنیت کے پیش کرنے کا بھی موقع ملا۔ پھر اگلے سال ۱۳۱۸ھ میں رامپور کو خیرباد کہہ کر چند روز بھوپال میں قیام فرمایا۔ اور ۱۰ رجمادی الاول کو آپ حیدرآباد پہنچے۔ آپ کے صاحبزادے منشی لطیف احمد اختر اور جناب جلیل اس سفر میں آپ کے ہمرکاب تھے۔ نواب فصیح الملک نے نہایت خلوص و محبت سے استقبال کر کے اپنا مہمان کیا۔ مگر افسوس کہ یہ سفر راس نہ آیا۔ اور وہاں پہنچتے ہی ایسے بیمار ہوئے۔ کہ پھر نہ سنبھلے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار اور مرزا داغ اور دیگر احباب شبانہ روز آپ کی تیمارداری میں مصروف رہے۔ بلکہ مہاراجہ سرکشن پرشاد پیشکار و وزیر بھی کئی مرتبہ مزاج پرسی کے لئے آئے۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور روز بروز حالت بگڑتی گئی۔ کم و بیش ایک مہینہ کی علالت کے بعد ۱۹ رجمادی الآخر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۰ء کو رہگرائے عالم باقی ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

افسوس تجھ کو رحم نہ آیا کچھ اے اجل
مارا کہاں امیرِ غریب الدیار کو

اولاد

آپ نے چار لڑکے یادگار چھوڑے۔ منشی محمد احمد محمود و قمر، منشی ممتاز احمد آرزو، منشی مسعود احمد ضمیر اور منشی لطیف احمد اختر

مکان میں آتشزدگی

سنا ہے کہ ۱۸۹۹ء میں جناب امیر کے مسکونہ مکان میں اتفاقیہ آگ لگ گئی تھی۔ اور آپ کی بعض تصنیفات

Marfat.com

نذرآتش ہوگئیں۔ اس سے زیادہ افسوس اس امر کا ہے۔ کہ بعض تصنیفات کو اب تک شائع ہونے کا موقع نہیں ملا۔ اگرچہ وہ اُن صاحبزادوں کے پاس موجود ہیں۔

انتخاب یادگار

جیسا کہ پیشتر ذکر ہو چکا ہے۔ آپ نے ایک تذکرہ اُن شاعروں کا لکھا ہے۔ جو ریاست رامپور کے متوسل رہے ہیں، اس تذکرہ کا نام انتخاب یادگار ہے۔ اور یہ نام تاریخی بھی ہے۔ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس کتاب کو تحریر ہوئے۔ اٹھتر سال سے زائد ہو گئے زبان۔ فسانہ عجائب کی طرح مقفیٰ و مسجّع ہے۔ چونکہ امیر مینائی بھی لکھنؤ کے تھے۔ اور اُس زمانہ کے لحاظ سے معمولی زبان میں جو روزمرہ گفتگو کا ذریعہ تھی۔ کوئی تحریر لکھنا زیادہ قابل تعریف نہ تھا، اگرچہ سرسیدؔ نے اپنی تحریرات سے لٹریچر میں انقلاب پیدا کر دیا تھا مگر بعض لوگ لکیر کے فقیر تھے اور انہیں قدامت پسندوں میں جناب امیر تھے۔ پس سرور کی تقلید سے امیر مرحوم کے لئے بھی آزاد ہونا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے وہی طرز اپنی کتاب کا اختیار کیا۔ جس کو ہم فسانہ عجائب میں پاتے ہیں چار سو دس شاعروں کا حال اس کتاب میں قلمبند کیا گیا ہے۔ اور اس میں ۴۰۰ صفحات ہیں جستہ جستہ مقام سے بطور نمونہ انتخاب کیا گیا ہے۔

"سمندِ قلم پر شہسوار سخن کی تاکید ہے۔ کہ میدانِ حمدِ الٰہی میں قدم اُٹھا۔ اور تیغ زباں پر قوتِ ناطقہ کی تہدید ہے۔ کہ اس معرکہ میں جوہر دکھا، مگر یہ منزل ایسی کڑی ہے۔ کہ دونوں کو مشکل پڑی ہے، نہ اُس کا پاؤں نہ اُس کا ہاتھ اُٹھ سکتا ہے، اس عجز کو دیکھ کر عقل حیران ہے۔ اور دل کو سکتہ ہے۔ کہ تحریر و تقریر کا تو یہ حال کہ نہ قلم کو لکھنے کی تاب، نہ زبان کو گویائی کی مجال پھر کیوں کر و ادئی ناپیدا کنار حمد تمام ہو۔ جس کی ذات کی بداہت، صفات کی نہایت نہ ہو، کس طرح اُس کی ستائش کا سرانجام ہو۔ الحق وہی باطن وہی ظاہر ہے، وہی اول ہے۔ وہی آخر ہے، گفتگو نے بے سر و پا اُس کی ثنا کی گنجائش کہاں پائے، قطرے میں دریا، ذرّے میں صحرا کیونکر سمانے۔ عجب بارگاہِ کبریائی ہے۔ کہ وہاں رسائی کا طریقہ نارسائی ہے۔ انسان ہمت ہار دے۔ اور اس بازی کو

Marfat.com

جیت لے۔ وادیٔ معرفت الٰہی طے ہونے کی یہی سبیل ہے۔ "العجز عن الدرک ادراک" اسی پر دلیل ہے۔

کہیں کہیں عبارت صاف اور سادہ بھی ہے مثلاً:۔

احمد تخلص سید معین الدین احمد ولد سید معین الدین احمد۔ سلسلہ ان کے نسب کا حضرت امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز تک پہنچتا ہے۔ بارہ سو پینتالیس ہجری ان کا سال ولادت ہے۔ ماہ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ بارہ سو بیاسی ہجری زمانۂ رحلت ہے۔ اس حساب سے ۳۷ برس کی عمر ہوئی میاں احمد حسین راحت سے تلمذ تھا۔ سکندر نامہ زبان اردو میں ان کا موزوں کیا ہوا ملا۔ اس سے یہ کلام منتخب ہو گے لکھا گیا۔ اشعار سکندر نامہ:۔

ہوا جب کہ تابندہ مہر منیر ۔۔۔ صف آرا ہوا شاہ گردوں سریر
جواں وہ جو تھے شیر صحرائے جنگ ۔۔۔ چلے دشمنوں کی طرف بے درنگ
ملے دونوں لشکر بہم اس طرح ۔۔۔ کہ ساون سے بھادوں ملے جس طرح
کسی سمت تھے گرز آتش فشاں ۔۔۔ کہیں پار سینوں کے نوک سناں
کوئی نیم جاں تھا کوئی خستہ تن ۔۔۔ میسر کسی کو نہ آیا کفن
پڑی لاش پر لاش تھی اس قدر ۔۔۔ کہ کشتوں کے پشتے ہوئے سربسر

معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کتاب شائع نہیں ہوئی۔ ورنہ ہم شاہنامۂ اردو کی طرح سکندر نامہ اردو بھی بازار میں فروخت ہوتا ہوا دیکھتے۔ نہایت عمدہ اور صاف ترجمہ ہے۔ کاش یہ سکندر نامہ مرحوم کے وارثوں کے پاس محفوظ ہو۔ اور وہ اس کی اشاعت کریں تو بہتر ہو۔ مولانا حالی مرحوم نے اپنے مقدمۂ دیوان حالی میں بھی ایک سکندر نامۂ اردو کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ اور ترجمہ اور نظم کی مشکلات ظاہر کرنے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ بظاہر یہ اشعار فارسی آمیز اردو ہیں۔ اور مضحکہ خیز معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ہم استدعا کرتے ہیں۔ کہ جس شخص کو دعوئے شاعری ہو۔ وہ صرف انہیں اشعار کو اس سے بہتر طور پر ترجمہ اور نظم کر دے،

Marfat.com

جب ایسے شاعرِ باکمال اور نقادِ فن یہ رائے ظاہر کریں۔ تو کس کی مجال ہے۔ جو اُن اشعار کو بہترین ترجمۂ منظوم نہ سمجھے۔ ہمارا قیاس ہے کہ یہ اشعار بھی اسی سکندر نامہ کے ہیں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور سید معین الدین احمد کی تصنیف ہیں۔

پھر وہی انداز ہے:۔

"تسلیم، شیخ امیر اللہ ابن مولوی عبد الصمد انصاری، ان کے بزرگوں کا وطن قدیم فیض آباد، مرزا محمد اصغر علی خاں نسیم دہلوی ان کے استاد، لکھنؤ میں نشو و نما پائی حضور پُر نور (یعنی نواب کلب علی خاں والیٔ رامپور) دام ملکہم کی قدر دانی یہاں کھینچ لائی۔ باون برس کی عمر ہے۔ چار مثنویاں اور دو دیوان اردو ان سے یادگار ہیں۔ یہ ان کے منتخب اشعار ہیں۔

مرزا غالب کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"معلومات ان کی زبان فارسی میں کالشمس فی رابعۃ النہار آشکار ہے۔ نثر و نظم اردو کی چار دانگ ہندوستان میں پکار ہے۔ تالیفات و تصنیفات کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں۔ فارسی میں کلیات جس میں غزلیں ردیف وار ہیں۔ اور قطعات اور قصائد اور رباعیات اور مثنویاں سب قسم کے اشعار ہیں۔ قادر نامہ جو خالق باری کی طرز پر موزوں کیا ہے۔ مہر نیم روز اور ماہ نیم ماہ یہ نثر میں دو تاریخیں ہیں۔ تاریخ اول میں شاہ تیمور سے ہمایوں تک حال لکھا ہے۔ اور تاریخ ثانی میں عہد جلال الدین اکبر بادشاہ سے بہادر شاہ کے عہد تک احوال ضبط کیا ہے۔ دستنبو جس میں غدر کے واقعات ہیں۔ قاطع برہان جس میں برہانِ قاطع کی بعض لغات پر خدشات ہیں۔ پنج آہنگ اس میں فارسی زبان کی منشآت ہیں۔ اردو میں ایک دیوان اور اردوئے معلی اور عودِ ہندی ان دونوں میں اردو زبان کے خطوط ہیں۔ الحاصل مرزا صاحب کی ذہانت اور ذکاوت ان کے نتائج افکار سے پیدا ہے۔ بات سے بات پیدا کرنا تمام کلام

لے جناب امیر کو غلط معلوم ہوا کہ ماہ نیم ماہ بھی لکھی جا چکی ہے مرزا غالب نے خود اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ اس کا نام ہی نام ہے۔ اور تاریخی واقعات لکھنے کی نوبت نہیں آئی (دیکھو خطوط مرزا غالب)

Marfat.com

سے ہویدا ہے۔ اس سرکار فیض آثار کے نمک خوارِ قدیم ہیں۔ جناب غفران مآب نواب محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں طاب ثراہ کو ان سے تلمذ ہے۔ اُس عہد میں بھی وظیفہ خوار ہے بندگانِ ولی نعمت ابد اللہ ظلالِ اجلالہم کے عہدِ دولت میں بھی جب تک زندہ رہے۔ مورد پرورش بے شمار ہے۔ ۸۴ برس کی عمر پائی۔ بارہ سو پچاسی ہجری میں ذیقعد کی دوسری تاریخ وفات پائی۔ سلطان نظام الدین حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کی درگاہ میں دفن ہوئے۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔ جس کا ہر حرف لاجواب ہے"

انتخابِ یادگار میں جس شاعر کا بھی کلام درج کیا گیا ہے۔ وہ اس کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ اور یہ بھی التزام رکھا ہے۔ کہ مذاقِ سخن سے نہ گرنے پائے چنانچہ بعض شعرا کے کلام میں صرف ایک یا دو شعر ہی پسندِ خاطر ہو کر چھاپا گیا ہے۔

Marfat.com

خاتمہ

اس دَور کے مصنفین کی تعداد بہت کم ہے۔ لیکن پہلے دور سے زبان کی عمدگی اور شستگی میں یہ دَور سبقت لے گیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ پہلے دَور کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ اور اس دَور میں قافیہ بندی کا بہت زور ہے۔ نئی نئی تراش اور خراش پائی جاتی ہے۔ عبارت میں رنگینی بہت زیادہ ہے۔ فارسی کا تتبع بہت کچھ ہے۔ تاہم ہر شخص کا حوصلہ نہیں۔ کہ اہلِ قلم بن جائے۔ اس دَور کے مصنفین اعلیٰ قابلیت کے لوگ ہیں اور سب کے سب فارسی اور عربی سے بہرہ وافی رکھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

آزاد آبِ حیات میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ کہ ۱۸۴۲ء میں ایک دہلی کالج سوسائٹی قائم ہوئی۔ اور انگریزی سے اردو میں بہت سی کتابیں اس سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ترجمہ ہو کر شائع ہوئیں۔ مولوی عبدالحق سکرٹری انجمن ترقی اردو نے دہلی کالج پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اور اس دَور کے شروع میں جو فہرست کتب ہم نے دی ہے۔ اُس سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس سوسائٹی کا وجود تھا۔ اور ماسٹر رامچند اس سوسائٹی کے رکنِ اعظم تھے۔ علاوہ ازیں جو کتابیں دہلی کی مطبوعہ ہیں۔ وہ یقیناً اسی سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔ کیونکہ زیادہ تر درسی کتابیں ہیں۔ جو طلبا کے کالج کے لئے ترجمہ کی گئی ہیں۔ اور غالب خیال یہ ہے کہ اس سوسائٹی کے اثر سے تمام اطراف و جوانب ہندوستان میں انگریزی سے کتابیں ترجمہ ہونی شروع ہو گئیں۔ جس طرح دَورِ اوّل میں فورٹ ولیم کالج کے اثر سے ہندوستان میں اُردو نثر نویسی کا رواج ہوا۔ اسی طرح اِس دَور میں دہلی سوسائٹی کے ترجموں کی تقلید دوسرے مقامات میں کی گئی۔ چنانچہ آگرہ میں زیادہ اور دیگر شہروں مثل لکھنؤ، بنارس، اور کلکتہ میں کچھ کم کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوئیں۔

Marfat.com

تیسرے دور کے مصنفین نے کچھ انگریزی زبان کے زیادہ رائج ہونے کی وجہ سے اور کچھ مرزا غالب کے آخری خطوط کی تقلید میں مسجع اور مقفیٰ عبارت کو ترک کر کے صاف اور شستہ الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ تیسرے دور کے مصنفین میں تخیل، طباعی اور جوشیلے اثرات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ لیکن اُن کا اندازِ بیان دوسرے دور کے بزرگوں سے بالکل نرالا اور جداگانہ ہے۔ اور قافیہ پیمائی کا محتاج نہیں ہے

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

اگرچہ اس کتاب کی طبعِ ثانی میں دوسرے دور کے بہت سے بزرگوں کا حال اضافہ کیا گیا ہے۔ اور یقیناً اُن میں سے بعض صاحبِ کمال بھی ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ اب بھی بہت سے بزرگ ایسے رہ گئے ہیں۔ جو ہماری کتاب کو زینت بخشتے۔ کیا عجب ہے۔ کہ طبعِ سوم میں یہ آرزو بھی پوری ہو جائے۔

ذخیرہ محمد وقار مجید لاہور

Marfat.com